مضامینِ شرر

یعنی

مولانا مولوی محمد عبد الحلیم صاحب شرر لکھنوی

مدظلہ العالی

کے تمام شاعرانہ و عاشقانہ محققانہ و فلسفیانہ، تاریخی جغرافی، علمی و
ادبی مضامین، دنیا کے مشہور اکابر اور نامور خاتونوں کے سوانح عمریں
اور کل متفرق تحریریں جن کی فاضل و محقق موصوف نے از سر نو
نظر ثانی فرمائی ہے

جنہیں

سید مبارک علی شاہ گیلانی مولوی فاضل مزنگ لاہور نے چھپوایا

فہرست مضامین شرر

جلد پنجم

اصلاح قوم و ملت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مضامین شرر جلد پنجم

اصلاح قوم و ملت

ہمارے ریفارمر

ریفارمر تو انگریزی لفظ ہے۔ اسلام کے ساتھ ہزار کوشش کی جائے اس کا جوڑ نہین بیٹھتا۔ اسکے مقام پر عربی کا ٹھیک لفظ مجدد ہے۔ اور یہ لفظ دین کی اصطلاحون مین مقبولیت کے ساتھ رواج بھی پا چکا ہے۔ جن لوگون کو انگریزیت کے ساتھ ایسی محبت ہے کہ بقول ہمارے ایک لایق دوست کے قرآن بھی پیرس ہی کا چھپا ہوا اپنے کتبخانون مین رکھتے ہین اور کیا عجب جو چاہتے ہون کہ انکو نامۂ اعمال بھی انگریزی مین لکھا ہوا ملے (چاہے سمجھ مین نہ آئے) اُنکے لیے ہم ریفارمر کا لفظ استعمال کرتے ہین ورنہ ہمکو مجدد ہی کا لفظ پسند ہے۔

حدیث مین آیا ہے کہ ہر صدی کی ابتدا پر ایک مجدد ہوگا جو دین اسلام کو از سر نو زندہ کردیگا۔ اسلامی دنیا پر غور کیجیے تو ایک صدی مین بہت سے لوگ ایسے ملین گے جنکو مجدد ہونے کا درجہ حاصل تھا۔ صحابہ کے بعد ابتدائی زمانہ اُن پہلے فقہا و محدثین کا تھا جنھون نے علم فقہ کو خود ہی شروع کیا اور خود ہی انتہائے ترقی پر پہونچا دیا۔ اور جنھون نے حدیث کو ایک علم بنا دیا اور اپنی پوری پوری عمرین اُسکی تدوین مین صرف کردین۔ اس مین شک نہین کہ وہ

بہت ہی عمدہ اور اعلیٰ کامیابی کا زمانہ تھا جس نے ایک دو نہین صدہا مجدد
پیدا کر دیے تھے اُن کی کوششون سے صرف اُنھین کی صدی کو نفع نہین
پہونچا بلکہ اُن کی دینداری کے جوش نے اسلام مین ایسی جان ڈالی جو
قیامت تک باقی رہے گی۔ وہ اپنی ہی صدی کے نہین اسلام کی پوری
عمر کے مجدد تھے۔ ہان اُنکے عہد کے بعد جب اسلام مین خرابیان اور فتنہ
و فساد پیدا ہونے لگے تو اُنکے دفعہ کرنے کے لیے مختلف اوقات مین ایسے
علما پیدا ہوتے رہے جنھون نے اپنے زمانے کے اہل اسلام کے ساتھ وہی
کام کیا جو انبیاے بنی اسرائیل یکے بعد دیگرے یہود کے ساتھ کرتے رہے تھے

اسلام کا زمانۂ عروج اُن لوگون سے معمور ہے جو دین کی خدمت مین
اپنا مثل اور نظیر نہین رکھتے تھے۔ وہ لوگ جن کے حالات دریافت کرنے
کے لیے آج ہم تاریخ کے صدہا ورق اُلٹ ڈالتے ہین اور آجکل کے خیرخواہان
قوم جنکے حالات ڈھونڈھتے پھرتے ہین وہی ہمارے دین کے بعد والے طبقۂ
علما اور ہر صدی کے فضلا کی سوانحعمری دیکھیے تو معلوم ہو کہ وہ کس رتبے کے
لوگ تھے۔ اور اُنھون نے جو کچھ کیا ہے اُس مین کوئی اُن کی شرکت کا بھی
دعویٰ کر سکتا ہے یا نہین۔ مشاہیر علما جن کے نام اور جن کی عظمت دریافت
کرنے کے لیے تواریخ کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت نہین اور جنکا حال اسلامی
دنیا کے ہر بچے کو معلوم ہے اُن کا شمار بھی تو صدیان کیسی اُن برسون کے برابر
ہوگا جو ظہور اسلام سے لیکے ہمارے عہد تک گذرے۔ اس پیشینگوئی مین جو
ہر صدی مین ایک مجدد بتایا گیا ہے شاید اس سے اقل تعداد مجددون کی مراد ہے
کیونکہ قیامت کے قریب والی صدیون مین جبکہ علم دنیا سے اُٹھ جائیگا کوئی
تعجب نہین کہ ہر صدی پر ایک مجدد ہو۔ مگر آج سے پیشتر کے زمانے مین تو
ہر صدی مین صدہا ایسے گذر گئے جو بجاے خود ایک مجدد کی حیثیت رکھتے تھے۔

افسوس! گذشتہ زمانے کے بےنفس علما کا یہ داب تھا کہ زمانہ اُنھین
مجدد مان رہا تھا مگر وہ براہِ انکسار انکار ہی کرتے تھے۔ اور اب ایسا زمانہ
شروع ہوا ہے کہ آج علما مین سے بعض بعض کو شوق ہے کہ اپنے کو مجدد کہلائین

نواب صدیق حسن خان اور مولانا ابوالحسنات مولوی محمد عبدالحی صاحب مرحوم کے باہمی مباحثات کو جس نے دیکھا ہوگا وہ سمجھ لیگا کہ اپنی اپنی زبان سے مجدد ہونے کا کیونکر دعویٰ کیا گیا - مگر ہم کو اس سے کیا بحث - خدا کرے ایسا ہی ہو -

غور طلب یہ امر ہے کہ تجدید یا رفارم جو کیا جائے تو کیونکر کیا جائے - ایک عقلی فلسفہ جس مین انسانی ذہن بہت واضح ترقی کرسکتے ہین اُسکا یہ حال ہو کہ اسلام کی ایک ہزار سال کی علمی وسعت اور ترقیون مین دو ہی چار علما ایسے ہون گے جنھون نے یونانیون کے مسلمات کو توڑ کے فلسفہ کو نئے اصول پر قائم کیا ہو - معلّم ثانی کا خطاب جس شخص کو دیا گیا اُسکی نسبت ابھی تک صریحی دعوے نہین ہوسکتا کہ اُس نے سوا اسکے کہ فلسفہ کو نہایت خوبی سے ایک جدید زبان مین منتقل کردیا کسی قسم کی تجدید بھی کی - جب عقلیات کا یہ حال ہے تو علوم نقلی جن پر دین کا دار و مدار ہے اُن مین تجدید کرنا نہایت دشوار کام خیال کیا جاسکتا ہے - رسالت جسوقت اپنا منصب پورا کرچکی اور صریحی الفاظ مین کہدیا گیا کہ اب دین قیامت تک انھین اصول پر رہے گا اور اس مین کسی قسم کا تغیر و تبدل نہ ہوگا - پھر ریفارم یا تجدید کے کیا معنی؟ ظاہر ہے کہ تجدید کا لفظ جب دینیات مین استعمال کیا جائے گا تو اُس سے لغوی معنی ہرگز نہ مراد لیے جائین گے کیونکہ احکام الٰہی مین تغیر و تبدل نہین ہوسکتا - تجدید کے معنی اس موقع پر یہ ہونگے کہ دین نیا کردیا جائے یعنی دین کا جوش جو دلون مین کم ہوگیا تھا وہ ازسرنو پیدا کردیا جائے - عبادت کا ذوق و شوق، احکام الٰہی کی محبت، اخلاق کے اعلیٰ نمونے، خدا ترسی کی برکتین، جسکا مختصر یہ کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر جو دنیا مین کم ہوگئے ہون اُن مین پھر ترقی ہوجائے اور دل جو معصیت کے زنگ سے خراب ہوگئے ہون اُن مین پھر جلا دیدی جائے - اصلاحِ دین مین تجدید کے یہ معنی ہین - اور اسی قسم کی کارروائی کی نسبت کہا جاسکتا ہے کہ وہ سچا ریفارم ہے -

آج کل جسقسم کے ریفارم کیے جارہے ہین اُن سے اسلام مین اصلاح

درکنار روز بروز اور زیادہ خرابیان پیدا ہوتی جاتی ہین - وہ لوگ جو مقتدائی کی مسند پر بیٹھے ہین انھون نے ریفارمر کا وزنی لفظ جو یورپ کے اور ولایتی اسباب کے ساتھ ہندوستان مین آیا ہے ابھی تک نہین سنا - ہان اُنکو مجدد کا لفظ پیش پا افتادہ ملتا ہے - اگرچہ انھون نے کسی دل کو بھی اسلام کا سچا پر جوش مطیع نہین بنایا - ایک شخص بھی اُنکے پند و نصائح سے ایسا نہین ہوا کہ اسلام اور دین نبی ہاشمی کا دردمند ہوجاتا - وہ اپنی علمی تحصیل اور اپنے شاگردون کی کثرت پر مجدد ہونے کے مدعی ہین - تمام علما کے گروہ مین اگر کسی شخص پر یہ خطاب کچھ پھبتا ہے تو وہ شیخ الکل اور سند الوقت جناب مولانا سید محمد نذیر حسین صاحب محدث دہلوی ہین - کیونکہ اُنکی برکت سے محبتِ رسول اللہ اور پابندی سنن رسولؐ ہندوستان مین پھیلی - حدیث کو یہان کے علما نے چھوڑ دیا تھا جس کے متروک ہوجانے سے اسلام کے بہت بڑے بڑے اصول درکنار خود توحید مین فرق آگیا تھا - مولانائے ممدوح کی کوشش سے اس مقدس علم کو ایسا رواج ہوا کہ آج ہر شہر اور ہر قریہ مین کچھ نہ کچھ چرچا ضرور ہے -

دوسری طرف وہ جماعت ہے جو عربی تعلیم کو تعلیم ہی نہین خیال کرتی اور تعلیم یافتہ کا لفظ خاص اپنے لیے مخصوص کر لیا ہے - اُسکے نزدیک لفظ مجدد کوئی وقعت نہین رکھتا - کیونکہ اُن لوگون کے خیال مین مجدد کا انتظار ہی ایک قسم کی ضعیف الاعتقادی ہے - ہان لفظ ریفارمر کچھ ایسا پیارا معلوم ہوا ہے کہ ہر انگریزی دان نوجوان ریفارمر بنا جاتا ہے - ہمین بھی افسوس ہے کہ یہ خطاب تو عمر دان ہی مین صرف ہوگیا تو وہ تجربہ کار اور سن رسیدہ حضرات جنھون نے دراصل ان موجودہ خیالات کو ہندوستان مین پھیلایا ہے اپنے لیے کونسا خطاب اختیار کرین گے ؟ مگر ریفارمر کا لفظ عام اس سے کہ نوعمرون مین رہے یا بوڑھے تعلیم یافتون مین افسوس اسلام کے حال پر دونون کی توجہ ایک ہی قسم کی ہے - ظاہر ہے کہ انگریزی جدید فلسفہ نے دونون کو آزاد بنا دیا ہے - اپنی اصلاح یا ریفارمیشن کا کام کرتے وقت امید نہین کہ ایک کو بھی یہ خیال رہے کہ دین کے

آئین و قوانین تبدیل کے لیے نہین ہوتے ہین اور نہ اُسکے جزئیات مین عقلی معرکہ آرائیون کی گنجایش ہوتی ہے۔ جس داب اور حسن عظمت کی نظر سے ایک پیغمبر برحق کی تعلیمات کو دیکھنا چاہیے اُس ادب سے دیکھنے والون سے تو دنیا خالی ہو گئی۔ جن لوگون نے اصلاح کا کام اپنے سر لیاہے وہ اُس قسم کی اصلاح کرنا چاہتے ہین جیسے کہ ایک پیغمبر دوسرے پیغمبر کی شریعت پر تصرف کرتا تھا۔ اگر اسلام نے گنجایش دی ہوتی تو ہم اپنے موجودہ ریفارمرون کو پیغمبر مان لیتے۔ مگر کیا کرین جبکہ ہمین بتادیا گیاہے کہ اب چونکہ پیغمبر نہین پیدا ہو سکتے لہذا جو کوئی اس قسم کا کام کرنا چاہے وہ بجز مخرب دین کے اور کسی قسم کا خطاب نہین پا سکتا۔

لوتھر اور پچھلے عیسائی پادریون نے جس قسم کا ریفارم دین عیسوی مین کیا۔ موجودہ اسکولون کے تعلیم پائے ہوے مسلمان چاہتے ہین کہ اُسی قسم کا ریفارم اب اسلام مین بھی کیا جائے۔ مگر قطع نظر اسکے کہ دین مسیحی مین بھی وہ ریفارم ناجائز بلکہ بے دینی کا پہلا زینہ تھا۔ اگر خیال کیا جائے تو اسلام اور عیسائیت مین بڑا فرق ہے جس کی وجہ سے یورپ کے ریفارم کا قیاس اسلام پر نہین کیا جا سکتا۔ صاف ظاہر ہے کہ دین مسیحی کوئی شریعت لے کے نہین آیا تھا۔ ابتداءً مسیحی احکام اور اعمال مین شریعت موسوی کے تابع تھے اور توراۃ ہر مسئلہ مین اُنکا مرجع تھی۔ آخر یہود کی عداوت نے عیسائیون سے توراۃ مقدس کی پابندی بھی چھڑادی۔ دین عیسوی پر اِن آخری ریفارمون کے پہلے ایک ایسا زمانہ آگیا تھا کہ وہ کسی شریعت کے پابند نہ تھے۔ ہر پادری کی زبان عوام کے لیے ایک شریعت بن گئی تھی۔ پادریون نے اُن دنون اپنے ان ناجائز استحقاق کے ذریعہ سے تمام حظوظ اور نفسانی خواہشون مین کامیابی حاصل کرلی اور دین مسیحی ایسی خرابیون مین مبتلا ہو گیا کہ اگر اُس مین ریفارم نہ کیے جاتے تو دنیا عجب خرابیون مین پڑجاتی۔ بخلاف اسکے اسلام ایک مضبوط شریعت رکھتا ہے جو کُل گذشتہ اُمم کی شریعتون سے زیادہ مضبوط ہے۔ بلکہ دعوے کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اسلام اس فضیلت خاص مین منفرد ہے۔ اسلام نے اپنے ابتدائی

اُٹھاں کے وقت ایک ایسا قانون اور آئین بنا کے اپنے پیرووں کے ہاتھ میں دیدیا تھا کہ نہ اسمیں کسی قسم کی دخل دہی کی گنجایش ہے اور نہ کوئی اس بات کا موقع پا سکتا ہے کہ کسی جزئی مسئلہ میں بھی تغیر و تبدل کر سکے بعض غیر متعصب مورخین کا یہ فیصلہ نہایت عمدہ ہے کہ نبی ناصری یعنی حضرت مسیح کو اپنے دین کی تکمیل کی بابت مہلت نہیں ملی اور اسی وجہ سے دین عیسوی ایک ناقص مذہب رہ گیا۔ اگر عیسائی علما نے اپنی ناقص شریعت کے مضبوط بنانے کے لیے کوششیں کیں اور مسیحی تعلیمات میں اپنے قیاسات کو دخل دیا تو کیا ضرور ہے کہ ہم پیغمبر ہاشمی کی مضبوط اور ہر حیثیت سے درجہ کمال پر پہونچی ہوئی شریعت میں بھی دخل دیں۔

دین اسلام

ہمارے سامنے اسوقت اس نام کا وہ قیمتی اور مختصر رسالہ رکھا ہوا ہے جسکو لیورپول واقع انگلستان کے ایک مشہور اور نامور شخص مسٹر ڈبلیو۔ ایچ۔ کوئی لیم نے چھپوا کے شائع کیا ہے۔ مسٹر کوئی لیم کی نسبت مشہور ہے کہ انھوں نے بہت کچھ غور و فکر کے بعد دین اسلام کو قبول کیا۔ اور اُس سرزمین میں جہاں تثلیث کے سوا توحید کی آواز بہت کم سنی گئی ہوگی یہ پہلے شخص ہیں کہ بالکل اسلامی اصول اور نبی عربی صلواۃ اللہ علیہ و علی آلہ کی تعلیمات کے مطابق خالص اور سچی توحید کے مدعی اور منادی ہیں۔ اپنے رسالہ کے پہلے ورق کو اُنھوں نے مسٹر گارڈنر کے ایک ایسے پُر زور اور موثر جملے سے شروع کیا ہے کہ اُسکے ذریعہ سے ہر شخص ایک مسلمان کی سچی شان کا اندازہ کر سکتا ہے۔ وہ جملہ یہ ہے "میں مسلمان کو پسند کرتا ہوں۔ وہ اپنے خدا سے شرمندہ نہیں ہے۔ اُسکی زندگی خالص پاک و صاف ہے"۔

اس رسالہ کو دیکھ کر لوگ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اسلام باوجود اپنی اس نازک حالت کے کہ خود پیروان اسلام کو اُس کی حقیت ثابت کرنے میں ذرا سرگرمی نہیں کیسا سچا اور واجب التسلیم مسلک ہے کہ جب کوئی اپنے قدیم خیالات سے ہٹ کے دنیا کے عام مذاہب پر ایک سرسری نظر ڈالے خود اپنے کانشنس

کی ہدایت کے بموجب اسلام کے تسلیم کر لینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ یہ سچا دعویٰ
کہ "الحق یعلو ولا یعلیٰ" (حق ہمیشہ غالب ہوتا ہے اور مغلوب نہیں ہوتا) یقیناً
قابل قبول ہے۔ مگر اسکا ظہور آخر میں اور بہت مصائب کے بعد ہوتا ہے۔ شاید
اسلام کے لیے اُسکی موجودہ تباہیوں کے بعد اب وہ زمانہ آیا ہے کہ اس قسم کے
پہلوؤں سے اُسکی راستی اور اُسکی خوبیاں ثابت ہوں۔ کیا عجب کہ خدا نے
جب ہم لوگوں اور عموماً قدیم پیروان دین اسلام اور یادگاران قوم عرب
کو اس قابل نہ پایا کہ اُن سے دین حق کو کسی قسم کا فائدہ پہونچ سکے یا اُسکی
برگزیدہ شریعت کی خدمت کر سکیں تو اُس نے ایک تربیت یافتہ قوم میں سے
منتخب کر کے ایک غیر شخص کو اپنے دین کی تقویت کے لیے بھیجدیا ہو۔ الغیب
عند اللہ۔ کوئی کیا جان سکتا ہے کہ مسٹر کوئی لیم آیندہ کیسے شخص ہونیوالے
ہیں۔ انکا قلم وہی اثر نہ پیدا کرنے والا ہو جو چندہی روز میں عرب کی تلوار
نے حاصل کر لیا تھا۔ ہمارے قدیم فوجی مشنوں نے ایشیا اور افریقہ کو فتح
کیا تھا۔ مسٹر کوئی لیم اُنھیں کے مطابق اپنے زبانی اور قلمی جہاد سے باقیماندہ
حصہ دنیا یورپ اور امریکہ کے فتح کرنے والے نہ ہوں۔ واقعی ہمیں اُنکے علمی
خیالات سے اسی قسم کا دھوکا ہوتا ہے۔ ع شاید کہ درین گرد سوارے باشد۔
اگر مسٹر کوئی لیم نے ذرا بھی سرگرمی دکھائی تو ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ہمارے
پُرجوش ہم مذہب اُنکی مدد کو تیار ہو جائیں گے اور کامیابی کی امید بھی جلد تر
پیدا ہو سکے گی۔

اپنے رسالے کی ابتدا ہی میں مسٹر کوئی لیم نے اسلام کے اصلی اغراض
اور واقعی حالات دکھانے کے لیے ڈیوڈ ارکھارٹ کی کتاب "اسپرٹ آف
دی ایسٹ" کا ایک جملہ نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ دین اسلام کی یہ سب سے
مختصر اور سب سے عمدہ تعریف ہے۔ ڈیوڈ ارکھارٹ نے لکھا ہے "اسلام
بحیثیت مذہب نہ تو نئی تعلیمیں دیتا ہے نہ نئے الہام بتاتا ہے۔
نہ نئے مسائل سکھاتا ہے۔ نہ اُس میں عیسائیوں کی ایسی پیر پرستی ہے، نہ
وہاں ویسی گرجے کی حکومت ہے۔ وہ انسان کے ہاتھ میں ایک شریعت دیتا ہے

اور ملک مین ایک اصلاح نمایان کرتا ہے۔ اور ان دونون کو مذہب سے قوت پہونچتی ہے۔" ارکھارٹ کی یہ رائے آب زر سے لکھنے کے قابل ہے اور اسی وجہ سے یورپ کے کل پچھلے غیر متعصب مورخون نے تسلیم کرلیا۔

یہ ایک مسلم مسئلہ ہے کہ اسلام کے جتنے اصول مضبوط اور جیسے واجب التعظیم ہین اُن سے کوئی صاحب عقل انکار نہین کر سکتا۔ دنیا کے تمام مذاہب کو جب دیکھیے گا اُسوقت یہ خیال ضرور پیدا ہوگا کہ اُس مین کسی نہ کسی ریفارم کی ضرورت ہے۔ یعنی اگر اُسی مذہب کے پیرو اُسے دنیا کے سامنے علی الاعلان پیش کرنا چاہین تو اُنھین مجبور ہونا پڑے گا کہ اپنے دین مین تھوڑا بہت تغیر و تبدل کرین برخلاف اسلام کے۔ اس مین کسی قسم کی ترمیم کی ضرورت نہین۔ ممکن نہین کہ کوئی شخص دین اسلام مین ریفارم کا نام لے سکے۔ جو لوگ اندنون ریفارمر بنتے ہین اور اسلام مین ریفارم کے مدعی ہین سخت غلطی پر ہین۔ اور بعوض دین اسلام کے خود اُن کے دماغ قابل اصلاح ہین۔ ہان اسلام مین اگر ضرورت ہے تو اُس مٹے ہوے جوش کے از سر نو پیدا کرنے اور متروکہ واجب العمل اصول کے پھر رواج دینے کی۔ جس محل پر انگریزی کا لفظ ریوائیو استعمال کیا جا سکتا ہے جسکے معنی از سر نو زندہ کرنے یا تجدید کے ہین۔

مسٹر کوئی لیم نے اسلام کے تمام عقائد اور اصول پر مختصر بحث کی ہے اور دیگر مذاہب کے مقابل مین اُنھین کو برحق مانا ہے۔ ایک ایسا شخص جو عیسائی و معزز خاندان کی یادگار ہو عیسائی اسکولون کا تعلیم یافتہ ہو، عیسائیون ہی مین جسکی زندگی شب و روز بسر ہوئی ہو اور ہوتی ہو۔ بلکہ جسنے اپنی زندگی کا زیادہ حصہ خود عیسائیت ہی مین بسر کر دیا ہو وہ جب اسلام کا دعوے کرے تو دیکھنا چاہیے کہ اُن مسائل مین اُس کی کیا راے ہے جو مسلمانون اور مسیحیون مین ہمیشہ سے مابہ النزاع چلے آتے ہین۔ تثلیث و توحید سے بڑھ کے اس قسم کا اور کون مسئلہ ہو سکتا ہے؟ لہذا مسٹر کوئی لیم کے وہ خیالات جو اس بحث کے متعلق ہین ہم نقل کرتے ہین۔ کہا جا سکتا ہے کہ اسی بحث پر اُنکے عیسائی ہونے یا مسلمان ہونے کا انحصار ہے۔ وہ لکھتے ہین:-

"مسلمانون کے اولوالعزم رسولون مین سے پانچوین جناب مسیح (علیہ السلام) ہین - جنکو عیسائی اپنا نجات دہندہ خیال کرتے ہین اور خدا کے واحد کا ہم پایہ بتاتے ہین - فی الحقیقت دین مسیحی اور اسلام کے اعتقادین ہی بہت بڑا اختلاف ہے - ایک معمولی عیسائی جو اپنے عقائد سے بخوبی واقف نہ ہو تثلیث پر جامد یقین رکھتا ہے اور جب اُس سے سوال کیا جائے کہ تثلیث مین کون کون شامل ہے تو صاف کہدے گا کہ باپ - بیٹا - روح القدس - اور اگر زیادہ توضیح کی جائے تو شاید بتائے گا کہ تین شخص مگر ایک خدا - پھر پوچھا جائے کہ یہ تو بخوبی سمجھ مین نہین آتا اس سے کیا مقصود ہے تو کہدیگا کہ یہ ایک راز ہے لفظ تثلیث کوئی مذہبی لفظ نہین ہے اور نہ عیسائیون کی الہامی کتاب مین کہین اسکا پتہ ہے - الوہیت کے اقانیم ثلثہ کے اتحاد پر اپنا اعتقاد ظاہر کرنے کے لیے دوسری صدی عیسوی مین یہ اصطلاح اہل کلیسیا مین پیدا ہوئی - بہت بڑے بڑے فلسفیانہ خیالات قائم کرنے والے اس خیال کا مفہوم بتانے سے عاجز ہین اور جو کچھ اُن کی زبان سے سنا جاتا ہے اُسکا مفہوم دوسرے الفاظ مین یہ ہے کہ وہ ایک قسم کی عذر خواہی کرتے ہین یا اعتراف کرتے ہین کہ یہ راز تثلیث بالکل ممتنع الاظہار ہے - ہم اپنے دعوے کے ثبوت مین ڈاکٹر راہنسن کے خیالات ظاہر کرتے ہین جو اس مسئلہ تثلیث مین لکھتے ہین کہ "انسانی عقل کی رسائی اور اُسکے خیالات کی انتہا سے اس مبارک مسئلۂ تثلیث کا راز بہت بلند ہے یعنی وہان تک ممکن نہین کہ کسی کی عقل پہونچ سکے" - واقعی دین مسیحی پر جو الزام آتا ہے اُسکو جس خوبصورتی کے ساتھ ڈاکٹر راہنسن نے بیان کیا یہ انھین کا حصہ تھا - اور فی الحقیقت اُنھون نے عیب کو ہنر کر دکھانے مین پوری کامیابی حاصل کی ہے - لیکن ڈاکٹر صاحب کے اس خیال پر مسٹر کوئی لیم نے جو ریمارک کیا ہے وہ بھی بڑے مزے کا ہے -

وہ فرماتے ہین کہ "اگر ایسا ہی ہے تو اسکینڈینیا والون کا اعتقاد قدیم - اہل مصر کی دیو مالا - افلاطون کے الٰہی اسکول کی تعلیمین - اور موجودہ ہندوون کے معتقدات بھی انسانی عقل کے دائرۂ فہم سے باہر اور خاص خدا کے الہامات

ہون گے۔ مگر اسکو کوئی مسیحی تسلیم نہ کرے گا۔ ڈاکٹر رابنسن سے بڑھکر ایک دوسرے
مصنف صاحب اس مسئلہ کی نسبت فرماتے ہین "ٹھیک اور صحیح رائے یہی ہے
کہ مسیحیون مین مسئلۂ تثلیث صرف اعتقاد وایمان لینے کے لیے ہے سمجھنے کے
لیے نہین ہے۔ اور سوا اُس قدر کے جس قدر خدائے تعالیٰ نے اپنے الفاظ سے
فرمادیا ہے اس مسئلہ مین زیادہ بحث کرنا غلطی بلکہ اکثر اوقات خوفناک ہے۔
اور یہ سُن کے مسیحیون کو اور حیرت ہوگی کہ تمام انجیل مین اول سے آخر تک
دیکھ جائیے ایک جملہ بھی نہین ہے جس سے یہ اصول تثلیث ثابت کیا جاسکے۔
صرف ایک ہی جملہ ہے جس سے تثلیث ثابت کی جاتی ہے۔ انجیل یوحنا کے
کسی باب کی ایک آیت مین ہے "باپ۔ لفظ اور روح قدس۔ اور یہ
تینون اصل مین ایک ہی ہین۔ مگر اسکے ساتھ اس مشہور واقعہ کا بھی خیال
رہے کہ جو کمیٹی بائبل کی تحقیق وتنقیح کے لیے بٹھائی گئی تھی اُس نے اپنی تحقیق
کے مطابق بائبل سے اس آیت کو نکال ڈالا تھا اور صاف کہدیا تھا کہ "ایمان
کی تو یہ ہے کہ یہ آیت انجیل مین رکھنے کے قابل نہین ہے"۔

مسٹر کوئی لیم نے اسکے بعد لکھا ہے کہ آؤ ہم اسکا فیصلہ اسی کے مطابق
کیون نہ کرین جیسا کہ خود حضرت مسیح نے کیا تھا۔ ایک سردار نے جناب مسیح کی
خدمت مین عرض کیا "میرے اچھے مالک مین کیا کرون کہ حیات سرمدی
حاصل ہو"۔ تو اُسکے جواب مین اُنھون نے فرمایا "مجھے کیون اچھا کہتا ہے"
کوئی اچھا نہین ہے سوا ایک کے۔ وہ خدا ہے" (لوقا۔ باب ۵۔ آیت ۱۸
و ۱۹) جو لوگ عیسیٰ علیہ السلام کو اُس ایک ذات مطلق مین شامل کیے دیتے
ہین وہ اس واقعہ کو غور سے پڑھین۔

یہان تک بیان کرکے مسٹر کوئی لیم فرماتے ہین "عیسائیون کے مطابق تثلیث
کے خیالات تو ہمنے ظاہر کر دیے۔ اب آؤ دیکھین دین اسلام کے خیالات حضرت
عیسیٰ کی نسبت کیسے ہین۔ اسکو ہم اُس سے زیادہ عمدگی کے ساتھ بیان نہین
کرسکتے جیسا کہ قرآن مجید کی سورۂ مائدہ مین ہے "مسیح ابن مریم اُن کے (خدا
کے) رسول اور اُسکا وہ کلام تھے جسکو خدا نے مریم کے پیٹ مین پھونکدیا تھا"

اسی مسئلہ مین دونون مذہبون کے خیالات کا مقابلہ کرنے سے معلوم ہوسکتا ہے کہ ایسا شخص جسکو دونون مذہبون سے علاقہ نہ ہو کس کو ترجیح دیگا۔ بیشک اسلام کو ترجیح دے گا۔ توحید ایک مسئلہ ہے جسپر تمام عمدہ مذاہب کی بنیاد قائم کی گئی ہے۔ بلکہ سچ تو یون ہے کہ صرف توحید ہی تمام مذاہب کا معیار ہے جس مذہب نے توحید کو جس قدر زور دے کے اور زیادہ صفائی سے ثابت کیا ہو اور جسکو جس قدر زیادہ تعلق قریب توحید سے ہو اُسی قدر زیادہ یقین اُس مذہب اسکی حقیت کا کرنا چاہیے۔ یہ فیصلہ عام عقلا کرچکے ہین اور اسی پر مسٹر کوئیلیم نے بھی زور دیا ہے۔ کہ جناب محمد صلعم صرف خدا کی اس غرض کو پورا کرنے کے لیے دنیا مین تشریف لائے تھے کہ یہود و نصاریٰ نے توحید مین جو خرابیان پیدا کردی ہین اور موسیٰ و عیسیٰ کی بتائی ہوئی توحید کو غارت کردیا ہے وہ انسانی لغزشون سے پاک وصاف کرکے پھر اپنی اُسی قدیم خالص خالص حالت پر پہونچا کے تمام عالم مین پھیلا دی جائے۔ اور چونکہ آنحضرتؐ حق پر تھے لہذا آپ کو کامیابی ہوئی۔ اور جو اس سچے خدا کے بھیجے ہوے مشنری کے مخالف ہوا خود خراب اور تباہ ہوگیا۔

یہ رسالہ اگرچہ بہت چھوٹا اور محدود ہے مگر مسٹر کوئیلیم نے اس مین تمام اسلامی عقائد مختصراً بیان کردیے ہین۔ اور گویا مسلمانون کی ایک اعتقادی کتاب کتاب لکھدی ہے۔ بہتر ہو اگر یہ کتاب ہندوستان کے اسکولون کے اسلامی کورس مین منتخب کرلی جائے۔ خصوصاً ہماری توجہ انجمن حمایت الاسلام لاہور کی طرف ہے جو گویا اپنی پرجوش کارروائیون سے ایسی رایون کی منتظر رہا کرتی ہے۔

مسٹر کوئیلیم تمام اعتقادات اسلامیہ بتا کے لکھتے ہین "دین اسلام ایسا دین ہے اور دنیا کے اُن ایک سو اسی ملین آدمیون کا ایسا اعتقاد ہے جو آج تک دنیا کے پچھلے اور بہت بڑے پیغمبر محمد صلعم کی شریعت پر چلتے ہین اور ہر روز دن اور رات مین پانچ مرتبہ خدائے واحد ذوالجلال کے سامنے سر جھکا کے نماز ادا کرتے ہین۔ دین اسلام مراغہ سے لے کے افریقہ کے تمام شمالی ساحل پر پھیلا ہوا ہے۔ اور زنجبار کو لیتا ہوا ٹرانسوال تک جنوب کی طرف

چلا گیا ہے - مصر - سلطنت ترک - عرب - ایران - افغانستان اور ترکستان پر حکومت کر رہا ہے - اسکے اکتالیس ملین جان نثار ہندوستان مین آباد ہین - بہت قوت کے ساتھ ملایا وغیرہ مین ہے - اور اب سرزمین چین مین بھی اُس نے مضبوط قدم جما لیا ہے - اُس کی ترقی کے لیے مسلمان واعظون کی کوششین اکثر مقامات پر کامیاب ہوتی جاتی ہین "

اسکے بعد مسٹر کوئی لیم اہل انگلستان کی طرف مخاطب ہوکے کہتے ہین -

"یہ وہ اخوت اور بھائی چارہ ہے جسکی طرف ہم اپنے اہل وطن اہل انگلینڈ کو بلاتے ہین - یہ وہ دین ہے جسکو ہم اُنکے سامنے پیش کرتے ہین کہ قبول کرین "

اس رسالہ کو دیکھ کے ہر شخص کو یقین آسکتا ہے کہ مسٹر کوئی لیم گذشتہ دیگر مورخین یورپ کی طرح صرف ایک رائے قائم کرنے والے اور فلسفیانہ حیثیت سے بحث کرنے والے شخص نہین ہین بلکہ اُن کے دل مین خدا نے اپنے دین کا نور ڈال دیا اور انھون نے اُس نور کے دکھانے سے دیکھا کہ دنیا اسلام سے زیادہ اچھا اور سچا مذہب پیش کرنے سے عاری ہے - اور اسی اعتقاد پر وہ مسلمان ہوگئے - صرف وہی نہین بلکہ اُن کے ہموطنون مین سے اور بھی چند لوگون نے حق پسندی مین اُنکا ساتھ دیا - فللّٰہ الحمد -

اب ہم اُن دوستون کی طرف متوجہ ہوتے ہین جو گویا دین اسلام کی تبلیغ کے لیے سفر یورپ پر تُلے بیٹھے ہین اور اُمید رکھتے ہین کہ اس مشن مین ہندوستان اُن کا ساتھ دے گا - اور اُن کی اعانت اور ہمدردی کے لیے اطراف ہند سے برابر لبیک کی پُر جوش آوازین آنا شروع ہو جائین گی - وہ اپنے مشن مین مسٹر کوئی لیم سے مدد لین - اور اگر مسٹر کوئی لیم اُن کی مدد کا وعدہ کرین اور تھوڑی بہت کامیابی کی اُمید دلائین تو اُنکو چاہیے کہ وطن کو خیرباد کہین اور زبان سے یہ صبر وتحمل کا مصرع نکالین ع " دل افگندیم بسم اللہ مجریہا ومرسٰہا " خدا نے چاہا تو اُنکو اپنے مشن مین ضرور کامیابی ہوگی اور تائید غیبی اور مسٹر کوئی لیم کی سرگرمی اور اسپیکری سے مدد مل جائے گی -

ہمارے دوست مولوی ریاض الدین احمد صاحب جنکا جوش اسلامی

ہندوستان بھر میں مشہور ہے اس مبارک سفر کے لیے بڑی مستعدی ظاہر کر رہے ہیں۔ اس کام کی طرف مولوی حسین علی صاحب مشہور اسلامی واعظ نے پہلے بہت زیادہ توجہ کی تھی لیکن وہ اپنی کوششوں میں تھک گئے اور آخر اُنھوں نے تھک کے کہدیا کہ فراہمی چندہ کا اہتمام مجھ سے نہیں ہو سکتا - مگر مولوی ریاض الدین احمد صاحب نہیں تھکے ہیں - خدا کرے اُنھیں کامیابی ہو اور وہ مولوی حسن علی صاحب کو بھی اپنے ہمراہ لیکے جلد تر یورپ کے عازم ہو سکیں - آمین -

قدیم مسیحیون کی ضعیف الاعتقادی

ان دنون مسلمانون مین طرح طرح کی ضعیف الاعتقادی کے خیالات پھیلے ہوے ہین جنکو واعظ اور ذاکر جھوٹی بے سروپا اور لغو کہانیان بیان کرکر کے اور چمکاتے رہتے ہین - اس قسم کی کہانیان جب زیادہ مشہور ہوتی ہین تو اصلی اور صحیح روایتون پر غالب آجاتی ہین اور سچے، محتاط اور ٹھیک ٹھیک حالات و عقائد بیان کرنے والے علما کی باتون مین کسی کو مزہ نہین آتا - اس لیے کہ لوگ مذہبی صحبتون مین ایسی داستانین سننے کے عادی ہو جاتے ہین جنمین الف لیلہ یا امیر حمزہ کی داستان کی شان پائی جاتی ہو -

یورپ کی تعلیم نے مسیحی دنیا سے اس قسم کے خیالات اور ایسی لغو روایتون کا رواج اُٹھا دیا ہے - مگر ایسا نہ سمجھنا چاہیے کہ عیسائی ہمیشہ سے ایسے تھے - انکی قدیم روایتون کا پتہ لگایا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہی تین صدی پیشتر وہ ہمارے عوام سے بھی زیادہ ضعیف الاعتقاد اور ہماری مذہبی کہانیون سے بھی زیادہ مزخرف روایتون کے دلدادہ تھے -

اُنکی قرونِ وسطیٰ کی یہ روایت سننے کے قابل ہے :- فرانس کے شہر کولونیا کے قریب مقدس پطرس کی خانقاہ رہبان مین ایک نہایت ہی بدکار اور ناخدا ترس راہب رہتا تھا - لیکن چاہے خدا کی طرف سے کیسا ہی بے پروا ہو پطرس حواری سے بہت عقیدت رکھتا تھا - اتفاقاً قبل اسکے کہ کسی مقتدا کے سامنے اقرارِ گناہ کا موقع پائے ناگہان مرگیا اور حسب معمول عذاب کے

فرشتے اُس کی روح کے لے جانے کو آئے۔ ایسے خالص عقیدت کیش کے ہاتھ سے جانے پر بطرس حواری کو بڑا صدمہ ہوا۔ اُنھون نے خدا کی درگاہ مین جا کے درخواست کی کہ "اسے جنت مین جگہ ملے۔" مگر یہ دعا نہ قبول ہوئی۔ اور باوجودیکہ اُس پاک حواری کے ساتھ تمام ولیون، حواریون، فرشتون، اور شہیدون کی بھی دعا تھی مگر ایک نہ سُنی گئی۔ تب بطرس نے خدا کی دوشیزہ مان کی طرف توجہ کی۔ اور حاضر ہو کے عرض کیا "خوبصورت خاتون۔ اگر آپ نے شفاعت نہ کی تو میرا راہب گیا گذرا ہوگا۔ جو امر ہمارے لیے غیر ممکن ہے۔ مگر آپ کا یہ ایک معمولی کھیل ہے۔ مہربانی کر کے ہماری مدد کیجیے۔ اگر آپ ایک لفظ بھی کہدنگی تو آپ کا بیٹا ضرور مانے گا۔ اس لیے کہ اُس پر آپ ہی حکومت کر سکتی ہین۔" ملکۂ مریم (والدۂ خدا) نے اس درخواست کو قبول کیا۔ اور تمام کنواریون کو ساتھ لے کے اپنے بیٹے کی طرف چلین۔ وہ خدا جس نے خود بھی یہ حکم دیا ہے کہ اپنے مان باپ کی تعظیم کرو جیسے ہی اپنی والدہ کو آتے دیکھا استقبال کو اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور اُن کا ہاتھ اپنے ہاتھ مین لے کے پوچھا "آپ کیا فرماتی ہین؟" خلاصہ یہ کہ حضرت مریم نے شفاعت کی۔ خدا نے منظور کی۔ اور اُس راہب کو نجات ملی۔"

اسی طرح اس روایت کا بیان بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا: "ایک ڈاکو تھا۔ جس کا معمول تھا کہ جب ڈاکہ زنی کے لیے گھر سے نکلتا پاک کنواری کی طرف حضور قلب سے توجہ کر کے دعا ضرور مانگ لیا کرتا تھا۔ آخر ایک دفعہ پکڑا گیا۔ اور اُسکے لیے حکم ہوا کہ پھانسی پر لٹکا دیا جائے۔ عین اُسوقت جبکہ اُس کے گلے مین رسّی ڈالی جا چکی تھی اُس نے پاک کنواری مریم کی طرف توجہ کر کے دعا مانگی۔ جو بے اثر کیسے نہ رہی۔ فوراً اُس دوشیزۂ پاک نے اپنے گورے ہاتھ پر اُس کے پاؤن ٹکا لیے، اور دو روز تک اسی طرح اُسے اپنے ہاتھ پہ لیے رہی۔ جلادون نے جب دیکھا کہ یون دم نہین نکلتا تو ارادہ کیا کہ تلوار سے اُس کا سر اُڑا کے فیصلہ کر دے۔ مگر وہی از غیبی ہاتھ جو پہلے پاؤن کو ٹکائے ہوئے تھا تلوار کے روکنے کو بڑھا۔ اور آخر جلاد مجبور ہوئے کہ اس مجرم کو

تسلیم کریں اور اُسے یونہیں چھوڑ دیں"۔

ریاست حیدرآباد اور معلم نسوان

زمانے کا پہیہ بہت تیزی سے چل رہا ہے۔ اور اُس سے جو آواز نکلتی ہے کسی کے دبائے نہیں دب سکتی۔ لہذا جن آزادخیالیوں کو زمانہ اپنے خاص خاص نقیبوں کے دماغ میں پیدا کرتا ہے وہ اُسکے ظاہر کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ وہ چاہے کہنے اور ذکر کرنے کا ارادہ کریں اور ہزار چھپانے کی کوشش کریں مگر خود زمانہ ایک ہاتفِ غیب کی طرح اُن کی زبان اور اُنکے منھوں سے اپنی آواز بلند کراتا ہے۔ اور اس زور و شور سے کہ ہر موافق و مخالف کو وہ آواز سننا ہی پڑتی ہے۔ تم اپنے کانوں میں روئی رکھ لو۔ انگلیاں دے لو۔ دونوں کان زور سے بند کر لو۔ ہزار تدبیریں کرو۔ مگر اُس آواز کو خواہ بہ رضا و رغبت سنو خواہ بہ جبر و اکراہ۔ سنوگے ضرور سنوگے۔ اور ہزار بھاگو تمھیں سننا پڑے گی۔

زمانے کے یہ نقیب ہر عہد اور ہر دور میں پکارتے رہے ہیں۔ تمام مذہب، تمام تہذیبیں، تمام اصلاحیں، اور دنیا کی ساری ترقیاں انھیں ایسے ہی زمانے کے خود فروش و خود فراموش نقیبوں کی صداؤں کا نتیجہ ہیں۔ جن نقیبوں کے بتائے ہوے اصول تم مان چکے ہو اور جن کو خواہ رسمی حیثیت سے خواہ مذہب کے طریقے سے تم تسلیم کر رہے ہو انھوں نے بھی جب پہلے پہل اپنی صدا بلند کی تھی تو تمھارے بہت سے بنی نوع بھائیوں نے یہی کوشش کی تھی کہ نہ سنیں۔ وہ بھاگے تھے۔ بھڑکے تھے۔ اُنھیں سُن کے وحشت ہوئی تھی۔ اُنھوں نے کانوں پر ہاتھ دھرے تھے۔ کانوں میں روئی رکھ لی تھی۔ سب ہی کچھ کیا تھا۔ مگر بمصداق۔ گر نہ ستانی بستم می رسد۔ وہ آواز سُنی۔ اور ایسی سُنی کہ آج اُنھیں کی سنت میں تم سب بے عذر و بے حجت اُس آواز کے احکام کو قبول کر رہے ہو۔

گو زمانے کی یہ آواز ہمیشہ سُنی گئی۔ اور ہر قرن میں لوگ اُسکے سُننے پر مجبور

رہے۔ مگر ان دونوں ہندوستان میں یہ آواز زیادہ اور غیر معمولی بلندی کے ساتھ سُنی جا رہی ہے۔ جسکی وجہ یہ ہے کہ تعلیم وتربیت کی طرف زیادہ توجہ ہے تحقیق وتنقیح کا دروازہ کھُل گیا ہے۔ معلومات کا خزانہ ساعت بہ ساعت زیادہ وسیع ہوتا جاتا ہے۔ پرانی نادرو نایاب کتابیں عام طور پہ ملنے لگی ہیں۔ اور سب سے زیادہ اس سبب سے کہ سلطنت نے آزادی دیدی ہے اور اجازت دے رکھی ہے کہ تحقیق وتنقیح میں جو جہاں تک چاہے سرگرمی دکھلائے کوئی بازپرس نہ کی جائے گی۔ پھر اسکے ساتھ زمانہ لالچ دلا رہا ہے کہ اس آزادی ومعلومات سے جو جتنا زیادہ فائدہ اُٹھائے گا اُتنا ہی زیادہ بقاے دوام کے حاصل کرنے کا مستحق ہوگا۔ یہ باتیں ہیں جن کی برکت سے ہر ایک اپنی لیاقت اور حوصلے کے موافق اُٹھ کھڑا ہوا ہے۔ اور جو جس کو مناسب اور صحیح معلوم ہوتا ہے ہمقوموں اور ہموطنوں سے پکار کے کہہ دیتا ہے۔ الغرض ایک ایسی عام تحقیق کا سلسلہ شروع ہوگیا ہے کہ کہیں اخلاقی بُرائیاں مٹائی جا رہی ہیں کہیں مذہب کا چشمہ جہالت کی رسموں اور غیر معتبر روایتوں سے پاک کیا جا رہا ہے۔ کہیں فلسفہ کی جانچ پرتال ہو رہی ہے۔ اور کہیں مسائل معاشرت پہ ردو قدح جاری ہے۔

اس آواز کو سُن کے بھڑکنا اور بھاگنے کی کوشش کرنا کوئی غیر معمولی چیز نہیں ہے۔ عوام ہر جگہ اور ہر عہد میں ایسے ہی ہوتے رہے ہیں۔ مگر وہی وحشت اور وہی گھبراہٹ جو ایک عامی میں نظر آتی ہے جب خاص لوگوں اور تعلیم یافتہ وشایستہ گروہ میں بھی دیکھی جائے تو نہایت ہی افسوس اور سخت حیرت ہوتی ہے۔ عام لوگوں میں مشہور ہے کہ منصور کو لڑکوں اور جاہلوں کے ڈھیلوں اور پتھروں سے کوئی صدمہ نہیں پہونچا تھا مگر شبلی کے ایک پھول سے بڑی چوٹ لگی۔ وہی حال ہمارے دل کا ہوتا ہے۔ جب کسی آزادانہ مضمون کے خلاف جاہلوں کے ساتھ خاص لوگوں کو بھی وحشیانہ شور وغل مچاتے دیکھتے ہیں اور جاہلوں کا سا خطرناک غیظ وغضب اُن لوگوں کے چہروں پہ نظر آتا ہے جو جانتے ہیں کہ زمانے کا کیا رنگ ہے اور وہ کیا کہہ رہا ہے۔

مولوی محب حسین صاحب نے اپنے رسالۂ معلم نسوان مین پردے کے خلاف ایک سخت مضمون لکھا - حیدر آباد کے عوام نے ایک شورش مچائی - بعض اخبارون نے اُس شورش کی آگ پر تیل ڈالا - بعض حیدر آباد کی گپون پر اعتبار کرنے والے اخبارون نے یہ دریافت لیے شایع کر دیا کہ ریاست کے حکم سے رسالۂ مذکور بند کیا گیا اور ہندوستان کے تمام اخبارون نے وہ بھی جن کے ایڈیٹر بڑے لائق ہین اور وہ بھی جن کے ایڈیٹر معمولی لیاقت رکھتے ہین خوشیان منائین کہ ریاست حیدر آباد نے خوب کیا اور بہت اچھا کام کیا - شاید ہندوستانی پبلک اور یہان کے عقلا کی تنگ خیالی کا اس سے زیادہ بُرا اور ناپاک نمونہ آج تک کبھی نہ نظر آیا ہوگا - عقلمند اور مہذب اختلاف کرنے والون کی یہ شان ہے کہ جواب لکھین - خود بھی تحقیق کرین اور مخالف کو بھی تحقیق کا موقع دین - یہ نہین کہ تنقید و تحقیق کا دڑبا ہی پھونک دیا جائے اور آپ اس کی خاک پر کھڑے ہو کے ہنسین - جن لوگون کو مخالفت کا شوق ہے اُنکے لیے ہندوستان کے صدہا پرچے موجود ہین جو اُنکے خیالات اور اُنکے مضامین کو پوری آزادی کے ساتھ شایع کرین گے - اور در اصل صرف یہی فرق ہندوستان اور انگلستان مین ہے مزاحمت اور مخالفت وہان بھی ہوتی ہے مگر وہان کے مخالفون مین یہ شر نہین ہوتا کہ مخالف کے چپ کرنے کے لیے اُسے سُرمہ کھلا دین - یا جس ہاتھ سے خلاف مضامین لکھتا ہے اُس ہاتھ کے توڑنے کی کوشش کرین - وہ ایک شریف مخالف کی طرح زور و شور سے تردید کرتے ہین اور عزت و آبرو کے دشمن نہین بنتے - مگر افسوس ہندوستان مین یہ بات بالکل نہین - اور اس کے پیدا ہونے کی اُمید ہے بھی تو دیر مین -

غور طلب یہ امر ہے کہ آیا یہ بات ریاست کے اختیار مین ہے کہ اس آواز منادیٔ غیب کی اس صدا - اور قدرت کے اس زبردست کڑکے کو ہندوستان سے موقوف کرا دے؟ یہ بھی ایک ویسی ہی اور اُسی قسم کی آواز ہے جو آوازین وقتاً فوقتاً زمانے کی رفتار سے بلند ہوئین - اور سب کو مجبوراً سننا اور آخر مزاحمت سے تھک کے ماننا پڑین - ممکن ہے کہ تم اپنے گھر مین اذان نہ

دینے دو - مگر وہ اذان مسجد مین دی جائے گی اور یقین سننا پڑے گی - اسی طرح ریاست اگر ناعاقبت اندیشی سے ایسی اصلاح کا دروازہ اپنی قلمرو مین بند بھی کردے تو یہ نہین ممکن ہے کہ اصلاح موقوف ہو جائے - جس اصلاح کی بنیاد زمانے نے ڈالی ہے ہو گی اور اس آگ کو اگر تم پھونک کے گل کرنا چاہو تو بجائے بجھنے کے اور زیادہ بھڑکے گی - سب کو معلوم ہے کہ حیدرآباد مین باہر کے اخبارون کا اثر بمقابل لوکل اخبارون کے زیادہ ہے - لہذا معلم نسوان اگر بند بھی ہو جائے تو برطانیہ کی آزاد قلمرو سے یہ آواز تہذیب بلند ہو گی اور حیدرآباد ہی مین زیادہ زور و شور سے سنی جائے گی -

مولوی محب حسین کے ہم خیال اب ہر جگہ اور ہر شہر مین موجود ہین جس مسئلہ کو انھون نے چھیڑا تھا اُس نے ہندوستان مین مین قدم جما لیے ہین - جس تہذیب کی اُنھون نے بنیاد ڈالی تھی آج حیدرآباد ہی کے بہت سے معزز گھرانون مین برتی جا رہی ہے - لہذا معلم نسوان کے مرجانے سے یہ مسئلہ نہین مرسکتا - وہ نئی نئی وضع اور نئی نئی صورتون مین نئے جنم لے گا - اور ہم پیشین گوئی کرتے ہین کہ ایک دن ہندوستان کے تمام مسلمانون کا مذہب ہو گا - ہر تہذیب اور ہر سائنس کو اُسوقت تک مقبولیت نہین حاصل ہو سکتی جب تک اُس پر قابل قدر قربانیان کثرت سے نہ چڑھ لین - لہذا اس مسئلہ پر اُسی قسم کی ایک قربانی معلم نسوان کی ہو گی - اگرچہ ہمین ابھی یقین نہین کہ حیدرآباد نے اس مفید رسالے کو بند کر دیا - کیونکہ تو اب سَر وقار الامرا بہادر کے ایسے وسیع الخیال مدار المہام اور مولوی عزیز مرزا صاحب بی اے کے ایسے روشن دماغ عہدہ دار کے عہد مین کسی ایسی کارروائی کی اُمید بہت مشکل سے کی جا سکتی ہے - لیکن اگر کسی مجبوری سے رسالہ بند ہی کر دیا گیا تو کوئی مضائقہ نہین - یہ اصلاح اور یہ تہذیب بھی اُسی قلمرو کو اپنا مامن و منشا بنائے گی جسکو خدا نے ایسی ہی غرضون کے لیے موضوع کیا ہے -

ہم معلم نسوان کا ماتم نہ کرین گے اور نہ ریاست حیدرآباد کو الزام دینگے لیکن ہان یہ کوشش کرین گے کہ دولت برطانیہ کی قلمرو مین ایسے متعدد رسالے

جاری ہون اور یہ مسئلہ اور اخبارون اور رسالون کے ذریعہ سے جاری رکھا جائے۔
خان بہادر سید ولاور حسین احمد صاحب سابق انسپکٹر جنرل رجسٹریشن بنگال کا
مضمون جن صاحبون نے ۸۔ اگست ۱۹۰۰ء کے پنجاب آبزرور مین دیکھا اور
غور سے پڑھا ہوگا وہ سمجھ سکتے ہین کہ اس مسئلہ نے کہان تک جڑ پکڑلی ہے اور
اس کی سرپرستی کے لیے کیسے کیسے معزز اور سربرآوردہ افتخاران قوم موجود ہین۔

علم کیمیا

یہ خیال کرکے ہم بارہا شرمائے ہین اور بہت شرمائے ہین کہ ہماری موجودہ
کیمیاگری ایک بے بنیاد ہوس اور ایک نہ پوری ہونے والی آرزو ہے۔ جو شوق
ہمین اس مالیخولیا کی طرف متوجہ کرتا ہے وہ ارمان ین کے ہمیشہ ہمارے کیمیاگرون
کے دل ہی مین رہا اور رہے گا۔ اور جو پیاس ہمین اس وہمی آرزو کی طرف متوجہ
کیا کرتی ہے وہ کبھی بجھنے والی نہین۔

کیمیاگری کے خبط مین ہمارے ہزارون دوست اور بزرگ مبتلا ہین۔ اُنکی
محنتون نے جس طرح ہمیشہ ایک تاؤ کی کسر رکھی ویسے ہی اُن کی کوششون نے
اُنھین زندگی بھر کے لیے دین ودنیا سے کھویا۔ ہم صدہا واقعات سن چکے
اور سنتے رہتے ہین کہ کیمیاگری کے فریب مین پھنس کے لوگ کیسے کیسے بیوقوف
بنے اور اُنھون نے کیسے کیسے نقصان اُٹھائے۔ مگر افسوس اس ہوس مین
ایک شمہ برابر بھی کمی نہ ہوئی۔ اور اس مرض استسقا والون کی پیاس کبھی
بجھنے کو نہ آئی۔

مگر سوال یہ ہے کہ کیا ہمارے کیمیاگر ہمیشہ ہی اور ایسے ہی تھے یا کبھی اُنکی
حالت اِس سے اچھی اور بہتر تھی؟ اگر اسکا جواب یہ ہے کہ اُنکی ہمیشہ ہی حالت
تھی تو ہم ندامت کے دریا سے نہین نکل سکتے۔ اور دنیا کی ترقی یافتہ قومون کے
سامنے سر نہین اُٹھا سکتے۔ لیکن اگر اسکا جواب یہ ہو کہ نہین یہ بھی ہماری موجودہ
ادبار نصیبی کا ایک نمونہ ہے کہ کیمیاگری کی یہ حالت ہورہی ہے۔ ورنہ ہمارے
پُرانے کیمیاگر کیمسٹری کے اصلی منافع کو سمجھے ہوے تھے اور اُنھون نے اُس

فن سے بہت کچھ صحیح نتائج حاصل کیے تھے تو البتہ ہم کچھ نظر اُٹھا سکین گے۔
کیمیا گری ہماری موجودہ اصطلاح مین اُس چیز سے عبارت ہے کہ کسی کو سونا یا چاندی بنانے کا نسخہ ہاتھ آجائے۔ جو ایک خفا ہے جس نے اپنی وہمی ہستی پر ایک عالم کو گرویدہ بنا لیا ہے ہوس اُسکے پردن کے سائے مین پرورش پاتی ہے۔ اور طمع اُسکے خیال کی پرستش کراتی ہے۔ یہی لفظ یورپ کے ملکون مین بھی ہے جسکا حلیہ مغربی لباس پہن کے "کمسٹری" ہوگیا ہے۔ اور اُس سے مُراد ترقی کرنے والی قومون مین وہ فن ہے جو انسان کو مختلف اشیا کو ملاکے اور اُنکے اجزا کو نئی نئی ترتیبون سے مرکب کرکے نئی خاصیتون اور نئے تجربون کا پتہ لگانے مین مدد دیتا ہے۔ اس کی ابتدا اس سے پڑی کہ مختلف پتیون کے عرقون کو باہم ملا کے نئے طبی خواص دریافت کیے جانے لگے۔
یورپ نے اس مفید اور ضروری فن سے ایسے فائدے اُٹھائے جو آج ساری دنیا مین نظر آرہے ہین۔ بھاپ اور برق کی معجز نما قوتین۔ تاربرقی۔ ریل۔ جہاز رانی۔ اور بہت سی کلین۔ سچ پوچھیے تو سب اِسی کی برکتین ہین۔ اور اسی فن کے ذریعہ سے انسان نے محسوس طریقے پر اپنے آپ کو اشرف المخلوقات ثابت کیا ہے۔ غرض یورپ نے تو اس مفید فن سے ایسی ایسی برکتین حاصل کین۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ہمارے کیمیا گرون نے کیا کیا کمال دکھایا۔ وہ اُسی نقطے پر رہے جس پر تھے۔ سونا اور چاندی بنانے کی ہوس مین عمرین قرن اور صدیان صرف کردین اور فن مین ایک انچ بھی قدم آگے نہ بڑھا کے۔ بلکہ فضول تضیع اوقات کا نتیجہ یہ نظر آیا کہ روز بروز بجائے آگے بڑھنے کے اور پیچھے ہٹتے گئے۔ تنزل ہی نہین وقت اور عمر عزیز کے ساتھ اُنھون نے اپنے اخلاق بھی کھو دیے۔ فقیری کا نام لیا اور خرقۂ مشائخی کو مکاری دکیا دی کا جامہ بنایا۔ ظاہری صورت بے پروا اور قانع لوگون کی بنائی اور دل مین بندۂ ہوا و ہوس بن گئے۔ اور اس سے بھی بڑھ کے یہ کیا کہ انتہا کے جعلساز۔ مکار ڈاکو۔ گٹھ کٹے۔ اور اول درجے کے بدمعاش ثابت ہوے۔ یہ ہے وہ کیمیا گری جس پر ہمارے ملک۔ ہماری قوم۔ ہمارے بزرگون۔ اور ہمارے ولیون کو ناز ہے

اور جب یہ حال ہے تو بھلا کیمیا کا نام آتے ہی ہم کیون نہ شرمائین؟ اور یہ ریاکاری کی نقیری ہمین کیون دریاے ندامت مین نہ غرق کر دے؟

اس کو ہم مانتے ہین کہ کیمیاگری کے فن مین سوا اس عہد کے کبھی ترقی نہین ہوئی تھی۔ اور جو کرامات و معجزات یورپ والون نے اس فن کے ذریعے سے دکھا دیے ہین کوئی قوم نہین دکھا سکی تھی۔ مگر افسوس تو یہ ہے اور ندامت تو اس بات کی ہے کہ اورون نے اگر ترقی نہین کی تو بدنامی بھی نہین اٹھائی۔ اور ہمنے یہ لیا کہ اپنے اصلی ہنر ان اور دیگر اخلاقی کمالون کو بھی اس فن مین پڑ کے اور کیمیاگری کا نام لے کے کھو دیا۔ اور جہان تک پتہ لگایا جا سکتا ہے اس بارۂ خاص مین ہم متفرد ہین

کیا ہم ہمیشہ ایسے ہی بدنام تھے؟ اور ہماری کیمیاگری بھی ایسی ہی تھی؟ مین سمجھتا ہون کہ نہین۔ ہم نے کبھی اس فن سے اچھے فائدے بھی اٹھائے تھے۔ اور گو اس حد تک عروجِ کمال پر نہین پہونچا سکے مگر کچھ نہ کچھ کر ضرور دکھایا۔ تاریخین گواہ ہین کہ کاغذ کو ہمین نے بنا کے دنیا مین پھیلایا۔ ہم سے پہلے کاغذ تھا۔ اور تھا تو دنیا کے کسی ایسے کونے مین چھپا ہوا تھا جہان تک کسی کی نظر نہ پہونچ سکتی تھی۔ گریک فائر (آتشِ یونان) جو لڑائیون مین نہایت خوفناک کام دیا کرتی تھی گو ہمین یونانیون سے حاصل ہوئی مگر ہم نے اس مین اتنا کمال پیدا کر لیا کہ جس مخالف فوج مین گریک فائر کا استعمال نظر آتا تو یہ بھی باور کر لیا جاتا کہ اس مین کوئی مسلمان ضرور موجود ہے۔ ورنہ وہ لوگ گریک فائر سے کام ہی نہ لے سکتے بارود کا استعمال سب سے پہلے ہمین نے کیا۔ اور ہمارے ہی پرہنر ہاتھون سے وہ یورپ کو ملی۔ اور اسی سلسلے مین یورپ والون نے توپ اور بندوق کے بنانے مین ہماری ہی شاگردی کر کے یہ کمالات حاصل کیے ہین۔ اس وقت سے تین ہی چار صدی پہلے ہماری بنائی ہوئی توپون کا مقابلہ دنیا کی کسی قوم کی توپین نہ کر سکتی تھین۔ اور اسلام نے منجنیقون اور توپون کے بنانے کے جو کارخانے ہندوستان سے لے کے بلغاریہ کے علاقے تک قائم کر رکھے تھے اُن کا نام ہی توپون اور منجنیقون کے عمدہ ہونے کی سند تھا۔ بیشک ہم کو نہ کبھی ایسی اعلیٰ بارود

ایسی زبردست اور جلد کام دینے والی توپین اور بندوقین - اور نہ اُس صفائی و خوبی کے جہاز بنانا نصیب ہوے جیسے کہ مغرب کے موجودہ کارخانے بناتے ہین - ہم کو بھاپ اور برق کی قوتون کا بھی پتہ نہین لگا تھا - لیکن اس سے انکار نہین کیا جا سکتا کہ یہ جدید - عالیشان - سُبک اور پُر رعب عمارت اسی بنیاد پر قائم کی گئی ہے جو ہمارے ہاتھ سے پڑی تھی - اور یہ ساری برکتین ہماری ہی کیمیاگری اور ہماری ہی ٹکنیکل ہنرمندی کی بدولت ہین -

اپنی موجودہ اور گذشتہ حالت کا اندازہ کرنے اور کرانے کے لیے ہم موجودہ مسلمان مہوسون کے مقابل چھٹی صدی ہجری کے ایک مسلمان مہوس کا واقعہ پیش کرتے ہین جس نے چاندی سونا بنانے کے جنون کے عوض دنیا کو حیرت انگیز کمال دکھا دیا تھا -

۵۸۶ھ مین شام کے ساحلی شہر عکہ پر یورپ کے صلیبیون کی سخت یورش تھی - شہر عکہ کے اندر مسلمان تھے - انگریز خشکی کی طرف سے اور نیز دریا کی طرف سے فرانس - جرمن - اور انگلستان کے نائٹ گھیرے ہوے تھے - سمندر کی طرف سے ہزارہا جہاز بیرونی آمدورفت کو روکے ہوے تھے - اور خشکی مین تینون جانب ہزارہا رسالے اور دستے محاصرہ کیے ہوے تھے - ان محاصرہ کرنے والے فرنگیون کو صلاح الدین اعظم کے لشکر نے گھیر لیا تھا - اور محاصرہ کرنے والے بھی خشکی کی طرف سے محصور تھے - گو اُن کا دریائی راستہ نہین روکا جا سکا تھا -

فرنگیون نے شہر پر قبضہ کرنے کی صدہا تدبیرین کین - مگر تین سال تک کوئی زور نہ چل سکا - اس لیے کہ عکہ کے اندر جو مسلمان تھے وہ بھی اس مستعدی سے لڑ رہے تھے اور حملہ آورون کی تمام کوششون کو اس طرح بیکار کر دیتے تھے کہ کسی طرح زور نہ چل سکتا تھا - فرنگیون نے آخر عاجز آ کے لکڑی کے تین بُرج بنائے جو ساٹھ ساٹھ گز اونچے تھے - اور ہر ایک مین پانچ درجے یعنی پانچ منزلین رکھی گئی تھین - انکے لیے نہایت ہی اعلیٰ درجے کی لکڑی جہازون پر لاد کے لائی گئی تھی - مگر چونکہ لکڑی کی تمام چیزین گریک فائر کے ذریعے سے جلا دی جاتی تھین

اور مسلمانان عکہ شہر پناہ پر سے مسلسل اُس آگ لگانے والے مادے کی پچکاریاں برسایا کرتے تھے - لہذا اسکی مضرت سے بچانے کے لیے یہ تدبیر کی گئی تھی کہ اُن برجون پر اوپر سے نیچے تک چمڑا منڈھ دیا گیا تھا - اور پھر چمڑے پر سرکے - مٹی - اور دیگر اجزا سے ملا کے ایک ایسا مسالہ لگا دیا گیا تھا اور ایسا روغن پھیر دیا گیا تھا کہ ہزار پچکاریان ماری جائین پر جون پر کچھ اثر نہ ہوتا - آگ اُن پر اثر ہی نہ کرتی تھی -

یہ برج جب پہیون کے ذریعے سے لُڑھکا کے اور کھینچ کھانچ کے عکہ کی شہر پناہ کے قریب لائے گئے تو اُنکی بالائی منزلین شہر پناہ سے اونچی تھین - فرنگیون نے جب اُن پر چڑھ کے آگ اور تیر برسانا شروع کیے تو مسلمانون نے حسب عادت آتشبار پچکاریان مارنا شروع کین - اور جب خلاف اُمید یہ نظر آیا کہ اُن پر آگ اثر ہی نہین کرتی تو ہر طرف ایک تہلکہ پڑ گیا - اور اہل شہر بالکل مایوس ہو گئے - ایک شخص دریا مین کود کے اور فرنگیون کی نظر سے بچ کے پیرتا ہوا صلاح الدین کے پاس گیا اور اسے اطلاع کی - صلاح الدین نے باہر سے دباؤ ڈالنا شروع کیا - فرنگیون کی تعداد اس قدر تھی کہ انھون نے بالکل پروا نہین کی - فوج کے دو حصے کر دیے - ایک شہر پر یورش کر رہا تھا اور دوسرا صلاح الدین سے لڑ رہا تھا آٹھ دن تک لگاتار شب و روز سخت لڑائی رہی - ہزارہا خلقت کٹ گئی - مگر حالت یہی تھی کہ شہر ساعت بہ ساعت کمزور ہوتا جاتا تھا - اور سب کو یقین تھا کہ عنقریب فرنگی اندر گھس پڑین گے اور تمام زن و مرد قتل ہو جائین گے - ترکی افسر قراقوش جو شہر عکہ کا حاکم تھا اور فرنگیون سے لڑ رہا تھا مایوسی کے غیظ و غضب مین تھا اور گویا موت کا منتظر تھا - اُسکی یہ حالت ہو رہی تھی کہ اُس سے کوئی بات بھی کرتا تو کاٹ کھاتا - اور خیال کرتا کہ اب سب تدبیرین بیکار رہین - یہ برج جو قہر خدا کی طرح نازل ہوے ہین سب کو ہلاک کر ڈالین گے -

ایسی مایوسی و بیکسی کی حالت مین دمشق کا ایک مسلمان کیمیاگر نمودار ہوا جو اتفاقاً شہر عکہ کے اندر موجود تھا - اسکو ہمیشہ سے اس بات کا شوق تھا کہ برقی

مادّون کی قوت کا پتہ لگائے اور دریافت کرے کہ آگ کی قوت کہان تک اور کن طریقون سے بڑھ سکتی ہے - اس نے اپنی زندگی اسی مشغلے مین بسر کی تھی - لوگ اُسے الزام دیا کرتے تھے کیون تضیع اوقات کرتے ہو اور آپ محنت کا کیا نتیجہ ہے - مگر وہ اپنے ذاتی شوق سے اس دُھن مین لگا رہا - تا آنکہ مسلمانون کو اور تمام اہل شہر کو نہایت ہی پریشان و مضطرب الحال دیکھا تو بطور خود ایک نسخہ تجویز کیا جسکے ذریعے سے آگ کا اثر زیادہ مشتعل کیا جائے اور اُس کا عمل اُن چیزون مین بھی موثر ہو سکے جو دیر مین اثر پذیر ہوتی ہین یا نہین اثر پذیر ہو سکتی ہین - یہ مسالہ تیار ہو گیا تو وہ امیر قراقوش کے پاس آیا - اور کہا جو شخص منجنیقون کے چلانے کا مہتمم ہے اُسے یہ حکم دیجیے کہ ان برجون مین سے کسی برج کے سامنے جو منجنیق قائم ہو اُس پر وہ چیز بھر بھر کے مارے جسے مین بتاؤن - اور امید ہے کہ میری تدبیر پر اگر عمل کیا گیا تو مین ان برجون کو جلا کے خاک کر دون گا - قراقوش مایوسیون کے ہجوم سے جھنجلایا ہوا بیٹھا تھا اور جھنجھلا اُٹھا - کہا "بڑے بڑے لوگ تو اپنی تدبیرون مین عاجز آ گئے تم کیا بنا لوگے؟" حاضرین مین سے کسی شخص نے کہا "تو اس شخص کی تدبیر پر عمل کرنے مین کیا مضائقہ ہے - شاید اسی شخص کی بدولت خدا ہماری مدد کرے" اس سفارش پر قراقوش نے حکم دیدیا کہ "اس شخص کی تدبیر پر عمل کیا جائے"

اس شخص نے پہلے تو پتیلیون مین بھروا بھروا کے منجنیقون کے ذریعہ سے ایک ایسا روغن اُن برجون پر برسایا جس سے سوا اُن برجون کے تر ہو جانے اور اوپر سے نیچے تک بھیگ جانے کے اور کوئی نتیجہ نہین ظاہر ہوا - فرنگی جو ان برجون پر چڑھے ہوے تھے اور شہر پر یورش کر رہے تھے اس بے سود کوشش پر قہقہے اُڑانے لگے - جب کوئی پتیلی آ کے گرتی اور اُس سے اُنھین کوئی نقصان نہ پہونچتا تو اُچکنے پھاندنے اور ناچنے کودنے لگتے تھے - شہر والون کا منہ چڑھاتے اور ساعت بساعت مسلمانون کی زیادہ توہین و تذلیل کرتے - وہ تو اسی مسخرے پن مین مشغول اور غافل رہے اور اُس گمنام مہوّس نے نہایت متانت و خاموشی کے ساتھ برج کے ہر حصے مین اُس مسالے کو پہونچا دیا جس کو اس نے اپنی

آیندہ کارروائی کا استر یا ضامن قرار دیا تھا۔ اس غرض میں جب اُسے پوری طرح کامیابی ہوگئی تو اب اُس نے معمولی روغن نفت یعنی آتش یونان کی ایک پچکاری ماری۔ اُس کے پڑتے ہی برج مشتعل ہوگیا۔ فرنگی گھبرائے اور ادھر فصیل پر سے آتشین پچکاریاں پیہم برسنے لگین۔ چند ہی ساعت مین سارے برج مین آگ بھڑک رہی تھی۔ فرنگیون نے بھاگنے اور اُترنے کی بے انتہا کوشش کی مگر آگ اس قدر جلد بھڑکی اور پھیلی کہ کسی کو بھاگنے کا موقع نہ ملا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ برج مع اُن تمام لوگون کے جو اُس مین تھے جل کے خاک ہوگیا۔ ساتھ ہی یہ کارروائی دوسرے برجون پر شروع کر دی گئی۔ مگر پہلے تجربے نے مسیحیون کو اتنا ہوشیار کر دیا تھا کہ دوسرے دو برجون پر جیسے ہی یہ روغن برسایا جانے لگا۔ سب اُتر کے بھاگ کھڑے ہوے۔ اور وہ باقی ماندہ برج بھی جل کے خاک ہوگئے۔

جس دن ان برجون کے جلانے کا واقعہ پیش آیا ہے وہ دن مسلمانون اور فرنگیون دونون کی نظر مین نہایت ہی دلچسپ اور اہم تھا۔ اور اس عظیم الشان محاصرے کی ساری تاریخ مین کوئی دن اس قدر دلچسپ نہین ہوا ثابت نہین ہوا تھا جس قدر کہ یہ دن ثابت ہوا۔ اُس دمشقی ہوس پر یا تو زندگی بھر اعتراضات اور نکتہ چینیون کی بھرمار ہوتی رہی تھی یا آج سارے علک میں ہر زن و مرد اور ہر بوڑھے بچے کی زبان پر اُسی کا نام تھا۔ اور اُسکا نام ایسا عزیز تھا جیسا عزیز کہ اس نازک گھڑی مین شاید کسی کا نام بھی نہ ہوگا۔ سلطان صلاح الدین قلعہ والون کی ہمدردی و حمایت کے لیے اپنی جان لڑائے دیتا تھا۔ مگر اُسکی رحمدلی اور فیاضی سے بھی ایسی مدد کی اُمید نہین کی جا سکتی تھی جیسی کہ اِس شخص کے ہاتھ سے ملی۔ لوگ مسلمان تھے ورنہ اُسکی قدر نہین پرستش کرتے۔

چند روز بعد یہ شخص سلطان صلاح الدین کی خدمت مین پیش کیا گیا۔ صلاح الدین نے اُسکی نہایت ہی قدر و منزلت کی۔ اپنی احسان مندی ظاہر کی اور اُسے بہت کچھ انعام و اکرام اور علاقہ و جاگیر دینے کا ارادہ کیا۔ مگر اُس نے کوئی معاوضہ لینے سے قطعی انکار کیا۔ اور کہا میں نے جو کچھ کیا ہے صرف دین کی خدمت کے لیے اور خالصتہً لوجہ اللہ کیا ہے۔ مین اپنی اس کوشش کا معاوضہ آپ سے نہین بلکہ خدا سے لونگا۔

غرض یہ تھا ہمارا وہ چھٹی صدی کا ہوس جس نے قوم کو۔ مذہب کو اور وطن کو اپنی لیاقت سے فائدہ پہونچایا۔ اور ایک ہمارے آج کل کے ہوس ہین جن کی فضول محنتون اور بے نتیجہ کوششون کی محرک صرف یہ ہوس ہے کہ سونا اور چاندی بنا لین۔ اسی طرح اسی دلگداز کے صفحون پر ہم اپنے ایک قدیم عالم امیّہ ابن ابی الصلت کی ٹکنیکل لیاقت کا تذکرہ کر چکے ہین۔

بس فرق تھا تو اس قدر کہ اِس زمانے میں ایسے کمالات کی قدر سلطنت کرتی ہے اور اصول کے ساتھ کرتی ہے۔ نیز خود پبلک کو ایسے کمالات سے فائدہ اُٹھانے کے اصول معلوم ہوگئے ہین۔ اور اُن دنون یہ چیز نہ تھی۔ اور یہی سبب تھا کہ گذشتہ عہد مین اِن فنون کو ترقی نہ ہوسکی۔ اور جو ایک آدھ صاحب کمال پیدا ہوگیا اُسکا کمال اُسی کے ساتھ فنا ہوکے رہ گیا۔

خوب و زشت

دُنیا انھین دو چیزون کا مجموعہ ہے جب تک شیطان نے نافرمانی نہین کی تھی ہر چیز اچھی تھی۔ سجدۂ آدم سے شیطان کے انکار اور خلقت الٰہی کے اس پہلے کبر و نخوت نے دنیا مین یہ امتیاز پیدا کیا کہ فلان چیز اچھی ہے اور فلاں بُری۔ اسی بنیاد پر اگلے بانیان مذہب نے بھلائی بُرائی کے دو متمائز عالم قرار دیدیے۔ جن مین سے ایک کو یزدان بتایا اور دوسرے کو اہرمن۔

اسکے بعد جب تعلیماتِ الہامی سے یہ معلوم ہوا کہ اس اصول کی بنا پر ایک بہت بڑا حصہ خداوند جل و علا کے قبضۂ قدرت سے نکلا جاتا ہے اور خدا کی خدائی مین بٹہ لگا جاتا ہے تو سچی تعلیم دینی یہ قرار پائی کہ شیطان یا بُرائیون کے سکھانے والے کو بھی خدا ہی نے پیدا کیا ہے۔ اور کوئی چیز اُس قادر مطلق کے اختیار سے باہر نہین۔ اس مسئلہ نے بعد کو جو اختلافات ڈالے اور جبر و قدر کے کرشمے دکھائے اُن سے بحث نہیں۔ کیونکہ۔ ع۔ کس نکشود و نکشاید بہ حکمت این معمارا۔ ہمین صرف اس سے بحث ہے کہ خوب و زشت ہے کیا چیز؟ اور جس چیز کو ہم اچھا کہتے ہین کیا اُس مین کوئی بُرائی نہیں؟ اور جس چیز کو ہم بُرا

کہتے ہیں اُس میں کوئی خوبی نہیں ؟ یا دوسرے الفاظ میں یوں کہا جائے کہ جن چیزوں کو ہم بُرا یا بھلا خیال کرتے ہیں کیا وہ فی نفس الامر بُری یا بھلی ہیں؟ اسکے جواب میں مادّی اشیا اور مخلوقات کو بُرا یا بھلا سمجھنا ورکنار ہم تو خیال کرتے ہیں کہ جن صفات کو بھی بُرا یا بھلا کہا جاتا ہے وہ نفس الامر میں بُرے یا بھلے نہیں - ہر اچھی صفت اور ہر اچھا جذبہ اگر ہم اعتدال سے کام نہ لیں تو بُرا ہے اور ہر بُری سے بُری صفت اگر ہم اُسے بالکل چھوڑ دیں تو خدا کی کسی بہت بڑی نعمت و رحمت سے محروم ہو جائیں گے -

فرض کرو کسی شخص میں غرور ہے اور خود پرستی کے جوش میں وہ اپنے سامنے کسی کی اصل و حقیقت نہیں سمجھتا - ہم مانتے ہیں کہ یہ بُرائی ہے - مگر کیا تم پسند کروگے اگر یہ جذبہ اُس میں سے بالکل فنا ہو جائے ؟ ہرگز نہیں - اِس صورت میں اُس میں سے خودداری کی ضروری صفت فنا ہو جائے گی - وہ اپنی قدر ہی نہ کرسکے گا - اُسے اپنی رائے پر وثوق نہ باقی رہے گا - اور اِس صورت میں اُسے کسی امر میں رائے قائم کرنے کی جرأت ہی نہ باقی رہے گی اور نہ اپنے حقوق کو سلطنت - پبلک یا سوسائٹی و خاندان کے سامنے پیش کرسکے گا -

اسی طرح بخل ایک سخت عیب ہے - بخیل کی تم بے انتہا مذمت کرتے اور اُسے صد درجہ کا ذلیل و دنی باور کرتے ہو - مگر کیا تمھیں گوارا ہو سکتا ہے کہ اُس شخص میں سے بخل کی صفت بالکل فنا ہو جائے اور کسی کے سوال کو رد ہی نہ کرے ؟ ہرگز نہیں - کیونکہ اس حالت میں وہ شخص نہایت ہی فضولخرچ ہو جائے گا - اپنی محنت کی اُجرت یا اپنے سرمایۂ عمر کو ایسی بے جگری سے لٹائے گا کہ چند ہی روز میں تم اُسے بیوقوف بناؤگے اور کھڑے ہو کے اُس پر ہنسو گے -

بُزدلی ایک نہایت ہی ذلیل قسم کا انسانی نقصان ہے سب اُسے بُرا خیال کرتے اور بُزدل کا اپنے پاس بیٹھنا بھی مشکل سے گوارا کرتے ہیں - مگر کیا کوئی اس بات کی بھی آرزو کرسکتا ہے کہ بُزدلی سرے سے فنا ہی ہو جائے ؟

مین جانتا ہون کوئی ذی ہوش تو اسے ہرگز نہ پسند کرے گا۔ کیونکہ جس مین بزدلی کا ذرا بھی مادہ نہین وہ زبردست سے زبردست حریف سے لڑ بیٹھے گا اور مارا جائے گا۔ اُس مین اپنے بچانے اور اپنی حفاظت کرنے کی قوت نہ باقی رہے گی۔

اسی طرح مطابہ معائبِ انسانی کی حالت ہے۔ اصل یہ ہے کہ جیسا ہم اوپر بیان کر چکے ہین ہر چیز کے ضرورت کے موافق اور معتدل درجے تک ہونے کا نام خوبی ہے اور اُس کے گھٹ بڑھ جانے کا نام زشتی۔ اپنی قدر کرنے کی صفت اگر مفید ومناسب درجے تک ہو تو خودداری ہے اور اُس سے بڑھ جائے تو وہ کبر ونخوت۔ مال ودولت کی حفاظت کرنے کا جذبہ اگر صحیح حد تک ہو تو کفایت شعاری ہے اور اس سے بڑھ جائے تو بخل۔ دشمن کی مضرت اور حریف کے حملے سے بچنے کی قوت اگر اعتدال کے ساتھ ہو تو استقلال ہے اُس سے بڑھ جائے تو بزدلی اور بودا پن۔

خلاصہ یہ کہ بُرائی بھلائی دونون فی نفسہ نہ بُری ہین نہ بھلی۔ بلکہ وہی ایک محل پر عیب ہوتی ہین تو ایک محل پر حُسن۔ خود اُن کی ذات مین کوئی خوبی یا خرابی نہین۔ بلکہ ہم اپنے طرز عمل سے اُنھین کبھی اچھا اور قابل ستایش بنا لیا کرتے ہین اور کبھی بُرا اور مستوجب ملامت۔

عشاقِ سخن

جذبات انسانی کا سب سے بڑا مظہر عشق ہے۔ لہذا عشق ومحبت کے جوش سے کام لے کے شاعر جیسے بتیابانہ جذبات ظاہر کر جاتا ہے اور کسی طرح نہین ظاہر کر سکتا۔ عشق کی دنیا مین اُسکی بتیابیان اُسکی از خود رفتگیان اُسکا جوش وخروش اور اُسکا شور وشیون بلا کا ہوتا ہے۔ اسی سبب سے ہر زبان کے شعرا نے عشق کو اپنی طبع آزمائی اور زورِ طبیعت دکھانے کا مرکز بنا لیا ہے۔

لیکن تعجب کی یہ بات ہے کہ شاعری کے عاشق ومعشوق اکثر زبانون مین بدل جاتے ہین۔ ہمارے سامنے ایشیائی شاعری کے تین گروہ موجود ہین۔ عرب۔

ایرانی اور ہندوستانی یعنی ہندی کے شعرا۔ عرب چونکہ اپنی اصلی اور فطری حالت پر تھے۔ اور انکی سرزمین بقول مولانا حالی کے "۔ خدا کی زمین بن جتی سربسر تھی۔ اس لیے اُنکے شعرا نے وہی سامنے کا رُخ اختیار کیا۔ یعنی مرد عاشق ہے اور عورت معشوقہ۔ اسکے خلاف ہندوستان کے ہندی شعرا نے عورت کو عاشق قرار دیا اور مرد کو معشوق۔ لیکن اِن دونوں ملکوں کے درمیان میں ایران کا ملک تھا۔ جو سچ یہ ہے کہ اسلام سے پہلے بھی مشرقی تمدن و تہذیب کا مرکز تھا اور بعد اسلام بھی بنا رہا۔ یہاں کی شاعری نے بھی اس قدر ترقی کی تھی جو کسی اور زبان کی شاعری کو کم نصیب ہو سکتی ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ ایران کی شاعری میں مرد ہی عاشق اور ایک نوخیز امرد مرد ہی معشوق قرار دیا گیا۔

اس موقع پر ہم اس بات پر غور کرنا چاہتے ہیں کہ باوجود ایک دوسرے کے پڑوس میں آباد ہونے کے ان ملکوں کے شعرا میں یہ اختلاف کیوں پیدا ہوا۔ ہمیں عربوں کے مذاق پر زیادہ غور کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ وہاں کے عاشق و معشوق فطرت کے موافق ہیں۔ قدرت ہی نے مرد کو عاشق اور عورت کو معشوق بنایا ہے۔ گو جذباتِ محبت دونوں دلوں میں ہوتے ہیں اور غالباً یکساں ہیں۔ لیکن پھر بھی مرد کی طرف سے اصرار اور عورت کی جانب سے انکار ہوتا ہے۔ یہی نہیں۔ عورت بالطبع چاہتی ہے کہ مرد کی طرف سے بیتابانہ اظہار شوق ہو اور مرد اپنی طبیعت سے پسند کرتا ہے کہ عورت کی زبان سے "نہیں" نکلے۔ اگر اسمیں شبہہ ہو کہ حیوانیت کا مقتضاے طبعی کیا ہے تو انسان کو چھوڑ کے تم جانوروں پر نظر ڈالو۔ وہاں بھی تمھیں عشق و محبت کی یہی شان نظر آئے گی کہ نر کی طرف سے اظہار محبت ہے اور مادہ کی طرف سے انکار اور رُکاوٹ کے بعد اقبال ہوتا ہے۔

لیکن جب فطرت کا یہ کھلا تقاضا تھا اور حسن و عشق کے یہ کرشمے صاف نظر آرہے تھے تو پھر اسکی کیا وجہ ہے کہ شعراے ہندوستان نے اسکے خلاف عورت کو عاشق اور مرد کو معشوق قرار دیا؟ حالانکہ اصلی شاعر مرد ہی ہیں۔ اگر شاعرہ عورتوں کی کثرت ہوتی تو بھی کہا جا سکتا تھا کہ مرد شعرا نے عورتوں کے مذاق

کا تتبع کیا۔ جس طرح کہ اُردو شعر کہنے والی عورتیں غزل گوئی کے وقت مرد بنجایا کرتی ہیں۔ بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ یہ شہوت پرستی کا ایک دلچسپ کرشمہ ہے کہ مرد عورت کو خود اُسکی زبان سے اپنا عاشق بنا کے اپنا جی خوش کرتا ہے اور اُس سے بنیا بانہ کلمات سُن سُن کے محظوظ ہوتا ہے۔ لیکن ہم اسے ہندی شعرا کی متانت و قادر الکلامی کے خلاف سمجھتے ہیں۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ ہندوستان کی عورت بالطبع زیادہ وفادار اور اپنے شوہر کے نام پہ جان فدا کرنے والی پیدا کی گئی ہے۔

علاوہ بریں شعرائے ہند نے اس امر کا بھی لحاظ کیا کہ جتنے سچے جذباتِ عشق عورت کے مرد کی نسبت ہو سکتے ہیں مرد کے عورت کی جانب نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ مرد اکثر متعدد بیبیاں رکھتا ہے اور اُن پہ بھی کفایت کرنے والے فرد کم ہوتے ہیں۔ لہذا ممکن نہیں کہ مرد کے کل جذباتِ شوق کا مرکز صرف ایک عورت قرار پا جائے۔ بخلاف اسکے عورت صرف ایک شوہر کے نام سے جیتی ہے۔ اُسکی ساری دُنیا اکیلے شوہر کے دم سے وابستہ ہوتی ہے۔ خصوصاً ہندوستان کی عورت جو شوہر کی لاش کے ساتھ جل کے خاک ہو جاتی تھی۔ اور اگر نہ جلی تو بھی باقی ماندہ زندگی ایسی کٹھن بیوگی میں کاٹ دیتی ہے جس سے زیادہ بے نفسی۔ خالص محبت۔ اور یکسوئی و یک جہتی کا نمونہ کوئی عشق نہیں ہو سکتا۔ ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ عورت کے خیالات جیسے سچے۔ خالص اور بے لوث ہو سکتے ہیں ویسے مرد کے ہرگز نہیں ہو سکتے۔ اور یہ دیکھ کے اگر شعرائے ہند نے عورت کو عاشق اور مرد کو معشوق قرار دے دیا تو اُن کا یہ انتخاب حق بجانب ہے۔ اور سچ یہ ہے کہ ان امور کا لحاظ کر کے ہم عربوں کے مذاق سے شعرائے ہند کے اس نازک اور دلچسپ مذاق کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کے اس مذاق کو یہاں کی ستی کی رسم اور یہاں کی بیوگی نے پیدا کیا۔ اگر ان دونوں باتوں نے عورت کی عاشقی کو ایسا خالص نہ بنا دیا ہوتا تو شاید شعرا کو یہ بات کبھی نہ سوجھتی کہ شعر و سخن میں عورت کو عاشق قرار دے کے خود معشوقیت کا لباس عروسی پہن لیں۔

بہ ہے فارسی کے عاشق و معشوق۔ گو فارسی شاعری ترقی کر کے عرش معلی پر پہونچ گئی ہو مگر سچ یہ ہے کہ دونوں ناپاک ہیں۔ اول تو سوا آورد کے مصنوعی عشق کے ان دونوں میں کوئی سچا رشتۂ محبت قائم ہی نہیں ہو سکتا۔ مگر اس سے بھی بڑی برائی یہ ہے کہ یہ مذاق ایک نہایت ہی بری اور ناپاک بد اخلاقی کا محرک ہے۔ اور اسی کا اثر ہے کہ ہم ایران میں اور اُن تمام ممالک میں جہاں فارسی شاعری کا اثر پہونچا ہے امردوں سے محبت کرنے اور اُنکے ساتھ ناجائز تعلقات پیدا کرنے کا مرض ساری دیکھتے ہیں۔ اس موقع پر یہ مسئلہ بھی غور طلب ہے کہ بد اخلاقی ایران میں شاعری سے پیدا ہوئی یا شاعری کا یہ مذاق وہاں اس بد اخلاقی کی وجہ سے پیدا ہوا؟ اس معمے کے حل کرنے کے لیے تاریخ پر نظر ڈالنے سے بھی یہ مشکل کوئی نتیجہ حاصل ہو سکتا ہے۔

دنیا میں یہ بد اخلاقی قدیم الایام سے موجود ہے۔ کتب آسمانی کی تاریخ سے بہت پرانے زمانے میں حتے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد میں اس بد اخلاقی کا پتہ لگتا ہے جبکہ حضرت لوط کی امت اس مہلک بد اخلاقی میں مبتلا تھی۔ ہم نہیں جانتے کہ قوم لوط کی شاعری میں مرد معشوق قرار دیا گیا تھا یا عورت لیکن اتنا معلوم ہے کہ عبرانی شاعری کا معشوق عورت تھی۔ جیسا کہ عربی شاعری میں ہے۔ اور اس سے اُمید کی جا سکتی ہے کہ قوم لوط کے شعرا کا مذاق بھی وہی عبرانیوں کا مذاق ہوگا اور اُن کی شاعری اتنی گندی نہ ہوگی جتنا گندہ اُنکا مذاق تھا۔ مگر ہمیں اسکا پتہ نہیں لگتا کہ بابل اور اسیریا والوں اور نیز کلدانیوں اور ساسانیوں کا مذاق شاعری کیا تھا۔ یہی نہیں۔ ہم اس سے بھی ناواقف ہیں کہ فتوحات عرب سے پہلے ایرانیوں کی شاعری کس حالت پر تھی۔ اور نہ اسکی خبر ہے کہ اُن لوگوں میں یہ اخلاقی مرض تھا یا نہیں۔ ہم نے کسی تاجدار عجم کی نسبت نہیں سنا کہ اُسے امردوں اور خوشرو لڑکوں کی طرف توجہ تھی۔ خسرو پرویز ساسانیوں میں نہایت شہوت پرست تاجدار اور بندۂ عشق نظر آتا ہے۔ مگر اُسکی صحبت کی دلچسپیاں شیرین و شکر کی شیرین آدائیاں تھیں نہ کسی امرد لڑکے کی کرشمہ سازیاں۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اسلام میں یہ بد اخلاقی

امین الرشید کے عہد سے شروع ہوئی - اور بعض سلجوقی تاجداروں نے اسے انتہا کے درجے پر پہونچا دیا - مگر یہ ہم ہرگز نہین کہ سکتے کہ ساسانیون یا اگلے ایرانیون کا دامن اس نجاست مین آلودہ تھا -

جہان تک قیاس سے کام لیا جا سکتا ہے ہم سمجھتے ہین کہ فارسی کی شاعری مین اس مذاق کا ذمہ وار تصوف ہے - تصوف مین عشق ایک نہایت ہی ضروری چیز تصور کیا گیا - کیونکہ بغیر عشق کے انسان کا خیال کسی ایک چیز پر قائم نہ ہوتا تھا - اور نہ انسان مین یہ سچی دھن پیدا ہو سکتی تھی کہ ایک کے ہو رہے تو اُسی کے ہو رہے - ان مجبوریون سے عشق اختیار کیا گیا - اور اسکے ساتھ یہ بات بھی بہت ضروری تھی کہ صوفی کا عشق بدکاری و شہوت پرستی تک منجر نہ ہونے پائے - یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر عورتون کے ساتھ عشقبازی کی جائے گی تو بہت کم ایسے لوگ ہونگے جن کے قدم کو لغزش نہ ہو جائے - لہذا عورتون کے عوض امرد لڑکون کا عشق اختیار کیا گیا - جسکی نسبت اطمینان تھا کہ یہ نہایت ہی سلامت روی کا عشق ہے جس مین نہ کسی بد اخلاقی کا خوف ہے اور نہ شہوت پرستی کا اندیشہ - افسوس اُسوقت یہ امر کسی کے خیال مین نہ تھا کہ اس سے بھی ایسی بدکاری پیدا ہو سکتی ہے جو سب سے زیادہ ناپاک اور شرمناک ہے -

تصوف فارسی شاعری مین روز بروز پیدا ہوتا گیا - اور آخر سمجھا جانے لگا کہ جس شاعری مین تصوف نہین مزہ بھی نہین - غرض تصوف کی حکومت فارسی شاعری پر جس قدر بڑھتی گئی اُسی قدر امرد پرستی کا مذاق بھی فارسی شاعری مین زیادہ ہوتا گیا - اور آخر یہ ہو گیا کہ فارسی شاعری کا عام معشوق مرد تھا نہ عورت -

فارسی کے اثر سے یہ ناپاک مذاق اُردو مین بھی پیدا ہوا جس نے فارسی ہی کے آغوش مین تربیت پائی تھی - لیکن اُردو مین یہ بُرا مذاق فارسی سے بھی زیادہ بدنما معلوم ہونے لگا - کیونکہ فارسی مین تذکیر و تانیث کا اثر جملے پر بہت کم پڑتا ہے - اُس مین مذکر و مؤنث کا فرق نہین - نہ افعال تذکیر و تانیث

سے بدلتے ہیں نہ صفات۔ اردو کی حالت یہ ہے کہ اس مین مونث کے لیے فعل بھی بدل جاتا ہے اور صفتین بھی بدل جاتی ہین - فارسی مین کہین گے "آن یار دلستان آمد" نہین کہہ سکتے کہ کونی عورت مراد ہے یا مرد۔ لیکن جب اردو مین کہین کہ "وہ پیارا دل چھین لینے والا آیا" تو صاف طور پہ معلوم ہوجائیگا کہ معشوق مرد ہے۔

اس سے بھی زیادہ خرابی اُن ناسمجھ شعرا نے کی جنھون نے معشوق کو تو ہمیشہ مذکر بنایا مگر اُس کے اوصاف و صفات اور اُسکا حلیہ اور لباس بیان کرنے پر آئے تو کل چیزین عورت کی بیان کر گئے۔

شاید بہتر ہوگا اگر ہمارے شعرا یا تو عربی والون کا مذاق اختیار کرلین اور یا ہندی شعرا کے مطابق معشوق کو عورت قرار دینے کے عوض خود عورت بنجائین۔ یہ تغیر ابتدا اگرچہ ذرا اونوکھا اور غیر مانوس معلوم ہوگا۔ لیکن جب کان آشنا ہوجائینگے تو نہایت لطف دینے لگے گا۔ اور شاید اس طرح ہماری شاعری مین زیادہ جذبات پیدا ہوجائین۔

ہندو مسلمانون کا اتحاد

اس سے کوئی انکار نہین کرسکتا کہ ہندوستان کی فلاح و بہبود کا دارومدار انھین دونون گروہون کے اتحاد پر ہے جو ہندوستان کی آبادی کے زبردست عنصر ہین۔ اور انکے اتحاد کی ضرورت روز بروز زیادہ محسوس ہوتی جاتی ہے۔ مگر افسوس کہ جس قدر ضرورت ثابت ہوتی جاتی ہے اُسی قدر یہ بھی نظر آتا جاتا ہے کہ ان دونون مین اتحاد کرانا دشواری کی حد سے تجاوز کرکے غیر ممکن ہوگیا ہے۔

سب سے پہلے خود ہم نے نہایت اہمیت کے ساتھ اس کام کو اپنے ذمہ لیکے رسالہ اتحاد نکالا تھا۔ جو تقریباً ڈیڑھ سال تک جاری رہا۔ مگر تجربہ سے نظر آگیا کہ ہندو مسلمانون مین خدا ہی اتفاق پیدا کرائے تو کرائے - یہ کام ہمارے بس کا نہین۔ بلکہ ہم تو تجربے کے بعد کہتے ہین کہ یہ کام انسان ہی کا نہین ہے۔ لوگ سمجھتے ہین کہ تعلیم سے اتحاد پیدا ہوگا اور میرا خیال یہ ہے کہ جو تعلیم ہندوستان مین

دبی باقی ہے یہی نااتفاقی کا باعث ہے۔ اور اصلی بانیِ فساد دونوں طرف کے مہذب و تعلیم یافتہ لوگ ہیں۔ بفرضِ محال اگر دونوں طرف کے سارے تعلیم یافتہ پکڑ کے کہیں باہر بھیج دیے جائیں تو مجھے یقین ہے کہ فوراً اتفاق و یکجہتی کے روابط مضبوط ہو جائیں گے اور کسی قسم کا جھگڑا نہ باقی رہے گا۔

کئی سال ہوئے مسٹر گوکھلے نے بھی یہ مشن اپنے ذمے لیا تھا اور لکھنؤ میں آ کے اس بحث کو چھیڑا تھا۔ مگر انھیں بھی کلیتہً ناکامی ہوئی۔ چنانچہ یہاں سے جاتے ہی وہ ایسے چپ ہوئے کہ پھر نام نہ لیا۔

اب آخری زور اس بارۂ خاص میں مسٹر وِیڈربرن لگا رہے ہیں۔ جو معلوم ہوتا ہے کہ گویا ولایت سے دونوں فریقوں کے بغلگیر کرانے کا بیڑہ اٹھا کے آئے ہیں۔ مگر وہ صرف ہماری لڑائی کا تماشا دیکھنے والے ہیں۔ اکھاڑے کے ایک جج بن کے وہ چاہے اس کا فیصلہ کر سکیں کہ کس معاملہ میں کس کی زیادتی تھی اور کون حق پر تھا۔ مگر وہ ہمارے سچے جذبات اور ہمارے مقاصد و اغراض کو ہرگز نہیں سمجھ سکتے۔ اور اگر بالفرض بتانے سے سمجھ بھی جائیں تو یہ ہرگز نہیں جان سکتے کہ دل کی لگی کیسی ہوتی ہے۔ اور کیا بات ہے کہ دونوں فریق اتحاد و اتفاق کی تمام خوبیوں اور برکتوں کو اپنے باعثِ اختلافِ مقاصد پر قربان کیے ڈالتے ہیں۔

نوبت یہاں تک پہونچ چکی ہے کہ راقم موتی اور ڈاکٹر عصمت اللہ کا مقابلہ اور ہندو مسلمان پہلوانوں کی کشتیاں اہم ترین قومی مسائل بن گئے ہیں مسلمانوں کی ہر پولٹیکل خواہش ہندوؤں کو اپنے خلاف معلوم ہوتی ہے اور ہندوؤں کا ہر پولٹیکل مسئلہ مسلمانوں کو اپنے مقاصد کے برعکس نظر آتا ہے۔ وہ لوگ ہندوستان کے اسٹیٹس مین اور پالٹیشین بن گئے ہیں جو چالاکیوں اور چپتیوں کے ساتھ اپنا مطلب نکالیں اور دوسرے فریق کے مقاصد کے خلاف کوئی کامیابی حاصل کریں۔ ملک کے بہترین اخبارات وہ ہیں جو اپنے گروہ کی وکالت میں دوسرے گروہ کے مفید مطالب دلائل کو توڑیں۔ ایسی حالت میں مسٹر وِیڈربرن ہوں یا کوئی اور۔ کچھ نہیں کر سکتا۔ مسٹر وِیڈربرن دلچسپی و لطف

کے ساتھ اپنا موسمی سفر پورا کرکے اور تفنن طبع کے لطف دکھا کے موسم گرما شروع ہونے سے پہلے ہی ٹھنڈے ٹھنڈے اپنے گھر چلے جائیں اور ہندوستان کی فضا ویسی ہی رہے گی جیسی کہ تھی۔ وہ افسوس ہندوستان کی گرمیاں بھی نہ دیکھیں گے جو شاید انھیں اِس مشرقی سرزمین کی گرمجوشیوں کا کچھ نمونہ دکھا سکتیں۔

فی الحال ہندو مسلمانوں اختلاف کا اہم ترین مسئلہ اُردو زبان کا معاملہ ہے ہندوؤں نے ارادہ کر لیا ہے کہ ناگری خط کو ہندوستان کا قومی خط بنائیں۔ اور ہندی زبان کو (جس کا صرف ایک سودہ اُنکے دماغ میں ہے اور ابھی اُس نے کسی مروجہ زبان کی صورت نہیں اختیار کی ہے) ہندوستان کی قومی زبان بنائیں۔ اسکے مقابل مسلمان سمجھتے ہیں کہ اگر اُردو مٹ گئی تو اِسوقت ہندوستان میں جتنا لٹریری سرمایہ جمع کیا گیا ہے برباد ہو جائے گا اور جو زبان بڑی کوششوں سے ہندوستان کی عام زبان ہونے کے علاوہ ایک علمی زبان بن چکی ہے خاک میں مل جائے گی۔ یہ ہم مسٹر وڈربرن سے پہلے ہی بیان کیے دیتے ہیں کہ ہمارے ملک میں ایثار نفس کا مادّہ نہ ہندوؤں میں ہے اور نہ مسلمانوں میں۔ ہم سب اپنی غرض کے بندے ہیں۔ اور اِسکو جانتے ہی نہیں کہ دوسرے کی بھلائی کے لیے اپنا ادنیٰ نقصان بھی گوارا کریں۔ پھر اب وہ فرمائیں کہ ایسی صورت میں وہ اِسی زبان کے مسئلہ میں کیا کریں گے؟

یہ چند حضرات جن کو آپ کی جدید کانفرنس نے منتخب کیا ہے اول تو کسی ایسی بات کو منظور ہی نہ کریں گے جو اُن کے گروہ کے مقاصد و اغراض کے خلاف ہو۔ اور اگر فرض کیجیے کہ آپ کے سمجھانے سے وہ سمجھ کے راضی بھی ہو گئے تو پھر اُن کی کون سنے گا؟ آپ بیکار ہی کا دردسر مول لے رہے ہیں۔

گھڑی بھر کو یہ بھی مان لیا کہ آپ کے سمجھانے سے یہ اور اِنکے سمجھانے سے اِنکے گروہ والے آپ کے کسی فیصلے کو منظور کر لیں گے لیکن اُسوقت کیا ہو گا جب آپ تو ولایت میں ہونگے اور یہاں بدقسمتی سے کسی مسجد کے مولویصاحب کسی ہندو کے سنکھ بجانے پر بگڑ کھڑے ہوں گے۔ یا کسی بقر عید میں کسی مسلمان کے

گھر میں گائے کی قربانی ہونے کی خبر سن کے ہندو اٹھ کھڑے ہو جائیں گے - آپ
کو خبر بھی نہ ہو گی - کیونکہ آپ کو اتنی فرصت کہاں کہ اپنے وطنی اخبارات
چھوڑ کے ہمارے جھگڑوں میں پڑیئے - اور دیکھ لیجیے گا کہ ایسا [illegible] تو کون
یا کسی شہر کے کسی کونے میں دو چار ہندو مسلمانوں میں جھگڑا چلے گی - پولیس
اس کے چند آدمیوں کا چالان کرے گی - اور اسکے بعد بھی حضرات جن لوگوں کو آپ نے
اسوقت اتحاد کے لیے منتخب فرمایا ہے اپنے اپنے فریق کی وکالت میں شور
واویلا و فضیحتا مچائیں گے - اور اُن کی تحریروں کے اثر سے سارے ہندوستان
میں ہر ہندو مسلمان سچے جہاد کرنے اور اپنے دین اور اپنی قوم کی حمایت میں جان
دینے کو تیار ہو جائے گا -

اگر آپ سچے دل سے اتفاق پیدا کرنا چاہتے ہیں اور جن اتفاق سے
وائسرائے بہادر نے بھی آپ کی اس سعی خیر کی داد دی ہے تو پھر گورنمنٹ آف
انڈیا سے حکمرانی کے خاص اختیارات حاصل کر کے پہلے تو تمام مدارس میں سے
تاریخ کی تعلیم بند کرا دیجیے - اسکے بعد تمام ہندو مسلمان اخبارات کو قطعاً بند
کرا دیجیے - پھر حکم کرا دیجیے کہ فرقہ وار سوسائٹیاں سب کی سب توڑ دی جائیں
اور بعد ازاں تمام انگریزی تعلیم یافتہ ہندو مسلمانوں کو اپنے ساتھ لے جا کے
انگلستان میں بسا لیجیے - عطائے تو بلقائے تو - انھیں بھی ولایت [illegible] کا
بڑا شوق ہے خوشی سے راضی ہو جائیں گے پس آپ اتنی تدابیر عمل میں
کر دیجیے - پھر کبھی ہندو مسلمانوں میں نا اتفاقی یا رنجش ہو تو ہم ذمہ دار - بلکہ لکھے
دیتے ہیں کہ ہمیں جو سزا چاہیے گا دیجیے گا -

قبلہ و کعبہ - یہ ساری برکتیں تعلیم کی ہیں - وہی تعلیم جس کا پہلا اسٹیج تو یہ
تھا کہ ہم میں اُن میں بگڑی - پرانی دوستیاں - اگلی محبتیں اور یکجہتیاں - ایک
کا دوسرے کے رنج و راحت میں شریک ہونا - ایک کا دوسرے کے لیے جان
دینے کو فوراً آمادہ و تیار ہو جانا سب باتیں خواب و خیال ہو گئیں - اور
دوسرا اسٹیج یہ ہے کہ جب سلطنت کی بیدار مغزی و انصاف پسندی سے ایک
کا دوسرے پر زور نہ چلا تو ناکردہ کار اور بے عقل نوجوان خود سر کار کے خلاف

ہو گئے اور باغیانہ خیالات کا اظہار اس سرزمین میں ہونے لگا جو بادشاہ پرستی کے لیے ضرب المثل تھی۔

ہمارے خیال میں نااتفاقی کے نتائج ظاہر ہونے کا ابھی آغاز ہی ہے اور جو کچھ آیندہ ہونے والا ہے اس کا عشر عشیر بھی ابھی نہیں ہوا۔ سرکاری تعلیم سے ہم کو "قوم" کا سبق ملا ہے۔ ہم بات بات پر قوم کا نام لیا کرتے ہیں۔ ہم جان نثار قوم بنے ہوئے ہیں ہم قوم پر فدا ہیں۔ ہم نے مذہب کو کھو کے قوم کو پایا ہے۔ ہم نے خدا کو چھوڑ کے قوم کی پرستش شروع کی ہے۔ جس کے برکات یہ ہیں کہ مسلمان شراب پیتا ہے سور کھاتا ہے ہر قسم کے شرک میں مبتلا ہے مگر اس کی تاب نہیں کہ ناقوس و جرس کی آواز سن سکے۔ ہندو مسلمانوں کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھ کے کھانا کھاتا ہے۔ گائے کا گوشت اور بازار کے کباب اسکو بہت ہی پسند ہیں۔ نہ چوٹی رکھتا ہے نہ جنیو۔ کمسریٹ کی نوکری میں خود ہی بیٹھ کے بیف کو تلواتا اور تقسیم کراتا ہے مگر قوم کے نام پر فدا ہے۔ عالمگیر کا نام سنتے ہی اسے غصہ آجاتا ہے اور مسلمانوں یا عیسائیوں کے ساتھ بیٹھ کے چاہے روز بیف کھایا کرے مگر کسی مسلمان کی زبان سے لحم البقر کا لفظ سنا اور جامے سے باہر ہو گیا۔

یہ ہے قومیت کا سبق جو ہمیں ملا ہے اور جس نے ہمیں خادم قوم۔ فدائے قوم۔ اور شہید قوم بنایا ہے۔ ایسی قیمتی قومیت جو مدتہائے دراز کی تعلیم سے ہم میں پیدا ہوئی ہے مسٹر وڈربرن کے فرمادینے سے یکقلم دل سے مٹ جائے غیر ممکن اور محال ہے۔

بے تعصبی

بے تعصبی خدا کی رحمت ہے۔ اور تعصب غضب الٰہی۔ بے تعصبی ایک نور ہے جو اپنی روشن کرنوں سے سارے عالم کو منور کر دیتا ہے۔ اور تعصب بھڑکتی ہوئی آگ ہے جو عالیشان و مرتفع محلوں اور ایوانوں بلکہ بڑے بڑے شہروں اور آبادیوں کو دم بھر میں جلا کے خاکستر کر دیتی ہے۔ اگلی تاریخ

تیار رہی ہے کہ دنیا مین جتنے بڑے بڑے فساد اور ہنگامے ہوے ہین سب اسی ظالم تعصب کی بدولت ہوے۔ اسی نے بابل کی عمارتون کو خاک کا ڈھیر بنا دیا۔ اسی نے دولت فراعنہ کی زبردست عمارت منہدم کی۔ اسی نے بیت المقدس کو بابلیون اور رومیون کے ہاتھون سے اُجڑوایا۔ اور اسی نے بغداد مین تاتاریون کی تیغ خون آشام سے لاکھون آدمیون کو قتل کرایا۔ اسی نے بڑی بڑی قومون کو اُبھار کے کھڑا کیا جنھون نے تعصب کے جوش مین ماسبق تمدن وتہذیب کو دم بھر مین مٹا کے رکھ دیا۔ یہی تعصب تھا جو برابر صدیون تک دُور دور از ممالک کے لوگون کو کھینچ کھینچ کے بیت المقدس کی دیوارون کے نیچے لاتا اور قتل کراتا رہا۔ اور یہی تھا جس کی تعلیم سے پیروان مسیح نے لاکھون یہودیون کو لوٹا مارا اور قتل کیا۔ مختصر یہ کہ اگلی جتنی نامی گرامی قومین اور جتنی دنیا کو بارونق بنانے والی تہذیبین تباہ وبرباد ہوئی ہین سب اسی تعصب کے ہاتھون تباہ ہوئین۔

موجودہ تہذیب نے عالم اخلاق مین اگر کوئی فتح حاصل کی ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ تعصب کو اگر مٹا نہ سکی تو اُس مین ایک حد تک اعتدال ضرور پیدا کر دیا۔ ہم یہ نہین کہتے کہ یورپ کی موجودہ قومون مین تعصب نہین رہا۔ ہے اور ضرور ہے۔ لیکن اتنے اعتدال کے ساتھ کہ ہر قوم اپنے اغراض ومقاصد پر تو بیدار مغزی کے ساتھ نظر رکھتی ہے مگر یہ نہین ہوتا کہ جوش مین آ کے دوسری قوم کے پامال کر ڈالنے کے لیے اُٹھ کھڑی ہو۔ گو دولت عثمانیہ اور ایران کی سلطنتین یورپ کی نگاہ مین کانٹے کی طرح کھٹکتی ہین مگر اسکی نوبت نہین آتی کہ زبردست یورپ یکبیک اُن کے پیس ڈالنے اور پامال کر دینے کے درپے ہو جائے۔

مگر افسوس کہ ہم ہندوستانیون کے دل ابھی تک اُسی پُرانے جوش تعصب سے لبریز ہین۔ اور واقعی ہمارے جذبات وخیالات ایسے ہین کہ اگر برٹش گورنمنٹ روک تھام نہ کرتی رہے تو ہم موقع پاتے ہی اپنے دشمنون اور مخالفون کے پیس ڈالنے اور اُن کے تباہ وبرباد کر دینے مین کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھین

ہر سال محرم - بکرید - اور مذہبی جوش کے دیگر مواقع پر ہم اپنے جوش و خروش اور اپنے متعصبانہ جذبات کا ثبوت دے دیا کرتے ہین اور کسی کے سمجھانے سے بھی نہین سمجھتے - مذہب خدا پرستی اور نجاتِ اُخروی کے لیے ہے - مذہب اس لیے ہے کہ ہم اپنی زندگی کو مہذب - نیکوکار - اور بے آزار بنائین -

امروز چنان باش کہ فردا چو روی   خندان تو روان روی وگریان ہمہ کس

مذہب کی تعلیم ہرگز نہین ہے کہ خدا پرستی کے جوش اور احقاقِ حق کے جذبے مین تم اپنی اور اپنے ہمسایون کی زندگی بےمزہ بنالو - اور خدا کی مخلوق کو ستاؤ - اور اس کی دل آزاری کرو - مگر ہمارے یہان لوگون نے اسی کا نام مذہب اور حمایتِ دین سمجھ لیا ہے - اگر کوئی مشرک ہے بُت پرست ہے - بداخلاق و بدوضع ہے - یا حد درجے کا بُرا اور نالائق ہے تو اپنے لیے ہے - اُسکے اُن عیوب اور اُسکی ان نالائقیون سے نہ تمھاری خدا پرستی مین فرق آ سکتا ہے - نہ تمھاری نماز ٹوٹ سکتی ہے - نہ تمھارا روزہ خراب ہو سکتا ہے - اور نہ تمھاری نجات مشتبہ ہو سکتی ہے - پھر جھگڑے فساد سے کیا نتیجہ ؟ خدا نے ہرگز نہین حکم دیا ہے کہ اپنی عقبیٰ سدھارنے کے لیے تم اپنی اور دوسرون کی دنیا خراب کر ڈالو - مگر افسوس ہم نہین سمجھتے - تم اپنے دین کے چاہے کتنے ہی پابند ہو - اپنے مذہب سے چاہے جتنی ہی محبت رکھتے ہو - صرف اگر دوسرون سے صفائ باطنی و خلوص سے ملو تو ساری دنیا مین بھی ہردلعزیز ہوگے اور خدا کے ساتھ ساری مخلوق بھی تم سے خوش رہے گی - لیکن اگر بندگانِ خدا کو ستاؤ گے چاہے وہ کسی کیش و آئین کے ہون تو مجھے یقین ہے کہ باوجود دینداری و پابندی مذہبی کے خدا تم سے خوش نہ ہوگا -

دیگر مذاہب کا اصول تو یہ ہے کہ دینداری و دنیاداری متبائن اور متضاد چیزین ہین اور اُن کا شعار ہے کہ

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دُون   این خیال است و محال است و جنون

گو صوفیۂ اسلام نے بھی اکثر جوشِ وحدت سے بیتاب ہو کے یا دنیا پرستون کی خودسریون سے تنگ آ کے بعض وقت ایسی تعلیمین دے دی ہین مگر اسلام مین تو دینداری کے ساتھ دنیاداری ہے - کیونکہ اسلام دُنیا بنانے کو آیا ہے نہ بگاڑنے

کو - پھر سمجھ مین نہین آتا کہ مسلمانون سے ایسی بے اعتدالی کے نمونے جو شانِ ایمان
ظاہر ہوتے ہین ۔ اور اگر بعض جہلا سے ایسے حرکات سرزد ہو بھی جاتے ہین تو
مقتدایانِ دین انھین روکتے کیون نہین ؟ مگر شامتِ اعمال ہے کہ علما تو پرانے
مذاق اور پرانے رنگ مین رنگے ہونے کی وجہ سے چھوٹ جائین گے نئے تعلیم یافتہ
لوگون کو کیا ہو گیا ہے کہ تعصب کی تمام خرابیان جانتے ہین اور پھر بھی دلون کو
تعصب کے زنگ سے صاف نہین کرتے

بے تعصبی کا سب سے مکمل نمونہ ہندوستان ہی مین نہین بلکہ مین کہون گا کہ آجکل
کی ساری مہذب دنیا مین ہز ہائنس آغا خان کی ذات ستودہ صفات ہے -
پہلے یہ دیکھیے کہ وہ کس فرقے سے تعلق رکھتے ہین ؟ وہ خوجون یعنی باطنیون کے
مقتدا ہین جنکا بانی حسن بن صباح تھا - جس فرقہ کو اہل اسلام نے ملاحدہ کا
ناپاک لقب دیا تھا - جس کے تعصب کا یہ عالم تھا کہ اسکے فدائی کپڑون مین
خنجر چھپائے ہوئے پھرتے تھے کہ جس غیر مذہب والے کی نسبت اشارہ ہوا سے
موقع پا کے مار ڈالین - جنکے ہاتھون سے ہزارون علما و فضلا، سلاطین و وزرا
اور خدا جانے کیسے کیسے اور کس پایہ کے لوگ مارے گئے - آغا خان اسی فرقہ
کے مقتدا ہین - اور کوئی معمولی پیشوا نہین اُن لوگون کے نزدیک امام صاحب الزمان
بلکہ اس سے بھی بڑھ کے خدا کے اوتار اور مظہر ایزدی مانے جاتے ہین - وہ سلطنت -
عزت - اور شان و شوکت مین بھی اکثر والیان ملک سے بڑھے ہوئے ہین - لیکن
باوجود ان سب باتون کے محض ایک بے تعصبی کی بدولت ہندوستان کے سارے
مسلمانون مین ہردلعزیز اور سب کے قومی لیڈر بنے ہوئے ہین - اور یہ حالت ہے
کہ تمام مسلمان ادنیٰ ہون یا اعلیٰ - نئے تعلیم یافتہ ہون یا پرانے - بلا تامل انکی
پیروی کرنے کو تیار ہین - اور بچہ بچہ اُن پر جان فدا کرنے کو حاضر ہے -

ہز ہائنس آغا خان اگرچہ مذکورۂ بالا خاص فرقے کے امام و پیشوا ہین مگر انکی
فیاضیان تمام فرقون اور مذہبون کے ساتھ عام ہین - وہ مسلمانون کی قومی فلاح
و بہبود سے تعلق رکھتے ہین - جس چیز مین مسلمانون کا عام فائدہ ہو وہی چیز
انکو عزیز ہے - اور انکا شعار ہے کہ ع - با دوستان تلطف با دشمنان مدارا -

علیگڈھ کالج سے شاید خوجون کی قوم نے آج تک کسی قسم کا فائدہ نہ اُٹھا ہو گا مگر آغا خان کی نظر مین وہی مسلمانون کی ترقی کا مرکز اور اہل اسلام کی فلاح وبہبود کا ذریعہ ہے لہذا اُسکی مدد مین وہ کوئی دقیقہ نہین اُٹھا رکھتے۔ دارالعلوم ندوہ خاص اہل سنت کا مدرسہ ہے مگر آغا خان اپنی بے تعصبی سے اُسکی مدد کرتے ہین۔

بہر حال آغا خان کی ذات مین ہمین بے تعصبی کا یہ اعلیٰ کمال نظر آ رہا ہے کہ وہ شخص جو ایک سخت اور متعصب ترین گروہ کا مقتدا تھا سارے مسلمانون کا پیشوا بن گیا۔ اور وہ لوگ بھی اُس پر جان فدا کرنے کو تیار ہو گئے۔ جو اُس کے مذہب اور اُس کے عقائد کے بالکل خلاف ہین۔

پیشوایان دین اپنے ہم مذہبون اور پیروون مین تو سب ہی ہر دلعزیز ہوا کرتے ہین۔ سب ہی کے ہاتھ پاؤن چومے جاتے ہین۔ اور سب ہی کے نامون پر دُرود بھیجا جاتا ہے۔ مگر اُسی محدود حلقہ مین جو ہم عقیدہ لوگون اور ہم مذہبون کا ہوتا ہے۔ لیکن یہ معجزہ آج تک شاید کوئی پیشوا نہ دکھا سکا ہو گا جو آغا خان کی وسیع الاخلاقی سے ظاہر ہو رہا ہے کہ ایک گروہ کے مقتدا پر دیگر مذاہب کے لوگ جانین فدا کر رہے ہین اور جو ایک کا پیر ہے سب کا سرتاج ہے۔

یہ معجزہ صرف آغا خان کی بے تعصبی سے آشکارا ہو رہا ہے۔ اگر وہ اپنے مذہب کی حمایت مین غیرون سے لڑتے۔ مناظرہ و مباحثہ کا دروازہ کھولتے۔ دوسرون کے عقائد کی تردید اور اُن کے بزرگون کو بُرا بھلا کہتے۔ تو اپنے فرقے مین تو ویسے ہی رہتے جیسے کہ اب ہین مگر دوسرے فرق اسلامیہ مین ہرگز یہ مقبولیت اور ہر دلعزیزی نہ حاصل کر سکتے۔ اُن کی بے تعصبی اس حد کو پہونچی ہوئی ہے کہ بعض دیگر فرقہ کے لوگ خوجون مین اُنکے خلاف وعظ کہتے اور اُنھین اپنے مقتدا کی طرف سے بھڑکاتے ہین۔ اور سُنا جاتا ہے کہ بعض خوجے اُن سے منحرف بھی ہو گئے مگر آغا خان نے اُن کی یہ لغو حرکتین دیکھ کے اپنی وضع مین فرق نہین آنے دیا۔ اور ویسے ہی بے تعصب بنے ہوے ہین جیسے کہ تھے۔

لکھنؤ کے سُنی شیعہ علما و مجتہدین کو ہز ہائینس آغا خان کی مبارک و برگزیدہ زندگی سے سبق لینا چاہیے۔ کیونکہ یہان شیعہ سُنیون مین چندروز سے جھگڑے فساد

رہا کرتے ہیں اُن کی اصلاح کے لیے ان بزرگون کو آغا خان کے کارنامون سے بہت اچھی مدد ملے گی۔ کیا اچھا ہو کہ لکھنؤ کے شیعہ سُنی دونون آغا خان سے درخواست کرین کہ آپ ہمارا فیصلہ کر دیجیے۔ اور پھر اُنکے فیصلہ پر چاہے کچھ ہو دونون کاربند ہو جائین۔

علم کی خوبیان

آجکل مسلمانون مین ہز ہائی نس سر آغا خان اشاعتِ علم کے ایک فرشتہ بن کے نمودار ہوے ہین اور ہر زبان پر یونیورسٹی کا لفظ اور ہر دل مین اپنی علمی یونیورسٹی قائم کرنے کا جوش ہے۔ ایسی صورت مین شاید یہ بتانا نہایت مناسب بلکہ ضروری ہوگا کہ اسلام علم کا کتنا بڑا حامی ہے۔ اور اسلام کی تبلیغ و اشاعت دراصل علم ہی کی تبلیغ و اشاعت تھی۔

اس مین کوئی شک نہین کہ مسلمان ہی ہین جنکے ذریعہ سے اس عہد کی ترقی یافتہ قومون کو سلف کی مہذب و متمدن قومون کا علم ملا ہے۔ اور اگر نور اسلام نہ چمکا ہوتا تو اگلی دُنیا کی علمی کمائی قرونِ وسطیٰ کی جہالت کی نذر ہوگئی ہوتی کیونکہ مغرب مین مسیحی کلیسیا نے اور مشرق مین بت پرستون اور آتش پرستون کی رسم پرستیون نے علم و فضل کے چراغ گُل کر کے سارے عالم کو تیرہ و تار بنا دیا تھا۔ اور اُس تاریکی مین ساری دنیا کے منور کر دینے کے لیے جو شمع روشن ہوئی وہ رسالتِ محمدی کی شمع تھی۔ جس کی شعاعین ارض حجاز سے نمایان ہو کے اقصاے عالم مین پھیل گئین۔

اسلام کو علم سے کیسا لزوم تھا؟ اسکے ظاہر کرنے کے لیے قرآن پاک کی یہ دو ہی آیتین غالبًا کافی ہون گی کہ ایک جگہ وہ حضرت عالم الغیب فرماتا ہے۔ "بندگانِ خدا مین سے صرف صاحبانِ علم اُس سے ڈرتے ہین" - اور دوسری جگہ یون ارشاد ہوتا ہے "تم مین سے جو لوگ خدا پر ایمان رکھتے ہین اور جنھین علم عطا ہوا ہے اُنکے درجے اللہ جل شانہٗ بلند کرتا ہے"۔ ان عام اور جامع فضائلِ علم کے بعد جو قرآن مین مذکور ہین حضرت رسالتؐ کے ارشاد کو خیال کرو تو آپ

فرماتے ہین "علم حاصل کرو۔ اس لیے کہ حسبۃً للہ علم کا سیکھنا نیکی ہے۔ اس مین مشغول رہنا تسبیح ہے۔ اسکی جستجو جہاد ہے۔ اُس کی طلب عبادت ہے۔ اور اُس کی تعلیم دینا خیرات کرتا ہے۔" اس سے بھی زیادہ زور دے کے آپ فرماتے ہین "دُنیا و آخرت کی خوبیان علم سے وابستہ ہین۔ اور دُنیا و آخرت کی ساری بُرائی جہالت کی بدولت ہے۔" اس سے بھی قطع نظر کر کے دیکھو کہ حضرت سرور کائنات نے شایقین علم سے جزاے خیر کے کتنے بڑے وعدے فرما دیے ہین۔ ارشاد ہوتا ہے کہ "روز جزا کو صاحبان علم کی روشنائی اور جہاد کرنے والون کا خون تولے جائین گے اور بالکل ہموزن اُترین گے۔ نہ اِن کا پلہ اُن سے نیچا ہوگا اور نہ اُن کا ان سے۔" پھر اسکے بعد یہ فرماکے کہ "طلبِ علم مین ایک دن کا سفر اللہ جل شانہٗ کو مجاہدون کے سو جہادون سے زیادہ پسندیدہ ہے اور جو کوئی مرے اور قلم و دوات کو اپنا ورثہ چھوڑ جائے وہ جنت مین داخل ہوگا۔" طالبان علم کی حوصلہ افزائی کر دی۔ اتنے پر بھی آپ نے کفایت نہین فرمائی بلکہ مسلمانون کے دلون مین علم کا ذوق و شوق پیدا کرنے کے لیے یہ بھی ارشاد فرما دیا کہ "عالِم کو بے علم عابد پر وہی فضیلت ہے جو مجھ کو تم مین سے کسی ادنیٰ اور معمولی شخص کے مقابلہ مین حاصل ہے۔"

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہین "انسان مین جتنی علم و فضل کی کمی ہوتی ہے اُتنی ہی اُس کی قدر و قیمت بھی کم ہوتی ہے۔" پھر فرمایا "علم ایک ندی ہے۔ اور حکمت ایک سمندر۔ علما اس ندی کے کنارے جا رہے ہین۔ صاحبان حکمت سمندر کے درمیان مین غوطہ زن ہین۔ اور خدا شناس نجات کی کشتیون پر سوار اس دریا مین سفر کر رہے ہین۔" اس کے بعد جناب علی مرتضیٰ رضؓ نے علم کی برکتون سے فائدہ اُٹھانے کا شوق خود علما کے دلون مین پیدا کرنے کے لیے فرمایا "جو شخص لوگون کا پیشوا بننا چاہتا ہو اُسکے لیے لازمی ہے کہ پہلے خود اپنے نفس کو تعلیم دینا شروع کرے اور زبان سے تعلیم دینے کے بجاے اپنے افعال و اخلاق سے تعلیم دے۔"

ایک مرتبہ جناب رسول خدا صلعم سے کسی نے پوچھا "سب سے اچھا کون

کام ہے؟" ارشاد فرمایا "خدا کا علم اور اُسکے دین مین بصیرت"۔ اُس نے کئی بار یہ سوال کیا۔ اور ہر بار آپ نے یہی جواب دیا۔ تب اُس نے عرض کیا "یا حضرت مین علم کو نہین پوچھتا۔ مین تو سب سے اچھا کام پوچھتا ہون"۔ فرمایا "علم کے ساتھ تھوڑا سا عمل بھی سُودمند ہے۔ اور جہل کے ساتھ چاہے بہت سے اعمال ہون اتنے سودمند نہین"۔

انھین امور کا لحاظ کرکے خود جناب سرورکائنات نے یہ پیشین گوئی بھی فرمادی کہ "میری امت کی ہلاکت وتباہی کا باعث صرف دو باتین ہونگی۔ علم کو چھوڑ دینا اور دولت کو جمع کرنا"۔

علم کی اِن برکتون اور فضیلتون ہی کی وجہ سے صاحب علم کی ذمہ داریان بڑھی ہوئی ہین۔ اور اُس کی لغزش نا قابل عفو لغزش ہے۔ حضرت ابراہیم خلیل ع اللہ کا یہ مقولہ مشہور ہے کہ "عالم کی لغزش کا دنیا مین ڈھنڈھورا پٹ جاتا ہے۔ اور جاہل کی لغزش اُس کی جہالت کے دامن مین آکے لوگون کی نظر سے چھپ جاتی ہے"۔

جو چیز نہ معلوم ہو اُس کی لاعلمی کا اعتراف کرنا علم کے خصائص مین ہے۔ امام شعبی ائمۂ تابعین مین بہت بڑے پایئے کے بزرگ تھے۔ کسی نے اُن سے کوئی مسئلہ پوچھا۔ فرمایا "مجھے نہین معلوم"۔ لوگون نے کہا "آپ کو لاعلمی کا اقرار کرتے ندامت نہین ہوتی؟" کہا "ندامت کیسی؟ جب فرشتون نے اقرار کرلیا کہ "لاعلم لنا" تو انسان کیا چیز ہے؟"

لقمان کی نصیحت تھی کہ "علما کی صحبت مین بیٹھا کرو۔ اس لیے کہ اللہ تعالےٰ دلون کو نورِ حکمت سے ویسے ہی زندہ کردیا کرتا ہے جس طرح کہ زمین کو برسات کے پانی سے زندہ کرتا ہے"۔

عبداللہ بن مسعودؓ کا صاحب علم صحابۂ رسول اللہ مین جو رتبہ ہے مخفی نہین۔ اُن کا معمول تھا کہ طلبۂ علم کی صورت دیکھتے ہی اِن الفاظ مین اُنکی طرف خطاب کیا کرتے "مرحبا اِے حکمت کے سرچشمو! تاریکی دُور کرنے والے چراغو! پُرانے کپڑون اور تازے دلون والو! اور اے اپنے اپنے باغ آرزو

کے نونہالو!"

ایک مرتبہ جناب سرورِ کائناتؐ نے صحابہ سے فرمایا "جانتے ہو کہ سب سے زیادہ فیاض کون ہے؟" عرض کیا گیا "حضور فرمائیں تو معلوم ہو"۔ ارشاد ہوا "سب فیاضوں کا فیاض تو وہ خدا ہے عزوجل ہے۔ اُسکے بعد مین سارے بنی آدم سے زیادہ فیاض ہون اور میرے بعد سب سے بڑا فیاض وہ ہے جو علم حاصل کرے اور پھر لوگون مین اُس کی اشاعت کرے۔ قیامت کے دن وہ بجاے خود ایک پوری امت بن کے اُٹھے گا"۔

اس سے ظاہر ہے کہ اشاعتِ علم مین بخل کرنے سے بڑا اَور کوئی بخل نہین۔ چنانچہ خود حضرت رسالتؐ نے فرمایا کہ "خدا نے جس کسی کو علم عطا کیا ہے اُس سے عہد لیا ہے کہ اُسے کسی سے نہ چھپائے۔ لہذا جو لوگ علم کی اشاعت مین کمی کرتے ہین وہ دراصل خدا کے عہد کو توڑتے اور اُسکی امانت مین خیانت کرتے ہین"۔ انھین وجوہ سے عہد اولینِ اسلام مین مسلمانون مین علم و فضل کا ایسا مذاق پیدا ہو گیا تھا کہ کسی معمولی شخص سے بھی کوئی ذہانت اور طباعی کی بات ظاہر ہوتی تو لوگ اُسکی بیحد قدر کرتے۔ اس کا اندازہ اس دل لگی کے ایک پُر لطف واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ امام مالکؒ جن دنون اہل مدینہ مین تبلیغ و اشاعت علم کر رہے تھے ایک شخص اپنے گھر مین بیٹھا تھا اور بی بی کو طلاق دینے پر تُلا ہوا تھا۔ عورت بھاگنے کے لیے یا اتفاقاً یا جس خیال سے ہو سیڑھی پر چڑھ گئی۔ جو گھر مین دیوار سے لگی کھڑی تھی۔ شوہر نے کہا "اگر تو اوپر چڑھے تو، نیچے اُترے تو، سیڑھی پر ٹھہرے تو۔ ہر صورت مین تجھ پر طلاق ہے"۔ یہ سنتے ہی بی بی بے تحاشا سیڑھی پر سے پھاند پڑی۔ اور اُسکے اس فعل کو حیرت کی نظر سے دیکھ کے شوہر بولا "میرے ماں باپ تجھ پر فدا۔ تو نے یہ ایسا کام کیا ہے کہ اگر امام مالکؒ کا انتقال ہو گیا تو اہل مدینہ فتوے لینے کو تیرے ہی پاس آیا کرین گے"۔

مگر افسوس علم کی تحصیل و اشاعت مین مسلمانون کو ابتداءً جو ذوق و شوق تھا اور جس طرح دولتِ علم کے لٹانے مین وہ کافر و مومن اور اپنے پرائے

سب کے ساتھ یکسان فیاضی کیا کرتے تھے وہ جوش تھوڑے دنون بعد جاتا رہا۔ چنانچہ فضیل بن عیاض جو اکابر سلف مین ہین ایک دن زمانہ کا رنگ اور علما کا بخل دیکھ کے کہنے لگے "جب اہل علم آپ اپنی عزت کرتے تھے دولت علم کی حفاظت کرتے اور اُسے اُسکے محل مین صرف کرتے تھے تو بڑے بڑے جبارون کی گردنین اُنکے سامنے جھک گئی تھین۔ لوگ اُنکے مطیع ومنقاد تھے۔ مگر جب سے اُنھون نے خود ہی ذلت گوارا کر لی اور دنیا پرستون کے سامنے علم کا نذرانہ پیش کرنے لگے ذلیل وحقیر ہو گئے"۔

بہر تقدیر ان تمام باتون سے صاف ظاہر ہے کہ کبھی ہم حامل علوم تھے۔ علم سے اُس کا اصلی کام لے رہے تھے اور ساری دنیا ہمارے چشمۂ علم سے سیراب ہو رہی تھی۔ لیکن تھوڑے ہی زمانہ کے بعد ہم نے خدا کے عہد کو توڑ دیا۔ علم کو اور علم کے ساتھ خود اپنے آپ کو ذلیل کر لیا۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ آج ہم سب سے بدتر اور علم مین سب سے کم تبائے جاتے ہین۔ جو قومین ہم سے علم لے کے دولتمند بنی ہین آج وہ ہمارے ساتھ فیاضی کرنے کو تیار ہین۔ مگر ہم مین اتنی بھی قابلیت نہین کہ اُنکے اس علمی جود وسخا سے پورا پورا فائدہ اُٹھا سکین۔ آج ہی کل نہین ایک مدت سے ہمارا علمی ذوق پھیکا پڑ گیا۔ اور چونکہ علم اور اسلام دونون ایک دوسرے سے وابستہ ہین۔ اس لیے علم کی کمی کے ساتھ ہمین اپنی دینداری اور اپنے اسلام مین بھی نقصان نظر آنے لگا۔ چنانچہ مثل مشہور ہو گئی ہے کہ "مسلمانان در گور ومسلمانی در کتاب"۔

اب ایک مدت کی ناامیدی کے بعد سرسید مرحوم نے ہماری اُجڑی ہوئی تاریک، سنسان، اور خاموش محفل مین علم کا ایک چراغ روشن کیا تھا جسکی شعاعین مسلمانون کی تدریجی بیداری کے ساتھ زیادہ روشن ہوتی جاتی تھین۔ اگلے مذاق کے کڑوے تیل کے چراغ سے ترقی کر کے وہ لیمپ بنا۔ اُس لیمپ کی روشنی مین بھی یوماً فیوماً ترقی ہوتی گئی یہان تک کہ گیس کے درجے کو پہونچ گیا۔ اور اب سر آغا خان کی کوششین اُسے وہ اعلیٰ قوت کا برقی لیمپ بنانے والی ہین جسکی شعاعین ممالک اسلام ہی تک محدود نہ رہین گی بلکہ قومی دائرے سے

تجاوز کرکے غیر ممالک اور غیر اقوام کے گھرون کو بھی روشن کر دین گی۔
احادیث وروایات مذکورۂ بالا سے ظاہر ہے کہ تبلیغ علم کا دائرہ ہم نے اپنے عروج کے زمانے مین اہل اسلام ہی تک محدود نہین رکھا تھا بلکہ جس طرح ہر ملک اور ہر قوم کے خزانون سے ہم نے علم وحکمت کو حاصل کیا تھا اُسی طرح اُسکی اشاعت کرتے وقت بھی ہم نے کسی مذہب اور کسی ملک کے ساتھ علمی فیاضی مین بخل نہین کیا۔ اسی طرح اب بھی ہمین اُمید ہے کہ ہماری یہ مجوزہ علمی یونیورسٹی تعلیم کے لحاظ سے کسی گروہ اور جماعت پر محدود نہ رہے گی۔ اس مین شک نہین کہ اپنی قومی ضرورتون کے لحاظ سے ہم اُس کے نصاب مین مناسب ردوبدل کرین گے مگر یہ ہرگز نہ ہونا چاہیے کہ تعلیم دینے مین ہم کسی کے ساتھ کمی کرین یا کسی کی طرف سے بے پروائی کرین۔ بڑی خوشی کی بات ہوگی اگر ہماری یونیورسٹی نے ہندو مسلمان عیسائی پارسی یہودی سب قومین فائدہ اُٹھا سکین۔ خصوصاً مسلمانون کے اندرونی فرقون کا تو اس محل پر تذکرہ بھی نہ آنا چاہیے۔ یہ کالج نہ سنیون کا ہے نہ شیعون کا نہ اہل حدیث کا نہ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی فرقون کا۔ بلکہ یہ عام مسلمانون کا کالج ہے۔ اور اُنھین کی یہ یونیورسٹی بھی ہوگی۔

سر آغا خان اگرچہ ایک خاص فرقے کے مقتدا اور پیشوا رہ چکے ہین مگر اُنکی وسیع الاخلاقی اور عام ہمدردی نے آج اُنھین مسلمانون کے تمام فرقون کا پیشرو بنا دیا ہے۔ سر سید مرحوم اس بات کی تمنا اپنے ساتھ قبر مین لے گئے کہ علما و اُن کا ساتھ دین۔ مگر اُن کی یہی آرزو جسے وہ اپنے سینے سے لگائے قبر مین آرام کر رہے ہین آج ایک ایسے بزرگ کی کوشش سے پوری ہوئی جو نہ سنی ہے نہ اثنا عشری، نہ مقلد ہے نہ غیر مقلد۔ بلکہ ایک دوسرے ہی فرقے کا سرتاج ہے جس نے سارے مسلمانون کو چاہے کسی خیال، کسی عقیدے اور کیسے ہی مذاق کے ہون ایک صف مین لا کے کھڑا کر دیا۔ کتنی بڑی حیرت کی بات ہے کہ آغا خان کی خدمت مین علمائے فرنگی محل کا ڈیپوٹیشن پہونچا۔ اور وہ یونیورسٹی فنڈ کے لیے اپنے گروہ سے جمع کرکے چندہ دے رہا ہے۔ حالانکہ یہی بزرگان امت

ہین جنھون نے ابھی چند ہی سال ہوے علیگڈھ کالج کے لیے چندہ دینے کو ناجائز قرار دیا تھا۔

سُنا جاتا ہے کہ علما و مجتہدین شیعہ نے ایسی گرمجوشی نہین دکھائی جیسی کہ چاہیے تھی۔ مگر ہمین یقین ہے کہ رفتہ رفتہ وہ بھی اپنا برکت کا ہاتھ اس تحریک کے بانیون کی پیٹھ پر رکھتے جائین گے۔ اور جس اتحاد کی بنا د سرآغاخان کی مبارک ذات سے پڑی ہے وہ پورا ہوکے رہے گا۔ اور سب کے ذہن نشین ہو جائے گا کہ علیگڈھ کالج کسی ایک فریق کا دارالعلوم نہین بلکہ سارے مسلمانون کا دارالعلوم ہے۔

بعض شیعہ اخبارات نے اس موقع پر اس قسم کے افسوسناک مباحث چھیڑنا چاہے ہین کہ کالج کو روسائے شیعہ سے کتنا سرمایہ ملا اور اُسکے معاوضہ مین شیعون نے اُس سے کس قدر فائدہ اُٹھایا۔ یہ نہایت ہی بے محل وبے موقع اور نامناسب ہے۔ ہم مانے لیتے ہین کہ ہمارے کالج کو سب سے زیادہ مدد حضرات شیعہ ہی کی فیاضی سے ملی۔ اور اُن شیعون کو جنھون نے اس کا رخیر مین شرکت کی ہے ہم اور سارے مسلمان سُنی ہون یا شیعہ یا کسی فریق کے ہون اپنا سرتاج سمجھتے ہین۔ اُن کا ادب سب سے زیادہ کرتے ہین۔ اور سچ یہ ہے کہ شیعون کی ترقی کو ہم اپنی ہی ترقی تصور کرتے ہین۔

یہ بھی علیگڈھ کالج ہی کی برکت ہے کہ تعلیم یافتہ شیعون کو اہل سنت کے عروج سے مسرت ہوتی ہے اور سنیون کو شیعون کے اوج وعروج سے۔ نواب عماد الملک بہادر۔ مولوی سید علی بلگرامی۔ بدرالدین طیب جی کے خاندان کے اکثر بزرگون کی ترقی پر سُنیون کو ویسی ہی خوشی ہوتی ہے جیسی کہ کسی اپنے فریق کی ترقی پر ہوتی۔ سرآغاخان بھی گو اثنا عشری نہین مگر من وجہ شیعہ ہی ہین لیکن کبھی ہمارے اور عام سنیون کے دل مین یہ خیال بھی نہین گذرا کہ یہ حضرات ہمارے فریق مین نہین۔

نہین۔ یہ سب ہمارے فریق مین ہین اور ہم اُنکے مطیع ومنقاد۔ اُن پر فخر کرنے والے۔ اور اُن کی خوشی پر خوش ہونے والے۔ اگر حضرات شیعہ

غور فرمائیں تو انھیں نظر آئے گا کہ بزرگان قوم میں زیادہ شمار شیعوں ہی کا ہے۔ اور ہندوؤں کے مقابل جو مسلمانوں نے حقوق لڑ جھگڑ کے حاصل کیے ان سے زیادہ نفع اٹھانے والے شیعہ ہی ہیں۔ مگر نہیں ہم کالج کی دنیا میں قدم رکھنے کے بعد نہ ان کو شیعہ مانتے ہیں اور نہ اپنے کو سنی۔ بلکہ کالج کی تحریک نے اپنی سب سے بڑی برکت یہی ظاہر کی ہے کہ عام مسلمانوں کا ایک نیا گروہ تیار ہوتا جاتا ہے جو لوگ بقول سر سید مرحوم کے ٹھیٹھ مسلمان ہیں، اور ان میں اسکا امتیاز ہی نہیں باقی رہا کہ کون شیعہ ہے اور کون سنی۔ اور یہی ہماری آیندہ اقبالمندی کی ایک زبردست دلیل ہے۔ خدا اس ترقی کو روزافزوں ترقی دے اور یوماً فیوماً یہ فریقی امتیاز اٹھتا چلا جائے۔

بہر حال یہ یونیورسٹی جن عام اصول پر قائم کی جائے گی انکو کسی فرق سے تعلق نہ ہوگا۔ اور مسلمانوں کی عام یونیورسٹی ہوگی جس میں سارے مسلمان اپنے مذاق اور اپنے اطمینان کے مطابق تعلیم پائیں گے۔ اور ایسی تعلیم جو ان امتیازوں کو روز بروز درمیان سے اٹھاتی جائے۔ اور جہالتوں اور تعصبات کا جو عمیق سمندر فرق اسلامیہ کے درمیان میں پیدا ہو گیا ہے بالکل پٹ جائے گا۔

ہماری دو رخی تعلیم

ہماری تعلیم نے فی الحال ایسے مخالف اور متضاد رخ پیدا کر لیے ہیں کہ اکثر اوقات اس کا نتیجہ یا تو نہایت ہی مضر ہوتا ہے یا تعلیم ہی بے اثر و بے نتیجہ رہ جاتی ہے۔ ایک نوجوان اور ذہین صاحبزادے جن کو تو اسکول میں انٹرنس کلاس میں پڑھتے تھے اور رات کو ایک مقدس مولوی صاحب انھیں عربی کے فنون درسیہ اور خاصۃً سلسلۂ نظامیہ کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ عربی کا تقاضا یہ تھا کہ جو کچھ فقہ اور عقائد کی کتابوں میں پڑھایا جائے وہ تو ماننے اور عمل کرنے کے لیے ہے باقی ہیأت و فلسفہ بلکہ تفسیر و حدیث میں بھی جو کچھ ہے فقط سننے اور یاد کر لینے کے لیے ہے۔ اسکو عمل سے کوئی تعلق نہیں۔ ادھر انگریزی مدرسہ میں

جو کچھ پڑھایا جاتا اُس کی نسبت وہان کے اساتذہ باور کراتے کہ تم جو کچھ پڑھو سب سمجھ کے ماننے اور اُس پر عمل پیرا ہونے کے لیے ہے۔ ان دو متضاد دستور العملون نے صاحبزادے صاحب کو عجیب گو مگو کے عالم مین ڈال رکھا تھا۔

اسی تردد اور اُلجھن مین تھے کہ ایک رات کو تفسیر کے درس مین وہ آیت آئی جس مین ہاروت ماروت کا ذکر ہے۔ مولوی صاحب نے تفصیل کے ساتھ ان دونون فرشتون کا قصہ بیان کر دیا کہ "انسان کی رقابت مین دعوی انتظام عالم کر کے زمین پر آئے۔ یہان دونون آ کے زہرہ اور مشتری نام دو عورتون پر عاشق ہوے۔ اور جب اُن عورتون نے آسمان کی سیر کا شوق ظاہر کیا اور اُنکے کسی عذر کو نہ سُنا تو جس طرح سبز پری شاہزادہ گلفام کو راجہ اندر کا اکھاڑا دکھانے کو لیگئی تھی اُسی طرح وہ اُن دونون عورتون کو عالم بالا کی سیر کرانے کے لیے آسمان پر اُڑا لے گئے۔ جب پہلے آسمان کے پھاٹک پر پہونچے تو اوپر خبر ہو گئی کہ ہاروت و ماروت دُنیا کی سیہ کاریون مین اس قدر مبتلا ہوے کہ وہان کی دو عورتون کو سلے کے یہان آئے ہین۔ فوراً وہ خوبصورت عورتین اُن سے چھین کے سقف فلک پر ٹھالی گئین۔ جہان سے روز اپنا جمال جہان آرا تارون کی وضع مین دکھلا کے دنیا والون کی دلربائی کیا کرتی ہین۔ اور ہاروت و ماروت مورد غضب الٰہی ہو کے دنیا مین پھینکے اور بابل کے ایک کنوئین مین اُلٹے لٹکا دیے گئے۔ جہان آج تک لٹک رہے ہین اور قیامت تک لٹکتے رہین گے۔ ساری دُنیا کا دھوان اُن کی ایذا رسانی کے لیے سب طرف سے سمٹ کے اُسی کنوئین مین بھرا کرتا ہے۔ وہ دونون جادو کے بڑے ماہر ہین۔ اور جو کوئی سحر کے سیکھنے کو جاتا اور کنوئین پر کھڑا ہو کے اُن سے التجا کرتا ہے اُس کو پہلے جادو کی برائیان بتا کے اُس کی تعلیم سے روکتے ہین۔ مگر جب وہ برابر اصرار ہی کیے جاتا ہے تو اُسے سکھا دیتے ہین۔ جس کے ساتھ ہی اُس سے نور ایمان نکل جاتا ہے۔

یہ قصہ سُن کے نوعمر طالب علم کے ذہن مین طرح طرح کے شکوک وشبہات پیدا ہوے تو دل نے عربی تعلیم کے پُرانے تقاضے کے مطابق اُسے اس جانب متوجہ کیا کہ یہ باتین صرف سُن لینے اور یاد رکھنے کے لیے ہین۔ عمل کو ان سے

کوئی تعلق نہیں - مگر پھر خود ہی یہ خیال آیا کہ عمل کو تعلق ہو یا نہ ہو لیکن آخر اس کا تو فیصلہ کرنا پڑے گا کہ یہ باتیں سچ ہیں یا جھوٹ - اور جب ایک آیت قرآنی سے وابستہ کی گئی ہیں تو مجھے اُن کا ماننا ضروری ہے - لیکن مانوں تو کیونکر؟ مجھے تو انگریزی تعلیم نے یقین دلا دیا ہے کہ زہرہ و مشتری بڑے بڑے گول کرے ہیں جو زمین کے مثل آفتاب کے گرد چکر لگاتے رہتے ہیں - اور ممکن ہے کہ اُن میں خدا کی مخلوق آباد ہو - اور یہاں بتایا جاتا ہے کہ یہ وہ خوبصورت عورتیں ہیں - علاوہ بریں سائنس سے تو ثابت ہوتا ہے کہ دھواں اوپر چڑھ کے بدلیاں بنتا اور برستا ہے اور مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ جا کے چاہ میں بھرتا ہے - آخر نہ رہا گیا اور اُستاد سے کہا "حضرت یہ قصہ میری سمجھ میں نہیں آتا؟"

مولانا: "انگریزی پڑھنے والوں کی سمجھ اکثر ایسی ہی ٹیڑھی ہو جایا کرتی ہے - آخر تمھیں کس بات میں شبہہ ہے؟ فرشتوں سے انکار ہو گا؟"

صاحبزادہ: "جی نہیں - فرشتوں کی سی کوئی مخلوق خدا نے پیدا کی ہو گی - مجھے اُن کے وجود سے انکار کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے - مگر قبلہ - یہ عورتیں تارے کیونکر بن گئیں؟"

مولانا: "یہ کون سی حیرت کی بات ہے؟ حُسن چمکتا ہے - اُسکی آب و تاب کے آگے آفتاب و ماہتاب بھی ماند پڑ جایا کرتے ہیں - آسمان تک چونکہ بڑا فاصلہ ہے اس لیے خط و خال چشم و ابرو جبین و رخسار اور ہاتھ پاؤں نہیں دکھائی دیتے مگر چمک دمک صاف نظر آتی ہے۔"

صاحبزادہ: "زمین سے آسمان تک اتنا فاصلہ ہو گا جتنا کاکوری سے لکھنؤ تک ہے؟"

مولانا: "اس سے بہت زیادہ لاکھوں کروروں کوس کا فاصلہ ہے۔"

صاحبزادہ: "تو پھر جناب نے کبھی لکھنؤ سے کاکوری کی کوئی مہ جبین عورت یا کاکوری سے لکھنؤ کی کوئی حسینہ دیکھی ہے؟"

مولانا: "دنیا کی اور بات ہے اور آسمان کی اور بات۔"

صاحبزادہ: "مگر اس اختلاف کی کوئی وجہ میری سمجھ میں نہیں آتی - اور نہ یہ بات خیال میں آتی ہے کہ دُنیا کی عورتیں آسمان پہ جا کے زیادہ خوبصورت ہو جائیں

اور پھر آئنے کی طرح چمکنے لگیں۔"

مولانا۔" حسینوں کا جسم آئینے کی طرح شفاف ہو جاتا ہے۔ اور وہاں اُن پر جب سورج کی شعاعیں پڑتی ہیں تو دیگر اجرام فلکی کی مثل وہ بھی چمکنے لگتی ہیں۔"

صاحبزادہ۔" مگر حضرت کچھ اس کا بھی تو لحاظ فرمائیے کہ آخر ان ستاروں کے جسم کتنے کتنے بڑے ہیں کہ لاکھوں کروڑوں کوس پر سے اتنی نظر آتی ہیں؟ آج کل دُوربینوں کے ذریعہ سے ان دونوں تاروں کی حالت اور اصلی صورت لوگوں کو دکھائی دیتی ہے۔"

مولانا۔" دُوربین کا کیا اعتبار؟ جو کوئی جا کے دیکھ آیا ہو وہی کہہ سکتا ہے کہ دُوربین سے جو کچھ نظر آتا ہے سچ ہے یا جھوٹ۔ میں تو قرآن کے مقابل دُوربینوں کی کوئی ہستی نہیں سمجھتا۔"

صاحبزادہ۔" لیکن جب قرآن کے خلاف کوئی بات ہو بھی؟ یہ قرآن میں کہاں لکھا ہے کہ زہرہ و مشتری دو عورتیں ہیں جنھیں ہاروت و ماروت آسمان پر لے گئے تھے؟"

مولانا۔" قرآن میں نہیں تو تفسیر میں تو ہے۔ اور حدیثوں میں بھی ہو گا۔"

صاحبزادہ۔" تو پہلے اس واقعہ کو آپ حدیثوں اور روایتوں میں تلاش کر کے خوب تحقیق فرما لیں اُس کے بعد اس کی اصلیت کا دعوے کریں تو زیادہ مناسب ہو گا۔"

مولانا۔" ہم سے پہلے بڑے بڑے علما تحقیق کر چکے ہیں جن سے زیادہ تحقیق کوئی دنیا میں کر ہی نہیں سکتا۔ اب شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی سے بڑا کون شخص ہو گا؟ اُنھوں نے اپنی تفسیر عزیزی میں ان تمام واقعات کو بیان فرمایا ہے۔ کوئی اُنھیں جھوٹا کہہ سکتا ہے؟ اُنھوں نے بعض اُن لوگوں کے حالات بھی نقل کیے ہیں جنھوں نے چاہ بابل پر جا کے ہاروت و ماروت سے جادو سیکھا تھا۔" یہ کہہ کے مولانا نے تفسیر عزیزی کے ورق اُلٹ کے یہ بحث نکالی اُس کی عبارت دُور تک پڑھ کے سنائی۔ اور فرمایا" اب تو تم کو اطمینان ہوا؟"

صاحبزادہ "ابھی تو نہیں۔ مگر ایک صورت اطمینان کی ہے۔ چاہ بابل کا پتہ لگانا چاہیے۔ بس وہاں ہاروت سے دریافت کر کے سارا معما حل ہو جائیگا۔"
مولانا "اب کہیں بابل کا تو پتہ ہی نہیں۔ اُس کا پتہ کیونکر لگے گا؟"
صاحبزادہ "بہت آسانی سے۔ بلکہ کنوئیں ہی سے شہر بابل کا بھی پتہ لگ جائے گا۔ اس لیے کہ جس جگہ ساری دنیا کا دھوان سمٹ کے جمع ہوتا اور اُڑتا ہو وہ چھپی نہیں رہ سکتی۔ جن پہاڑوں سے دھوان اُٹھتا ہے وہ منزلوں سے دکھائی دیتے ہیں۔ بلکہ پتہ لگانے ہی کی غرض سے اکثر جگہ آگ روشن کر دیا کرتے ہیں۔ جہاں دھوئیں سے فوراً راستہ مل جایا کرتا ہے۔"
مولانا "بات تو قرین قیاس ہے۔ دھوئیں کے ذریعہ سے کنوئیں کا پتہ ضرور لگ جانا چاہیے۔"
صاحبزادہ "بابل کے کھنڈر عراق میں دریائے دجلہ کے کنارے پڑے ہوے ہیں۔ اگرچہ اُن کا سلسلہ کوسوں تک چلا گیا ہے اور اُن میں نہایت ہی خوفناک جنگل اور بیہڑ ہے۔ لیکن ہم کو پتہ مل جائے گا۔ کنوئیں کے اوپر دھوئیں کا جو ستون قائم ہوگا وہ توہین جانتا ہوں صدہا کوس سے نظر آتا ہوگا۔"
مولانا "نظر تو آنا چاہیے۔ معلوم نہیں ہر سال جو صدہا زائرین ارض عراق میں جاتے اور بابل کے کھنڈروں سے گذرتے ہیں اُنھوں نے بھی کبھی اس دھوئیں اور کنوئیں کو دیکھا ہے یا نہیں؟"
صاحبزادہ "اس قسم کی تحقیق کی کوشش ہی مسلمانوں سے فنا ہو گئی۔ یہی ہوتا تو پھر کیا تھا۔ قرآن مجید میں بابل کا ذکر ہو اور مسلمان سوا سُنی سنائی باتیں لکھ دینے کے کبھی تکلیف کر کے اُس کنوئیں کا پتہ نہ لگائیں۔ اس سے بڑی تعجب کی کون سی بات ہو سکتی ہے؟"
مولانا "اس کی وجہ یہ ہے کہ اُن کو اپنے دین اور اپنی دینی کتابوں پر پورا بھروسہ ہے۔ اُنکے متعلق کسی قسم کا شبہہ نہیں اور تم لوگوں کو بات بات میں شبہہ ہوا کرتا ہر اور ہر امر میں شک کیا کرتے ہو۔"
صاحبزادہ "خیر آپ جو الزام چاہیں دیں مگر میں نے تو اب ارادہ کر لیا ہے

کہ اس کنوئین کی پوری پوری تحقیقات کرون - اور جس طرح ممکن ہو اُس کا پتہ لگاؤن - اب کی امتحان دینے کے بعد مین آپ کو ساتھ لے کے ارضِ عراق کا سفر کرون گا - اور اُن روایتون کی پوری جانچ کرون گا"۔

مولانا "مگر مین نے پتہ لگا دینے کا کوئی اقرار نہین کیا ہے - یہ خود تمھارا کام ہے اور اگر بالفرض پتہ نہ لگا تو مین اس بات کا قائل نہ ہون گا کہ ان واقعات مین جو تفاسیر مین درج ہین کسی قسم کا شبہہ ہے - بہتر یہ ہوگا کہ وہان کا سفر کرنے سے پہلے زائرین عراق سے مل کے دریافت کیا جائے کہ اُنھون نے وہان کیا دیکھا - اور اُنھین وہان کسی چیز کا پتہ لگا یا نہین ؟"

صاحبزادہ "تو آپ ہی ایسے لوگون سے مل کے دریافت کرین - لیکن جہان آپ نے یہ فرمایا ہے کہ ان باتون کا پتہ نہ لگنے سے آپ کو اپنے کسی دعوے مین شبہہ نہ ہوگا - اُسی طرح مین بھی عرض کرتا ہون کہ مین بے پوری طرح تجربہ کیے اور سمجھے ایسی کسی بات کو ہرگز نہ مانون گا - کوئی بات صراحةً قرآن مجید مین مذکور ہو یا کسی حدیث صحیح مین اُسکا ذکر آگیا ہو اُسکو تو ضرور مان لون گا - باقی اور لوگون کے اقوال کو چاہے وہ کتنے ہی بڑے پایہ کے ہون بغیر دلیل اور سند کے ہرگز نہ مانون گا"۔

مولانا "گو تمھاری ان باتون سے الحاد اور نیچریت کی بو آتی ہے - مگر مین اتمامِ حجت کے لیے اگر مشاہدہ نہ کرا سکا تو سچی اور مستند نقلی دلیلین قرآن وحدیث سے ضرور پیش کر دون گا"۔

صاحبزادہ "تو مین تسلیم بھی کر لون گا - بہتر - تو آپ ایک مہینہ بھر کے بعد مین جناب سے اِن باتون کو دریافت کرون گا"۔

مہینہ گذر گیا - شاگرد نے بابل ونینوا اور عراق کی کئی پرانی تاریخین پڑھین - بہت سے سفرنامے دیکھے - اور بابل کی تاریخ اور ہیأت سے مسائل متعلقہ مین پوری بصیرت حاصل کر لی - مگر ہمارے مولانا اُسی درجے پر تھے جس پر کہ ایک مہینہ پہلے نظر آتے تھے - اس مسئلے کا تذکرہ آتے ہی اُنھون نے دلیل مین مفسرین اور بعض شارحین حدیث کے اقوال پیش کیے جو اس آیت کے متعلق تھے

اور دعوے یہ تھا کہ مین قرآن وحدیث سے ثبوت دے رہا ہون۔ شاگرد نے
صاف کہدیا کہ ان دلیلون مین سے کوئی قطعی حجت نہین ہے۔ کیونکہ جن باتون
کو آپ ثابت کرنا چاہتے ہین اُن کا ثبوت قرآن یا حدیث کے کسی لفظ سے
نہین نکلتا۔ رہا اُن علماے کبار کا بیان جنھون نے ان باتون کو قرآن مین
ملا دیا ہے اُن کے اقوال کو مین بغیر دلیل کے نہین مان سکتا۔ اُن کا قول
جب ہی مانون گا جب آپ بابل مین چل کے مشاہدہ کرادین گے۔

ہمارے مولانا شاگرد کے اس جواب پر نہایت برہم ہوے۔ اور کہا
"تمھارے عقائد خراب ہو گئے ہین"۔ شاگرد نے ادب سے عرض کیا "بیشک
میرے عقائد خراب ہو جاتے۔ کیونکہ دینیات کے نام سے جناب جس قسم کی
بے سرو پا باتون کی تعلیم مجھے دیا کرتے ہین وہ میرے ہی نہین ہر مسلمان کے
عقائد بگاڑنے کے لیے کافی ہین بشرطیکہ وہ انگریزی بھی پڑھتا ہو اور ہر چیز کو
انگریزی دانی کی عینک سے دیکھتا ہو۔ مگر غنیمت یہ ہوا کہ خوش قسمتی سے
مجھ سے چند ایسے پختہ مغز اور ذی فہم علماے دین سے ملاقات ہے جو میرے
شبہات کو رفع کر دیا کرتے ہین۔ اور اُنھین سے مجھے اطمینان کے ساتھ
پہلے ہی معلوم ہو گیا تھا کہ اس قصہ یا اسی قسم کے دیگر مہمل واقعات کے ثبوت
مین آپ کو یا کسی کو نہ قرآن سے کوئی قطعی دلیل مل سکتی ہے اور نہ کبھی حدیث
سے۔ اُنھین بزرگون کی صحبت کا فیض تھا جو مین سمجھ گیا کہ ہمارا اسلام ایسے
مزخرف قصون سے بری ہے۔ اب اگر جناب سفر عراق کی جرأت فرما سکتے ہین
تو مین لے چلنے کو تیار ہون۔ لیکن اتنا ضرور عرض کرون گا کہ انگریزی پڑھنے
والے شاگردون کو جناب اس قسم کی باتون کی تعلیم نہ دیا کرین۔ ورنہ لوگ
سچے بننے کے بگڑ جائین گے۔ اور آپ بجاے مسلمان بنانے کے انھین
دشمن اسلام بنا دین گے"۔

یہ تعلیم تو ہمارے ان مولانا کو اُن کے ایک شاگرد نے دی تھی مگر مین
علی العموم علی گڈھ کالج کے مہتممون کو دیتا ہون۔ وہ ہادی دین اور معلم دین
ایسے اساتذہ کو مقرر فرمائین جو شاگردون کے فہم و مذاق کے مطابق اُن کو

اسلام کی تعلیم دیا کریں۔

زوالِ عجم

زمانہ کے آثار بتا رہے ہیں کہ دولتِ قاچاریہ اور اسی کے ساتھ اسلامی سلطنت عجم کا خاتمہ ہوا چاہتا ہے۔ اور یورپ نہیں چاہتا کہ مسیحیوں کے سوا کوئی ملک کسی اور مذہب کے قبضے میں باقی رہے۔ اس سے پیشتر روم و ایران میں شخصی سلطنتیں تھیں جن میں رعایا کی جانیں اور ملک کی قسمت ایک ذات واحد کے قبضے میں ہوا کرتی تھی۔ دول یورپ اگر انکے نظم و نسق کی اصلاح چاہتی تھیں تو کہا جاتا یا یہ بہانہ پیش کیا جا سکتا تھا کہ یہ دخل دہی نوع انسانی کی ہمدردی اور نظام عالم کی اصلاح کے لیے ہے۔ مگر تقدیر نے خود ہی شخصی سلطنتوں کا ورق اُلٹ دیا۔ اور اُن دونوں اسلامی ملکوں میں جمہوری حکومت قائم ہو گئی۔ اور قوم خود ہی اٹھ کھڑی ہوئی کہ ہم اپنی اصلاح آپ کر لیں گے۔ چنانچہ تمدن کے صحیح ترین اصول پر دونوں جگہ قومی مجالس حکمرانی قائم ہو گئیں اور ہر مسئلہ قوم کی منظوری سے طے ہونے لگا۔ یوں تو نکتہ چینی ہی صحیح آلۂ اصلاح و ہمدردی ہے مگر اب ان سلطنتوں پر کوئی ایسا اعتراض نہیں کیا جا سکتا تھا جو اُن کی پامالی کا بہانہ قرار دیا جا سکے۔ اور جو نقش تقدیر نے قائم کر دیا تھا اُس کا بگاڑنا در اصل بہت بڑا اخلاقی جرم تھا۔ مگر افسوس یورپ کو نہیں منظور کہ ان بدنصیب سلطنتوں کو کسی حال پر بھی قرار لینے دیا جائے۔ یا اتنی مہلت دی جائے کہ وہ اپنی اصلاح کر سکیں۔ در اصل یورپ کو اندیشہ ہے کہ اگر ان سلطنتوں کو جمہوریت کے اصول پر ترقی کرنے کا موقع چند روز بھی مل گیا تو ان دونوں کی مجموعی قوت زبردست ہو جائیگی۔ اور تھوڑے ہی زمانہ میں یہ ہماری گرفت سے باہر ہو جائیں گی۔ اور انکا اتفاق یورپ کی غیر منصفانہ اولوالعزمیوں کا مزاحم ہو جائے گا۔

پہلے سُنی شیعہ کے جھگڑے اُبھارے گئے۔ تاکہ ترکوں اور ایرانیوں میں نفرت کو ترقی ہو۔ قدیم جھگڑے یاد دلائے گئے۔ اور پرانے تعصبات کے قصے

سنائے گئے۔ مگر روم کے سُنی اور ایران کے شیعہ لکھنؤ کے سُنی و شیعہ نہ تھے۔ کہ اس دھوکے مین آجاتے۔ اُنھون نے پُرانے تعصبات کو دور کر دیا۔ علمانے اتحاد کے فتوے دیے۔ اور دونون ملکون کی حکمران جماعتون نے روابطِ اتحاد کو ترقی دی۔ جس نے یورپ کی آرزؤون پر خاک ڈال دی۔

اب جو یہ نظر آیا کہ یہ تدابیر کارگر نہین ہوتے تو دوسرا غاصبانہ عمل شروع کیا گیا۔ یورپ کا بزدل شکاری کتا (اٹلی) طرابلس الغرب پر چھوڑ دیا گیا۔ اور دولتِ عثمانیہ اور اُسکے ساتھ سارے افریقیہ بلکہ ساری دنیا کے سُنی مسلمان اٹلی کی چیرہ دستیون کی طرف متوجہ کر دیے گئے۔ تاکہ اُن کے لیے دوسری طرف رُخ کرنے کا موقع نہ باقی رہے۔ اور وہ اس قابل ہی نہ رہین کہ کسی دوسرے اسلامی ملک کے ساتھ کسی قسم کی ہمدردی کر سکین۔ اور عین اُس وقت جبکہ ساری دنیا کے مسلمان جوش و خروش سے دولت عثمانیہ کے ساتھ ہمدردی کر رہے تھے۔ اور دولت عثمانیہ ایک خطرناک جھگڑے مین پھنسی ہوئی تھی اُسی یورپ کے مردم خوار جنگل کا ایک وحشی درندہ ریچھ (روس) ایران پر جھپٹا تاکہ سب اُس سکتے کو للکارتے ہی رہ جائین اور وہ اطمینان کے ساتھ اپنا شکار مار لیجائے۔

دنیا مین تو یہ غدر مچا ہوا ہے۔ اور ایسا اندھیر ہو رہا ہے۔ مگر شیر ببر (انگلستان) جو اس جنگل کا بادشاہ ہے کھڑا تماشا دیکھ رہا ہے۔ مسلمان اُس کی سلطنت کو اسلامی سلطنت بتاتے ہین۔ اور اُس کی حمایت پر نازان ہین۔ مگر اُسے کچھ فکر نہین۔ اگر یورپ کی طرف کوئی آنکھ اُٹھا کے دیکھتا تو وہ ایسے زور سے ڈانٹ بتاتا کہ ساری دنیا گونج اُٹھتی۔ مگر مسلمانون کے قدیمی حقوق پامال ہو رہے ہین۔ اُن کے گھر لُٹ رہے ہین۔ زن و بچہ قتل ہو رہے ہین۔ علمائے دین کو پھانسیان دی جاتی ہین۔ ظالمون کے زبردست توپ خانون سے آتشباری ہو رہی ہے۔ اور مظلومون کے خون کی ندیان بہ رہی ہین۔ مگر اُسے کچھ پروا نہین۔ وہ "نیوٹر" ہے۔ نہ ادھر ہے اور نہ اُدھر۔ اپنے حقوق کی نگہبانی کرے گا۔ اپنا حصہ بٹائے گا۔ مگر مظلوم کی دادرسی کرنا اور ستم زدون کی فریاد سننا "نیوٹرے لٹی" کے اصول کے خلاف ہے۔ طرابلس مین اگر عورتون

اور بچون پر ظلم ہورہا ہے تو اُسکی بلا سے - اور ایران مین اگر حامیان وطن اور علمائے ملت پھانسی پر لٹکائے جاتے ہین تو اُسے کیا - اپنے مقبوضات مصر کی حفاظت کے خیال سے وہ مصروطرابلس کی حدود کو درست کرے گا اور جنوبی ایران پر اپنا اثر برقرار رکھنے کے لیے اپنے جنگی جہاز سواحل عجم پر بھیج دیگا - اپنی فوجین اُتار دے گا - اس سے بحث نہین کہ غریب طرابلسی مسلمان اور بیکس وبے بس ایرانی بچے یا خاک مین مل گئے ؟

تُرک اس موقع پر ضرور ہمدردی کرتے - اور ممکن نہ تھا کہ عساکر عثمانی ایران کی ہمدردی کو نہ آجاتے - مگر افسوس وہ خود ہی آفت مین مبتلا ہین - اور اُن کی روک پہلے سے کر دی گئی ہے - ہر تقدیر مراکو - طرابلس - اور ایران مین سب جگہ ایک ساتھ اسلام پر دھاوا بول دیا گیا - اور دیکھیے اس مناسب موقع پر اور کون کون سی مسلمان ریاستین خاک مین ملائی جاتی ہین -

ایران کے جانے کا رنج مسلمانون کو قیامت تک نہ بھولے گا - یہ داغ ایسا نہین ہے کہ کبھی مٹ سکے - ایران کی آزادی مین باوجود اُسکے متمدن ومہذب ہونے - اور دولت وحشمت مین یکتائے روزگار ہونے کے آج تک کبھی فرق نہین آیا تھا - عرب تو ایک وحشی قوم کا مرکز اور ناقابل پیداوار صحراؤن کا لق ودق سمندر تھا جس کے باعث وہ بیرونی حملہ آورون سے محفوظ رہا - مگر ملک ایران وہ ملک ہے جو ساری دنیا کا مرجع اور تمام اقوام عالم کا محسود ہونے پر بھی اپنی آزادی کو ہمیشہ بچائے رہا - ایرانیون کی تاریخ تاریخ عالم سے شروع ہوتی ہے - یہان تک کہ کیخسرو نے فارس کی حدود سے قدم نکال کے بابل ونینوا والون کی عظمت خاک مین ملائی اور ایسا کوس لمن الملکی بجایا جس کی آواز ساری دنیا مین گونجی - یونان کے سمندرون مین اُس سے کھلبلی پڑ گئی - اور مصر مین دریائے نیل کی لہرون کے ساتھ دُور تک دوڑتی چلی گئی - سکندر کی اُولوالعزمی نے البتہ چند روز کے لیے ایران کو یونانیون کا مطیع بنا دیا تھا - مگر اول تو اُسے ایرانی کوئی غیر نہیں سمجھے - بلکہ دارا ہی کی نسل مین شامل کرتے تھے - اور اگر وہ غیر بھی ہو تو سکندر کا حملہ ایک

ہوا کا جھونکا تھا کہ آیا اور نکل گیا۔ چند روز تک سکندر نے یہان حکومت کی بھی تو وہ یونانیون کی نہین بلکہ خالص ایرانی مذاق و اصول کی سلطنت تھی۔ جس نے سکندر کو یونانی مذاق سے جدا کر کے وطن جانے کے قابل ہی نہین رکھا تھا۔ سکندر کے چند روز بعد مختلف وطنی حکمران جدا جدا حکومت کرنے لگے۔ یہان تک کہ ساسان اول اردشیر بابکان نے پرانی ہڈیان ڈھونڈھ ڈھونڈھ کے قدیم کیانی سلطنت کا ڈھانچہ بنا کے کھڑا کر دیا۔ اور ساسانی سلطنت کا آغاز ہوا۔ اس دولت و عظمت کا کروفر ساری دنیا کو یاد ہوگا۔ دولت روم کو اگر کسی نے دبایا اور شکستین دین تو وہ یہی سلطنت تھی۔ یہی تھی جس نے مسیحیت کو فرات و دجلہ سے آگے ایک قدم بھی نہ بڑھانے دیا۔ یہی تھی جس نے قسطنطنیہ کے نیچے تک تمام ممالک ایشیا اور بیت المقدس تک مین اپنا سکہ چلا دیا۔ اور جس کی عظمت و جبروت کے آگے ساری دنیا کے سر جھکتے تھے۔ رومی ترقی کے اوج کمال پر پہونچنے کے بعد بھی اگر کسی دربار کی شان و شوکت اور کسی ملک کی عظمت و حشمت کو حسد کی نگاہ سے دیکھتے تھے تو وہ یہی سلطنت تھی۔

اب سرزمین عرب سے آفتاب اسلام نے طلوع کیا۔ عربون کے جوش توحید نے تثلیث کو مغلوب کیا۔ تمام معبودان باطل کو دنیا سے نیست و نابود کیا۔ اور آتش فارس سرد کر دی۔ الغرض تمام مذاہب باطل مغلوب ہوگئے۔ اور اُن کے ساتھ وہ زبردست سلطنتین بھی مٹ گئین جو مذاہب باطلہ کی حامی اور مدد و معاون تھین۔ اس انقلاب مین اس پرانی ساسانی سلطنت عجم کا خاتمہ ہوگیا۔ اور اُس کے کھنڈرون پر عرب کی دولت عباسیہ کا دربار قائم ہوا۔

اگرچہ اس انقلاب نے ایران کی پرانی سلطنت اور اُس کے پرانے مذہب کا خاتمہ کر دیا تھا لیکن اگر سچ پوچھیے تو اب بھی ایران کی تمدنی حالت مین کوئی تغیر نہین ہوا تھا۔ کیونکہ عباسیون کے زمانہ سے اُمرائے عرب نے پوری طرح سے ایرانیون کی معاشرت اختیار کر لی تھی۔ وہی دربارون کی شان تھی۔ وہی لباس تھا۔ وہی اوضاع و اطوار تھے۔ اور بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا مذہب کے سوا اور تمام باتون مین ایران کے اسٹیج پر عربی ایکٹر ایرانیون کا بہروپ بھرے ہوئے

ایرانی دربار کے پارٹ دکھا رہے ہین - چنانچہ اکثر محقق مورخین یورپ دعوے کرتے ہین کہ اگرچہ بظاہر عربون نے ایران کو لے لیا - مگر عربون کی فتح ایران در اصل خود عربی معاشرت پر ایرانی معاشرت کی فتح تھی - جس نے چند ہی روز مین عربی معاشرت کو بالکل مٹا دیا -

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس انقلاب عظیم سے بھی در اصل ایرانیون مین کوئی بڑا ردوبدل نہین ہوا - اب فارسی زبان نے اپنی پرانی وضع چھوڑ کے اسلامی لٹریچر اور اسلامی علوم و فنون کو اپنا بنانا شروع کیا - اور تھوڑے ہی دنون مین یہ حالت ہو گئی کہ فارسی زبان گویا مجوس کی نہین بلکہ خاص مسلمانون کی زبان تھی - فارسی شاعری نے جو کچھ نشو و نما پایا سب اسلام ہی کے دور کی فارسی تک محدود ہے - پرانی فارسی کا نام و نشان بھی نہین باقی رہا - شاہنامہ اور سکندرنامہ کی ایسی عالمگیر نظمین جو سنسکرت کی رامائن و مہابھارت اور یونانی کی "اِی لیڈ" اور "آڈِس سے" پر حشیمک زنی کرتی ہین خاص اسلامی عہد کی فارسی کے نمونے ہین - اور اُن کے بعد سے فارسی کے لٹریچر اور اُسکے شعر و سخن نے ایسا کمال حاصل کیا کہ ساری ایشیا کی انشاپردازی اور پوری ایشیائی تہذیب و تمدن کا سرچشمہ ملک ایران قرار پا گیا -

ہندوستان مین اسلامی لٹریچر کے نام سے جو کچھ آیا سب ایران سے اور فارسی زبان کے ذریعہ سے آیا - یہان کی زبانون اور خاصتہً اُردو کی شاعری نے فارسی شاعری ہی کے نقش قدم پر چل کے ترقی کی - ترکستان اور دولت عثمانیہ کی مغربی ترکی زبان کے لٹریچر بھی فارسی ہی کے باغ سخن کے خوشہ چین ہین - بہرحال باسفرس سے لے کے چین تک آپ جہان جا کے دیکھین گے فارسی لٹریچر ہی کو وہان کے تہذیب و تمدن کا سرچشمہ پائین گے -

مگر افسوس اور صد ہزار افسوس کہ ظالم روس اور بے رحم یورپ کے ہاتھون اب یہ پرانی تہذیب اور مشرقی تمدن کا یہ مرجع و مخزن خاک مین ملا جاتا ہے - مولانا نظامی نے اُس حالت کے بیان مین جب کہ سکندر ایران پر فتحیاب ہوا ہے - دارائے عجم خود اپنے نمک حرام ساتھیون کے ہاتھ سے کاری زخم کھا کے

خاک پر گرا ہے۔ اور سکندر نے اُس کے پاس پہونچ کے افسوس کیا ہے چند اشعار
مین عجیب قسم کا جوش و خروش اور زور طبع دکھا دیا۔

بہار فریدون و گلزار جم — بباد خزان گشتہ تاراج غم
نسب نامۂ دولت کیقباد — ورق بر ورق ہر سوے بُرد باد

ہمارے خیال مین یہ اشعار اُس زمانے کے لیے اتنے موزون نہ تھے جتنے
کہ زمانۂ حال پر صادق آتے ہین۔ اُن دنون جیسا کہ بعد کے واقعات سے ظاہر ہوا
کیانی سلطنت تو بیشک نہین رہی مگر ایران کی ایرانیت مین کسی قسم کا فرق نہین
آنے پایا تھا بلکہ سکندر جو فاتح تھا خود ایرانی معاشرت مین رنگ گیا۔ اور یہی
حال فتوحات عرب کے وقت ہوا۔ مگر اب افسوس اگر روس کا قبضہ ہو گیا تو
سمجھنا چاہیے کہ وہ عجمیت جس کی بنیاد کا پتھر کیومرث نے رکھا تھا اور جس کی
عالیشان عمارت جمشید کے ہاتھون تکمیل کو پہونچی تھی فنا ہو گئی۔

افسوس فردوسی و نظامی۔ انوری و خاقانی۔ اور سعدی و جامی کے نام
مٹے جاتے ہین۔ اور ایک شاندار تاریخ کے ساتھ ایک شاندار تہذیب اور
شاندار لٹریچر بھی خاک مین ملے جاتے ہین! یہ خاندان قاچاری نہین تباہ
ہو رہا ہے، بلکہ دیلمیون اور صفویون کے نام بھی مٹے جاتے ہین۔ شہید کربلا
کا ماتم کرنے والو ایران کا بھی ماتم کرو۔ کیونکہ جس دربار سے بزم عزا کی رونق
تھی وہ دربار ہی مٹا جاتا ہے۔

اب سردست یہ مسئلہ غور طلب ہے کہ یورپ کی یہ وضع و حالت دیکھ کے
اور اُس کے تیورون سے اُس کی نیت کا اندازہ کر کے مسلمانون کو کیا کرنا چاہیے؟
ہندوستان کے مسلمانون کے لیے تو اتنا ہی کافی ہے کہ دولت برطانیہ سے التجا
کر کے اور اُس کے سامنے بار بار درخواستین پیش کر کے اور رو دھو کے اُسے اس
بات پر آمادہ کیا جائے کہ وہ اسلامی سلطنتون کو یورپ کی اس دست برد سے
بچائے۔ کیونکہ سب سے بڑی اسلامی دولت وہی ہے۔ اور اُسکا فرض ہے کہ
ایسے نازک موقعون پر اسلام کی حمایت کرے۔ لیکن دیگر ملکون کے مسلمانون کے
لیے اس امر پر غور کرنے اور کوئی قطعی فیصلہ کر لینے کا وقت آگیا ہے کہ آیا اُنھین

دشمنون کی اس وضع کو خاموشی کے ساتھ دیکھتے ہی رہنا چاہیے کہ ساری اسلامی سلطنتون کو ایک ایک کرکے فنا کر دین یا کچھ کرنا چاہیے - اگر یونہین خاموش بیٹھے رہے تو صحابہؓ کی کمائی اور بزرگون کی جان بازی مفت برباد جائے گی۔ اُس سرزمین کا ایک چپہ بھی اُنکے قبضہ مین نہ باقی رہے گا جسے اگلون نے اپنی جانین بیچ کے اور اپنا خون بہاکے حاصل کیا تھا۔

تمام موجودہ دول اسلام اور عرب و افریقیہ وروم کی مسلمان قومون کو مجموعی طور پر دنیاے مسیحیت کو الٹی میٹم دے دینا چاہیے کہ بیشک ہم خواب غفلت مین تھے مگر اب ہوشیار ہین۔ اور اس ناگوار دست برد کو جو ظالمانہ و غاصبانہ ہے کسی طرح برداشت نہین کر سکتے - اگر ہمارے تمدن کی موت ہی کا زمانہ آگیا ہے تو اُسے گوارا کرلین گے مگر یہ کہکے کہ ؎

"ملرزان مرا تا نہ لرزد زمین"

بیشک اُن ممالک کے مسلمانون کو چاہیے کسی جگہ کے ہون جوش وخروش سے اُٹھ کھڑا ہونا چاہیے - اور فیصلہ کرنا چاہیے کہ ہم زندہ رہین گے تو اپنی وقعت و عزت کے ساتھ - ورنہ ہم بھی نہ ہون گے - ابھی تک ہم انتظار کرتے رہے کہ تہذیب یورپ والون کو انصاف وانسانیت کے اصول سکھائے گی - لیکن اب انتظار کا وقت نہین رہا - اور آیندہ یہ حالت نہین دیکھی جاسکتی کہ اسلام کی تمام آزاد سلطنتین ایک ایک کرکے فنا کر دی جائین -

مقتدیان بے مقتدا

رند مشربون کا یہ پرانا مشغلہ ہے کہ حضرت شیخ کی پگڑی اُچھال دینے کی فکر مین لگے رہتے ہین - جن کے کارنامون سے ہمارے شعرا کے دیوان بھرے پڑے ہین - مگر فی الحال شعرا کا جوش تو کسی قدر پھیکا پڑتا جاتا ہے - اب یہ کار خیر بہت کچھ ہمارے اخبار نویسون اور تعلیم جدید کے بادہ تند کے سیہ مستون نے اپنے ہاتھ مین لے لیا ہے - شعرا تو فقط دل لگی اور اپنے تفنن طبع کے لیے ایسی شوخیان کر گذرا کرتے تھے مگر اُن کے بیٹے ہم مذاق اس کام کو زیادہ متانت بلکہ دلی عقیدت سے

کرتے ہین۔ شعرا خود ہی اپنے آپ کو مجنون و از خود رفتہ بتا کے ایسی بیباکیان
کرتے تھے اور اس کے ہرگز متحمل نہ ہو سکتے تھے کہ کسی اور کا ہاتھ بھی اس محترم
دستار تک پہونچے۔ لیکن یہ نئی تعلیم والے آزاد مشرب ایسے دُھن کے پکے
ہین کہ خود ہی یہ مجنونانہ گستاخی نہین کرتے بلکہ اورون سے بھی کہتے ہین کہ "آؤ
تم بھی اس پگڑی کو اچھالو"

صاحبو! اسے تھوڑا نہ سمجھو! اور یہ کوئی معمولی بات نہین۔ یہ بڑی عبرت
کا مقام ہے کہ قوم روز بروز اپنے مقتداؤن اور سرگروہون کی پیروی و اطاعت
سے آزاد ہوتی جاتی ہے۔ اسے ہم بھی مانتے ہین کہ علما مین سے اکثر مین ریاکاری
ہے۔ بہت سے جاہل بھی ہین۔ بہتون مین اور نہین تو یہی عیب ہے کہ
مذاق زمانہ اور موجودہ حالت سے واقف نہین۔ لیکن اس کا نتیجہ ہرگز نہ ہونا
چاہیے کہ تم اُن کی پیروی چھوڑ کے بے ہادی و رہبر رہ جاؤ۔ جس طرح فوج کا
کوئی سپاہی بغیر افسر کے بیکار ہو جاتا ہے اُسی طرح قوم کا ہر متنفس جب تک کسی
رہبر اور سرگروہ کا مطیع فرمان نہ ہو بیکار بلکہ قوم کے حق مین مضر ہو جاتا ہے۔ اگر
تم نظام عالم پر نظر ڈالوگے تو ثابت ہوگا کہ نالائق مقتدا کی پیروی کرنے سے بدرجہا
زیادہ بُرا ہے کہ تمھارا کوئی مقتدا ہی نہ ہو۔

ادنیٰ درجے کی چھوٹی قومون کو دیکھو جن کو تعلیم و روشن خیالی سے کسی قسم کا
مس نہین۔ اور جن کی زندگی بہیمیت کی زندگی خیال کی جاتی ہے۔ اُن کے مقتدا
اور سرگروہ یا اُنھین کی اصطلاح مین کہا جائے کہ اُن کے چودھری بالکل جاہل
ہوتے ہین۔ اخلاق و عادات کے لحاظ سے بھی وہ کوئی اچھا نمونہ نہین ہوتے۔
مگر اُنھین جاہل سرگروہون کی وجہ سے اُن کا نظام تمدن تمھارے نظام سے ہزار
درجہ اچھا ہوتا ہے۔ وہ اُنھین ایک قومی قانون معاشرت پر قائم اور اپنے ضوابط
زندگی کا پابند رکھتے ہین۔ یہی نہین اُن سرگروہون کی وجہ سے اُن مین ایک اعلیٰ
درجے کی جماعت بندی اور اُس کی بدولت ایک زبردست قوت ہوتی ہے جسکو تم
ہمیشہ حسد کی نگاہ سے دیکھا کرتے ہو۔ تمھاری لیاقت۔ حالت۔ اور حیثیت کی وجہ
سے چاہیے تھا کہ تمھاری قوت اُن سے بدرجہا زیادہ بڑھ کے ہوتی۔ مگر تم اپنی سرکشی

اور اپنے مقتداؤن سے منحرف ہو جانے کے باعث وہ کمزور بھیڑیان بنے ہوے ہو جو ادھر اُدھر بھٹکتی پھرتی ہین - اور کوئی گڑریا نہین کہ اُنھین غلط راستہ سے ہنکاکے ایک ڈھرے پر لگا دے -

اس خرابی کی اصلی بنیاد یہ ہے کہ تمھاری تعلیم اور ہے اور تمھارے علما و مقتدا کی تعلیم اور - تعلیم ہی وہ چیز ہے جو انسان کے مذاق و خیالات کو کسی ایک سانچے مین ڈھالتی ہے - جس طرح ایک وردی ہزار سپاہیون مین ہم آہنگی و ہمرنگی پیدا کرتی ہے اُسی طرح تعلیم کی یکسانی مذاق و خیالات مین اتحاد پیدا کرتی ہے - نصاب تعلیم کا ایک ہونا دراصل خدا کی ایک بڑی بھاری رحمت و نعمت ہے - مگر تمھارے یہان یہ خرابی ہوگئی ہے کہ علما تو آج تک اُسی تعلیم کو اختیار کیے ہوے ہین جو ایک ہزار سال سے چلی آتی ہے - یہی نہین کہ اُس مین صرف دینیات ہی کے فنون پڑھائے جاتے ہون - نہین - اُس مین فلسفہ بھی ہے - ہیأت بھی ہے - طبیعیات بھی ہین - یونانی مذاق کے امور عامہ والٰہیات بھی ہین - ریاضی بھی ہے - غرض سب ہی کچھ ہے - مگر موجودہ عہد کی انگریزی تعلیم سے بالکل جدا - کچھ یہی نہین ہے کہ الحاد و دہریت کے خیالات اس نئی تعلیم ہی سے پیدا ہوتے ہون - اُس پُرانی عالمانہ تعلیم سے بھی پیدا ہوتے ہین اور سیکڑون بڑے بڑے ملحد و بے دین اُسی تعلیم کے اثر سے پیدا ہو چکے ہین - اُس پُرانی تعلیم کے دہریے بھی اور طرح کے ہوتے ہین جن کو تعلیم جدید کے ملحدون سے کسی قسم کی مناسبت نہین -

جب تک پُرانی تعلیم سارے مُلک یا کم از کم سارے مسلمانون کا عام نصاب تھی مقتداؤن اور مقتدیون مین ہم آہنگی تھی اور ہم مذاقی - علماء اپنی قوم سے خوش تھے اور قوم علما سے - اِن کو اُن پر اطمینان تھا اور اُن کو اِن پر بھروسا - اور معاشرت کے جو اصول اِن کے نزدیک تھے اُن کے نزدیک بھی تھے - مگر انگریزی دَور نے مُلک کے لیے ایک نئی تعلیم جاری کی جو مذہبی جز کو نکال کے زیادہ تر مغربی درسگاہون کے نصاب تعلیم سے ماخوذ ہے - یہ تعلیم خالص دنیاداری کے مقاصد و اغراض سے وابستہ تھی - علما نے اس خیال سے کہ

جس شخص کو قوم کی مقتدائی اور دینی سرگروہی کرنا ہو اُسے دنیاداری سے کیا کام اُس نئے نصاب کی طرف توجہ نہ کی - اور اپنے اُسی پُرانے نصاب تعلیم پر قائم رہے - جس کا لازمی نتیجہ تھا کہ مقتداؤن اور مقتدیون کے مذاق و خیالات مین تفرقہ پڑگیا - اور جو جو انگریزی تعلیم کو ترقی ہوتی گئی وہ تفرقہ بڑھتا ہی گیا - اور چونکہ ابھی تک لوگون نے اصلی بنائے اختلاف کو صحیح طور پر محسوس نہین کیا ہے - لہذا اس تعلیم جدید نے ہمارے علما اور متوسط طبقہ کے تعلیم یافتہ لوگون کے درمیان مین جو سمندر حائل کر دیا ہے روز بروز زیادہ وسیع اور زیادہ گہرا ہوتا جاتا ہے -

یہ تو اب امکان سے باہر ہے کہ عام لوگ نئی تعلیم کو چھوڑ کے پھر پُرانے نصاب کو اختیار کرین - کیونکہ انسان کو فلاحِ دنیوی کی فکر سب سے مقدم ہوتی ہے - لہذا اگر کوئی علاج ہے تو صرف یہ کہ علما اس جدید تعلیم کو بھی حاصل کرین - لیکن اس مین بھی دشواری ہے - جدید تعلیم ایسی نہین کہ کسی اور فن کی تعلیم کیلئے طالب علم کے پاس وقت باقی رہے - لہذا اگر علمانے ادھر توجہ کی تو وہ عوام کے ہم مذاق سب نے شک بنجائین گے مگر دینی پیشوا اور عالم دین بہ باقی رہین گے اور اُن سے وہ چیز ہی جاتی رہے گی جس کے اعتبار سے وہ عالم یا مقتدائے دین کہلاتے ہین - یہ ایسا معمہ ہے جس کا حل ہمارے پاس نہین - بلکہ ہم کہتے ہین کہ کوئی حل ہی نہین ہے -

اسی نقصان کے رفع کرنے کے لیے شمس العلما مولانا شبلی نعمانی نے سارے عالمون سے بُرے بن کے اور ایک دنیا سے لڑ جھگڑ کے دار العلوم ندوہ کے لیے ایسا نصاب تعلیم بنایا جس مین عربی کے پُرانے علوم کے ساتھ انگریزی بھی لازمی کر دی گئی ہے - مین مانتا ہون کہ اس قومی مصیبت کے دُور کرنے کی اگر کوئی ترکیب ہو تو یہی ہے - لیکن مجھے اُمید نہین کہ اس تدبیر سے بھی اُس خرابی کے دور کرنے مین پوری طرح کامیابی ہو - اس مین شک نہین کہ ندوۃ العلما نے پانی کو سمو دیا ہے - مگر افسوس موسم اتنا سرد ہے کہ یہ سمویا ہوا پانی اُن لوگون کو ٹھنڈا معلوم ہوگا - اور اتحاد مذاق کے لیے جتنی انگریزی دانی کی ضرورت ہے دار العلوم

ندوہ کے طلبہ کو ہرگز نہ حاصل ہو سکے گی اور چند دنکے تجربے کے بعد جو مشکلات
اور دشواریان پیش آتی جائینگی اس نصاب کو اس انجام تک پہونچا دینگی
کہ یا تو انگریزی کی تعلیم غالب آکے عربی کی تعلیم کو بالکل مفقود اور اگر مفقود نہین
تو کمزور کر دے گی اور یا عربی ہی اتنی غالب آجائے گی کہ انگریزی برائے نام رہ
جائے گی۔ بہر تقدیر یہ غرض حاصل ہونا کہ ایسے علما پیدا ہون جو انگریزی تعلیم
مین بھی موجودہ مذاق کے مطابق ہون، دشوار معلوم ہوتا ہے۔

مسلمانون کی بہت بڑی امیدین مسلم یونیورسٹی سے وابستہ ہین جسکے لیے
بڑے زور وشور سے چندہ فراہم کیا جا رہا ہے۔ اور جس کی تحریک نے چند روز
کے لیے مسلمانون کے دلون مین ایک ہیجان پیدا کر دیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ
یونیورسٹی ہمین اس مقصد مین کامیاب کرا دے گی۔ مگر سچ یہ ہے کہ مجھے اسکی
ذرا بھی امید نہین۔ دار العلوم ندوہ تو اس بارۂ خاص مین ایک قسم کا تجربہ
کر رہا ہے اور آزادی کے ساتھ اپنے نصاب کی آزمایش مین مصروف ہے۔ مگر
مسلم یونیورسٹی سے اتنی بھی امید نہین کہ ایسے کسی تجربہ کی کوشش کر سکے۔ گویا
کہا جاتا ہے کہ یونیورسٹی مسلمانون کے تمام فنون کو زندہ کرے گی اور ہر قسم کی
دینی و دنیوی تعلیم کا ایسا زبردست مرکز بنجائے گی جو ساری دنیائے اسلام مین
منفرد ہو۔ لیکن ہماری غرض اُس سے پوری ہونا قریب قریب غیر ممکن سی ہے۔ کیونکہ
یہ یونیورسٹی یقیناً گورنمنٹ کے زیر اثر ہوگی۔ اور کچھ ضرور نہین کہ گورنمنٹ کی پالیسی
ہمارے اغراض و مقاصد کے مطابق ہو۔ اس مین جو انگریزی ڈگریون کا نصاب
رکھا جائیگا اُس مین لازم ہے کہ وہ تمام فنون رکھے جائین جو دوسری یونی
ورسٹیون مین ہین ورنہ ہمارے [illegible] کو گورنمنٹ تسلیم ہی نہ کرے گی۔ اور
جب کہ یہ سب علوم و فنون موجود ہین اُن کی امید رکھنا کہ طلبہ کو عربی کے
اُن دینی فنون کی تعلیم کا وقت ملے گا جو ایک دینی عالم کے لیے ضروری ہین محال
ہے۔ لا محالہ انگریزی کے طلبہ عربی کے اعلیٰ فنون سے عاری رہین گے۔

اب رہی دوسری صورت وہ یہ کہ مسلم یونیورسٹی علما اور عربی اعلیٰ تعلیم پانے
والون کے لیے جداگانہ کلاس کھولے گی اور علیگڈھ کی عمارت مین پرانے مذاق

کا حلقۂ درس بھی جاری کردیا جائے گا۔ اس سے بھی ہماری غرض نہین حاصل ہو سکتی۔ بیشک عام طلبہ انگریزی کی اعلیٰ تعلیم پائین گے۔ مگر اس سے دونون گروہون مین جو تفرقہ پہلے موجود تھا بدستور قائم رہے گا۔ ویسے ہی عالم بنین گے جیسے کہ اب بن رہے ہین۔ اور ویسے ہی انگریزی کے گریجویٹ پیدا ہون گے جیسے کہ اب تیار ہوتے ہین۔

ہان ایک صورت البتہ نکالی گئی ہے وہ یہ کہ انگریزی کے گریجویٹون کو بھاری وظیفے دے کے عربی کی تعلیم پر آمادہ کیا جائے۔ لیکن اس سے بھی مطلب حاصل ہونا بہت ہی مشکل نظر آتا ہے۔ اس لیے کہ ہندوستان کی عمرون کا اندازہ بہت تھوڑا ہے اور انسان ساری عمر طالبعلمی کرنے کے لیے نہین پیدا ہوا ہے۔ نوکری پا جانے یا معیشت کا بندوبست ہو جانے کے بعد سب لوگ ساری عمر طالب علم بنے رہنے کا دعوے کرسکتے ہین مگر پراگندہ روزی پراگندہ دل ہوتا ہے۔ اُس سے ایسی طالب علمی کی آرزو کرنا اُمید موہوم ہے۔ علاوہ برین اس کی امید رکھنا کہ عربی کے فارغ التحصیل طلبہ کو زیادہ مقدار کے وظیفے انگریزی پڑھنے کے لیے دیئے جائین گے، دشوار ہے۔ غریب عربی والون کی ان لوگوں کے نزدیک اتنی وقعت ہی نہین کہ اُنھین وظیفہ کے طور پر پچاس ساٹھ روپئے ماہوار کی رقم دی جائے۔ ہان انگریزی کے گریجویٹون کو البتہ دی جائے گی۔ لیکن وہ کون بے وقوف گریجویٹ ہوگا جو یونیورسٹی کی ڈگری ملنے کے بعد اپنی معیشت کی ساری اُمیدون کو خاک مین ملاکے اور ملازمت کے استحقاق سے دستبردار ہو کے عربی پڑھنا شروع کرے گا؟

ایسے گریجویٹ ابھی پچاس برس تو نہین مل سکتے شاید آیندہ ملین تو ملین۔ اور آیندہ بھی کیا ملین گے۔ آیندہ یہ حالت نظر آتی ہے کہ گریجویٹ ڈگری پانے کے بعد کرگا بننا، بڑھئی اور لوہاری کا کام سیکھنا پسند کرین گے اور عربی کی طرف ہرگز رُخ نہ کرین گے۔

خلاصہ یہ کہ ہمین اس مصیبت کے دُور ہونے کی بالکل اُمید نہین۔ اور اس قسم کے جتنے خیالی مسودے بنائے جاتے ہین اُن کی وقعت ہوائی قلعہ بنانے

سے زیادہ نہین ہے ۔ سچ یہ ہے کہ علما کو اپنے پُرانے علوم و فنون کی تعلیم پانے کے بعد اپنی قوم سے کوئی اُمید نہ رکھنا چاہیے ۔ ان انگریزی دانون اور نیز آج کل کے خیالات والون کا پیش امام بھی گریجویٹ ہونا چاہیے ۔ اور اُنکے پیر و مرشد کے لیے بھی ضروری ہے کہ اُس کے پاس یونیورسٹی کی ڈگری ہو۔

ہندوستان کے مسلمان عالمون کو اپنے لیے پارسیون سے سبق لینا چاہیے ۔ جن کے مقتدا سوا مذہبی رسوم کا بجالانا اور ژند و اوستا کی چند دعائین اور مناجاتین توتے کی طرح بے سمجھے رٹ لینے کے اپنے مذہبی لٹریچر سے کوئی سروکار نہین رکھتے ۔ وہ اپنے پیروون کی طرح انگریزی تعلیم پاتے اور انگریزی معاشرت اختیار کر لیتے ہین ۔ عبادت کراتے یا مرنے جینے کی رسمین ادا کرتے وقت وہ اپنا مقتدائی کا لباس پہن لیتے ہین ۔ اور دوسرے اوقات مین عام افراد قوم کی طرح دنیوی کاروبار مین مشغول رہتے ہین ۔ اسی طرح مسلمان عالمون کو چاہیے کہ عربی لٹریچر عربی علوم دینیہ و نقلیہ کو خیرباد کہین مقتدائی کے فرائض بجا لانے کی ضرورت سے چند مختصر مذہبی دعائین اور رسوم و آداب سیکھ لین اور اور اپنی زندگی اُسی تعلیم کے حاصل کرنے مین صرف کیا کرین جسے اور سب لوگ حاصل کرتے ہین ۔

اُس صورت مین یہ بھی ممکن ہوگا کہ عام مقتداؤن مین سے دو ایک موقع پا کے مستشرقین یورپ یا پارسیون کے کسی خاص دستور کی طرح اپنے علوم عربیہ کو بھی حاصل کر لین ۔ مگر عربی نصاب تعلیم کا ہر عالم کے لیے لازمی قرار دیا جاتا اب کسی طرح مناسب نہین ہے ۔ کیونکہ ابنی موجودہ تعلیم کی وجہ سے وہ عالم تو بیشک ہو جائین گے مگر مسلمانون کے مقتدا نہین باقی رہین گے ۔

ہمین یہ خیال ظاہر کرتے وقت نہایت تکلیف ہوتی ہے ۔ بلکہ دعا کرتے ہین کہ جب ایسی حالت ہو تو ایسے علماے دین کے دیکھنے کے لیے خدا ہمین زندہ نہ رکھے ۔ لیکن افسوس ۔ یہ ایسی بات ہے جس سے ہمین کوئی مفر نہین نظر آتا ۔ علما کا اثر قوم پر سے اُٹھتا جاتا ہے ۔ اور جس حلقہ مین انگریزی تعلیم پہونچ گئی ہے وہ علما اور مقتدایانِ امت کے اثر سے باہر ہو گیا ہے ۔ سارے امرا اور

سارے متوسط طبقے والے قریب قریب سب اُن کے اثر سے نکل گئے۔ اب علما کی سُننے اور اُن کی قدر و خدمت کرنے اور اُن کی بات ماننے والے صرف ادنیٰ طبقے کے عوام کالانعام رہ گئے ہیں۔ جلاہے، کنجڑے، قسائی، اور اسی قسم کے اور لوگ ہیں جو اب سچے دل سے علما کی قدر و منزلت کرتے ہیں۔ اُمرا کا یہ حال ہے کہ اگر تھوڑی بہت تعلیم پا گئے تو ریفارمر اور قوم کے سرگروہ بن گئے۔ کیونکہ مسلمانوں میں کوئی شخص جب تک امیر اور صاحبِ جائداد نہ ہو اُن کا لیڈر نہیں بن سکتا۔ وہ کہتے ہیں کہ جو کالج کے لیے سب سے زیادہ دے وہی ہمارا لیڈر ہے۔ جس کی وجہ سے جو منصب علما نے چھوڑا ہے دولتمندوں اور بڑے بڑے زمینداروں کو مل جاتا ہے۔ چنانچہ امیرزادوں کے واسطے عروج حاصل کرنے کا ایک نیا میدان کھل گیا ہے۔ لہذا وہ تو اب علما کے رقیب ہو گئے۔ اور اُنھیں حق ہے کہ اپنے رقیبوں پر آوازے کسیں اور اُن کی بیعزتی کریں۔

رہے متوسط طبقے کے نوجوان۔ وہ اپنی تعلیم کے تقاضے سے جس قسم کے مقتدا چاہتے ہیں ویسے نظر نہیں آتے۔ لہذا وہ بھی نہایت آزادی بلکہ بیباکی کے ساتھ غریب عالموں کی تنقیص و تضحیک شروع کر دیتے ہیں بہرتقدیر آج علما سے زیادہ مظلوم کوئی گروہ نہیں ہے۔

لیکن اگر اس کا انجام اسی قدر ہوتا کہ علما کی توہین اور مقتدایان دین کی بے وقعتی ہو گئی تو ہمیں چنداں افسوس نہ ہوتا۔ بڑی خرابی تو یہ ہے کہ ساری قوم اسلام ایک فوج بے سر رہ گئی۔ جس کا نہ کوئی سرگروہ ہے اور نہ کوئی پیشوا۔ قومیت کی بندشیں ٹوٹ چکی ہیں اور عالم اسلام میں کوئی نظام نہیں باقی رہا۔ نہ اگلی شخصی حکومت ہی رہی نہ جمہوری۔ اور ہر شخص سمجھنے لگا کہ ہمچو من دیگرے نیست۔

صاحبو! یہ نہایت خطرناک حالت ہے جو ساری قوم کو تباہ کر دے گی۔

مسلمانون مین جوش وخروش

مسلمانون اور خاص کر مسلمانان ہند کے لیے آج کل نہایت نازک زمانہ ہے۔ مسلم یونیورسٹی کے متعلق اُنھین اپنی مرضی کے موافق جواب نہین ملا اور لکھنؤ کے جلسہ مین اس کی مخالفت ذرا سختی سے کی گئی تو ہر طرف غل مچ گیا کہ اب مسلمان ایجی ٹیشن پر آمادہ ہین۔ اس پر طرح طرح کی عقل آرائیان ہونے لگین اور پیش بینیان کی جانے لگین کہ مسلمانون کا ایجی ٹیشن ایسا ہوگا اور اُن کے نوجوان اس قسم کا جوش ظاہر کرین گے۔ بہر حال وہ ہر طرف سے ہوا بنا دیے گئے۔ اس مین شک نہین کہ مسلمانون مین یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ حقوق جب تک مانگے نہ جائین نہین ملتے۔ مثل مشہور ہے کہ "جن مانگا تن پائیان"۔ مولانا ے روم کے ایسے صافی مشرب اور بے نفس صوفی نے بھی یہی تعلیم دی ہے۔ فرماتے ہین

تا نہ گرید طفلکِ حلوا فروش   دیگِ بخشایش نمی آید بجوش

اس سے پیشتر اُن کی وضع اُن اگلے وضعدارون کی سی تھی جو چاہے دم نکل جائے زبان سے اُف نہ نکالتے تھے۔ اور کیسی ہی نازک حالت ہو پیشانی پر بل نہ آنے دیتے تھے۔ گھر مین افلاس سے چاہے فاقہ ہی ہو مگر زبان سے نہ کہتے کہ ہم بھوکے ہین۔ بی بی کے پاس چاہے اوڑھنے کو دوپٹہ نہ ہو مگر وہ باہر اپنی پوری آن بان سے نکلتے تھے۔ اور کسی پر ظاہر نہ ہونے دیتے تھے کہ ہمارا افلاس اس درجے کو پہونچ گیا ہے۔ مگر ہندؤون اور ہندؤون ہی نہین، آج کل کے تمام شایستہ ملکون اور کل تعلیم یافتہ جماعتون نے اُنھین بتا دیا کہ اب ایسی وضعداری کا زمانہ نہین ہے۔ بلکہ ان دنون جب ہی کچھ ملتا ہے جب مانگو۔ اور اکثر اُسی وقت شنوائی ہوتی ہے جب غل مچاؤ۔ ان باتون نے مسلمانون مین اتنا تغیر بے شک پیدا کر دیا کہ اب وہ حرف شکایت زبان پر لانے اور ضرورت پڑے تو کچھ مانگنے کو تیار رہین۔

مگر اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ اُنکا جوش یا اُن کی استدعائین کوئی شورش

مچائین گی یا کسی قسم کی باغیانہ رفتار اختیار کی جائیگی، سخت غلطی ہے۔ ہم تمام ہندواور انگریزی اخبارات مین آج کل یہی غل دیکھتے ہین کہ اب ہندؤون کے جوش کا زمانہ گذر گیا اور مسلمانون کی باری ہے۔ اور مسلمان اپنی وضع سے پکار رہے ہین کہ ع
دَورِ مجنون گذشت و نوبت ماست۔ لیکن مسلمانون کا ایسا ارادہ ہرگز نہیں ہے۔ اُن مین نہ ہندؤون کے سے اکسٹریمسٹ ہین اور نہ کوئی اس خیال کا آدمی ہے کہ اپنی ناراضی وما یوسی کو کسی بیہودہ اور بے نتیجہ شورش کے عنوان سے ظاہر کرے۔ یونیورسٹی کے متعلق اُن کا خیال اسی قدر ہے کہ اگر گورنمنٹ نے ہماری خواہشون کو سُنا۔ ہماری شکایتون کا لحاظ کیا۔ اور ہمین ویسی یونیورسٹی دی جیسی کہ ہم چاہتے ہین تو فبہا۔ اور اس صورت مین ہم گورنمنٹ کے شکر گزار ہون گے۔ اور اگر ہماری یہ آرزو پوری نہ ہوئی تو ہم یونیورسٹی کے خیال ہی چھوڑ دین گے۔ اور علیگڈھ کالج کو جس عنوان سے چل رہا ہے اُسی طرح چلاتے رہین گے۔ اسکے سوا اور کسی کارروائی کا نہ اُنکا ارادہ ہے اور نہ اِس کی اُن سے امید رکھنا چاہیے۔

مگر افسوس کہ تمام اخبارات عام اس سے کہ ہندؤون کے ہون یا انگریزون کے، اُن کے جوش کو بڑھا رہے ہین۔ اور آپ ہی آپ اُن سے غیر معمولی ایجی ٹیشن اور شورش کی امیدین کی جا رہی ہین۔ مسلمانون کی حالت آجکل واقعی نہایت ہی نازک ہے۔ اُنھین اُن تمام واقعات کی خبرین پہونچ رہی ہین جو اُن کے ہم مذہبون کے ساتھ اس دنیا مین ہو رہے ہین۔ مراکو مین فرانس نے۔ طرابلس مین اٹلی نے۔ ایران مین روس نے جو قیامت بپا کر رکھی ہے وہ مسلمانون مین غصہ پیدا کرنے کے لیے بہت کافی ہے۔ لہذا کسی تھوڑی سی تحریک پر اُن سے نا عاقبت اندیشی کے افعال کا سرزد ہو جانا قیاس کے خلاف نہین ہے۔ اور اندیشہ ہے کہ ان مہربان ہمدردون کے بڑھاوون اور یارون کے بھڑوون مین آکے وہ آپے سے باہر نہ ہو جائین۔

مسلمانون کی حالت ہندؤون کی سی نہین ہے۔ ہندؤون کی دنیا ہندستان کے اندر محدود ہے۔ وہ ایک مردہ قوم ہین جس کے پاس قومی روایات کا

ذخیرہ چاہے کتنا ہی زیادہ وسیع ہو مگر اس عہد مین کوئی قوت یا کوئی عظمت انکی
حوصلہ افزائی کرنے والی نہین موجود ہے۔ بخلاف مسلمانون کے کہ اُن مین زندہ
قوتین اور سلطنتین موجود ہین۔ سرحد پر ایسے جاہل مسلمان کثرت سے آباد ہین
جو باغیانہ حیثیت سے کسی غیر مذہب شخص کے مار ڈالنے کو غزا اور اُسکے ہاتھ
سے مارے جانے کو شہادت خیال کرتے ہین۔ لہذا ایسے لوگون مین تھوڑی
تحریک بھی نہایت خطرناک ہے۔ اور خطرناک ہے تو گورنمنٹ کے لیے نہین
بلکہ خود اُن کے لیے۔

یہ کسی کے وہم و گمان مین بھی نہین گذر سکتا کہ برٹش گورنمنٹ کو کوئی
قوت یا کوئی عظمت مغلوب اور اپنی پالیسی بدلنے پر مجبور کر سکتی ہے۔ دنیا کی
بڑی بڑی زبردست سلطنتین تو دولت برطانیہ کا بال بیکا کر نہین سکتین بھلا
ہندوستان کی چھوٹی چھوٹی بے حقیقت کمیونٹیان کیا بنا لین گی؟ لہذا ایسی
شورشون سے جو کچھ ضرر پہونچ سکتا ہے اُنھین لوگون کو پہونچ سکتا ہے جو ایسے
ناعاقبت اندیشی کے افعال پر آمادہ ہو جائین۔

ہمارے خیال مین یہ ساری خرابیان الحاق بنگالہ کی وجہ سے پیدا ہوئی
ہین۔ ہم ہرگز تسلیم نہ کرین گے کہ اس انتظام مین گورنمنٹ نے انکے ایجی ٹیشن کا
کچھ لحاظ کیا۔ یا اُن کی ہوس پوری کر دی۔ تاہم اس الحاق سے بنگالیون کو
دھوکا ضرور ہوا کہ ہماری شورش بے نتیجہ نہین رہی۔ حالانکہ اس الحاق کے
ساتھ ہی بنگالہ کی دوسری تقسیم بھی ہو گئی۔ اور جتنا ملک ایک جانب سے
صوبۂ بنگالہ مین ملایا گیا اُس سے زیادہ دوسری جانب سے نکال لیا گیا۔
اور کلکتہ کا دارالسلطنت نہ رہنا مزید برآن تھا۔ مگر اپنی کوششون مین تھکے ہوئے
اور سرکشی کی بدنامی سے سہمے ہوے بنگالیون کی یہی پالسی قرار پائی کہ سردست
اس پر مطمئن ہو جانا چاہیے۔ اور بظاہر خوشی کے نعرے بلند کر دینا ہی مناسب ہے۔
چنانچہ اُن کی شورش ٹھنڈی پڑ گئی۔ لیکن اکثر مسلمان نوجوانون مین حماقت سے
یہ خیال پیدا ہو گیا کہ بنگالیون کے شورش کرنے اور اُن کے بعض نوعمرون سے
سرکشی و بغاوت کے حرکات سرزد ہونے سے گورنمنٹ نے اُن کی خواہش پوری

کر دی - اور وہ جو کچھ چاہتے تھے ایجی ٹیشن سے اُنھین مل گیا - لہذا ہم بھی ایسے اسی طرز عمل کو اختیار کرین تو کامیاب ہونگے -

اول تو یہی کسی صاحب عقل کے نزدیک مسلّم نہین ہو سکتا کہ بنگالیون کو ایجی ٹیشن سے کچھ مل گیا - اور اگر بالفرض ایسا ہو بھی تو یہ کوئی عقلمندی کا فعل نہین ہے کہ ہم بھی دوسرون کے سے نا عاقبت اندیشی کے مجنونانہ حرکات کرنے لگین - ہمین اپنی متانت اور سلامت روی کی وضع کو نہ چھوڑنا چاہیے - اور مجھے یقین ہے کہ ہم ہرگز ایسی بے عقلی کی کارروائی نہ کرین گے -

ہم کو پہلے اسی امر پر بخوبی غور کر لینا چاہیے کہ ایجی ٹیشن کے معنی کیا ہین؟ اگر ایجی ٹیشن کے یہ معنی ہین کہ شورش مچائی جائے، سلطنت کی فرمانبرداری مین کمی کی جائے، جن حکام کو ہم ناپسند کرتے ہون اُنکے ساتھ دشمنی ظاہر کیجائے اور ایسے ایسے حرکات سرزد ہون جن سے مُلک کے امن و امان مین فرق پڑنے کا اندیشہ ہو - تو ایجی ٹیشن نہایت ہی ناپاک چیز ہے - اور اُس سے زیادہ بے عقلی کی کوئی چیز ہندوستان کی سرزمین پر نہین ہو سکتی -

لیکن اس کے خلاف اگر ایجی ٹیشن کے یہ معنی ہین کہ اپنی شکایات کو ہم آواز و ہمزبان ہو کے گورنمنٹ کے گوش گزار کیا جائے - حکام کو زور و شور اور فصیح و شائستہ زبان مین بتایا جائے کہ مطلوبہ حقوق کے نہ ملنے سے ہمین کس قدر اور کیسا ضرر پہونچے گا - اور جب تک اپنی آرزو پوری نہ ہو جائے اسی دُھن مین لگے رہین اور اپیل پر اپیل کرین - تو ایجی ٹیشن نہایت ہی مبارک چیز ہے - اور فتح و کامیابی کی حقیقی کُنجی وہی ہے -

ہندو و مسلمانون مین زمین و آسمان کا فرق ہے - ہندوؤن مین تعلیم یافتہ لوگ زیادہ ہین - اُن کا غالب گروہ مذاق جدید سے آشنا ہو گیا ہے - جو ہندو فوجی خدمات مین ہین وہ بھی بہت کچھ عقل اور سمجھ رکھتے ہیں - بخلاف اس کے ہم مسلمانون مین تعلیم یافتہ کم ہین - پُرانے مذاق کے لوگون کی کثرت ہے - اُن مین فوجی پیشہ کرنے والی قومین زیادہ اُجڈ اور جاہل ہین - لہذا ایسے لوگون مین ایجی ٹیشن کے پیدا ہونے کے بعد اپنی صحیح حدون اور حقیقی معنون پر قائم رہنا مشکل ہے -

ان تمام امور کا لحاظ کر کے مسلمانون کو بہت پھونک پھونک کے قدم رکھنا اور خوب خیال کر لینا چاہیے کہ "شیخ صاحب زمانہ نازک ہے"۔
لیکن اگر اسوقت دوسرون کے بھڑون مین آ کے اُنھون نے ذرا بھی بے احتیاطی کی تو عزت سنبھالنا بہت مشکل پڑ جائے گا اور وہی مثل ہو گی ع
اُڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوے

اسلام مین حُرمتِ خمر کا نیا سبب

مسلمانون مین شراب حرام ہے۔ اور یہ ایک ایسی اخلاقی تعلیم تھی جس کو مسلمانون سے پہلے اور کسی مذہب نے ایسی تعلیم کے ساتھ نہین اختیار کیا تھا جسکی وجہ سے مسلمانون کا یہ مسئلہ دوسری قومون مین تعجب سے دیکھا گیا ہے۔ اور اس کی مناسب توجیہین بھی ڈھونڈھ کے پیدا کر لی گئین ہمین بخوبی معلوم ہے کہ شراب کب اور کس زمانے مین حرام ہوئی۔ کون سے اسباب اس کے محرک ہوے تھے۔ اور ناگہان اُس کے حرام ہوتے ہی مدینے کی گلیون مین شراب کے خُم کس طرح لُنڈھائے گئے تھے۔ اور اُس قوم مین جس کی گھُٹی مین شراب پڑی ہوئی تھی یک بیک اُسکے ممنوع ہو جانے سے کیسا انقلاب ہو گیا تھا۔
ہم نے غیر مسلم مورخون اور مصنفون کی تحریرین بھی دیکھی ہین مگر کسی مین وہ جدت نہین پائی جو ایک پُرانے انگلش سیاح "سر جان مونڈویل" کے سفرنامے مین نظر آتی ہے۔
یہ بزرگ انگلستان کے شہر "سینٹ البان" مین پیدا ہوے تھے۔ وہان کے ایک معزز نائٹ تھے۔ کئی بار زیارت بیت المقدس سے شرفیاب ہو کے یہ پیشہ اختیار کر لیا تھا کہ اکثر معزز و دولتمند امرائے یورپ کے ساتھ رہبری کی شان سے آ کے اُنھین شہرون شہرون پھراتے۔ ہر ہر زیارت گاہ دکھاتے تھے۔ یہان تک کہ اُنھین سیر و سیاحت کا چسکا پڑ گیا۔ جس نے بیت المقدس اور ارضِ شام کے علاوہ ممالک تاتار، فارس، ارمن، حبشہ اور ہندوستان کی بھی سیر کرائی۔ اور دُور دُور کے سمندرون اور جزیرون مین پھرایا۔ جیسا کہ وہ اپنے سفرنامے

کے دیباچے مین خود تحریر فرماتے ہین
مسلمانون کے ملک مین وہ بہت پھرے - اکثر سلاطین کے دربار مین پہونچے جنھون نے تمام درباریون کو نکال کے اُن سے خلوت مین باتین کین. اور اُن کے ساتھ اچھا سلوک کیا - انھین بزرگ نے اپنے سفرنامے کے بارہوین باب کے آخر مین مسلمانون کے دین و مذہب اور رسم ورواج کے ضمن مین مسلمانون کی شریعت مین شراب کی حرمت کی ایک ایسی عجیب وغریب وجہ بتائی ہے جو آج تک نہین سنی گئی تھی - اور بالکل نئی اور انوکھی ہے -
آپ کو اپنی روایتون سے یہ معلوم ہوا ہے کہ "محمد (صلعم) کو ایک نیک نفس زاہب سے بڑی محبت تھی - وہ کوہ سینا سے ایک میل کی مسافت پر صحرا کے اندر رہتا تھا - یہ مقام سمندر سے ایک دن کی راہ پر تھا اور عرب سے جو راستہ بجانب ہند مملکت خالدیہ (چیلڈیا) کو گیا ہے اُس مین سر راہ واقع تھا جہان وینس کے سوداگرون کے قافلے اکثر بغرض تجارت آیا کرتے تھے - محمد (صلعم) اس کثرت سے اُس راہب کے پاس جایا کرتے تھے کہ آپ کے اصحاب کو گران گذرتا تھا - کیونکہ آپ اُس راہب کی نصیحتین بڑی مسرت کے ساتھ رات رات بھر سنا کرتے اور اصحاب کو باہر انتظار مین کھڑا رہنا پڑتا - آخر آپ کے اصحاب نے تنگ آکے یہ ارادہ کیا کہ اُس راہب کو مار ڈالین - اتفاقاً ایک دن محمد (صلعم) نے عمدہ قسم کی شراب پی (معاذ اللہ) اور بدمست ہو کے غافل ہو گئے - اُسوقت آپ کے اصحاب نے موقع پاکے آپ کی کمر کی تلوار میان سے نکال لی اور راہب کو اُس سے قتل کر ڈالا - اور ویسی ہی خون بھری تلوار بغیر دھوئے اور صاف کیے پھر اُسی طرح میان میں رکھدی - دوسرے دن صبح کو جب آپ نے اُس راہب کو مقتول پایا تو بہت ہی برہم ہوے اور قریب تھا کہ اپنے اصحاب کو قتل کر ڈالین - لیکن اُن سبھون نے ہمزبان ہو کے کہا کہ "آپ ہی نے تو نشہ مین اُس راہب کو قتل کر ڈالا ہے اِس مین ہماری کیا خطا؟" اور آپ کی خون آلود تلوار نکال کے دکھا دی - یہ ثبوت دیکھ کے آپ کو اُن کے کہنے کا یقین آگیا - اُس وقت آپ نے نادم ہو کے شراب کو

اور نیز اُسکے پینے والون کو بہت بُرا بھلا کہا - یہی سبب ہے کہ پابند دین مسلمان شراب کو ہاتھ نہین لگاتے - اور بعض پیتے بھی ہین تو چھپ کے - اگر علانیہ پیہین تو بدنام ہو جائین -

مونڈویل کو سلطان مصر کی خدمت مین باریابی بھی حاصل ہوئی تھی - جس نے اُسے عیسائیون کے بہت سے عیوب بتائے اور اُنھین سُن کے وہ اس قدر متاثر ہوا کہ کہتا ہے "افسوس ہمارے مذہب اور ہماری شریعت پر یہ بڑا دھبہ ہے کہ وہ لوگ جو کوئی شرع نہین رکھتے (مسلمان) ہمارے گناہون پر ہمین الزام دیتے ہین - اور جو لوگ ہماری دینی زندگی کے گرویدہ ہو کے مسیح پر ایمان لاتے اور دین عیسوی قبول کرتے ہین بوجہ ہماری شرارتون اور ہماری بُری زندگی کے ہم سے بدرجہا زیادہ بہتر ہوتے اور ہماری حالت دیکھ کے ہمین الزام دیتے ہین - اور بیشک وہ اپنے خیال مین سچے ہین - کیونکہ مسلمان لوگ نیکوکار اور دیانت دار ہین - اور مقدس کتاب قرآن کے احکام کی پوری پوری پابندی کرتے ہین"

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مسلمانون کی زندگی اُن دنون کیسی پاک صاف اور سچی دینداری کی تھی کہ ایک متعصب عیسائی سیاح جو مسلمانون کی ہر چیز مین عیب نکالنا چاہتا ہے - اور حضرت سرور کائنات صلعم کی نسبت کیسے کیسے لغو اتہامات لگاتا اور لغویات بکتا ہے وہی اُن کے اخلاق اور اُنکی پاکبازی کا مدح خوان ہے - اس بات کو مسلمان حیرت سے سنین گے کہ مونڈویل مصر کے جس فرمان روا سلطان سے ملا تھا اُس کی اعلیٰ قابلیت، ہوشیاری اور تدبر کی یہ کیفیت بیان کرتا ہے کہ اُس کے سفیر، ایلچی اور جاسوس بلکہ اُسکے دربار کے بڑے بڑے امرا بھیس بدل بدل کے یورپ کی تمام مسیحی سلطنتون مین جاتے اور وہان کی ادنیٰ ادنیٰ باتین دریافت کر لاتے تھے - چنانچہ اُس کا بیان ہے کہ مجھے جب ان باتون پر حیرت ہوئی تو اُس نے اپنے تین امیرون کو پیش کیا جو یورپ مین ہو آئے تھے - فرنچ زبان مین اہل زبان کی طرح گفتگو کرتے تھے - اور اُنھون نے مجھ سے میرے وطن (انگلستان) کی تمام باتین میرے بیان کر دین

اور میں حیرت زدہ ہوگیا۔ اور اس سے بھی زیادہ حیرت اُسے اس پر ہوئی کہ خود سلطان نہایت ہی اچھی فصیح فرانسیسی بولتا تھا۔ سچ فرماتا ہے خداوند جل و علا " ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتیٰ یغیروا ما بانفسہم۔

ایمان کی خیر

اب تو مسلم یونیورسٹی کا خیال چھوڑ ہی دینا چاہیے۔ ہمارے ایک قابل و تعلیم یافتہ دوست کا یہ فقرہ ہمیں بہت ہی بھلا معلوم ہوا کہ "مسلمانوں میں یونیورسٹی کا خیال ایک لٹریری اور علمی لکژری تھا"۔ بیشک جس طرح دل میں طرح طرح کی ہوسیں پیدا ہوجایا کرتی ہیں ویسی ہی ایک ہوس یہ بھی تھی جو مسلمانوں کے ظرف اور حوصلے سے زیادہ تھی۔ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ جس طرح بعض با مذاق یا خوشامدی لوگ کسی امیرزادے کو دعا دیا کرتے ہیں کہ "خدا کرے آپ لاٹ صاحب ہوجائیں"۔ ویسے ہی بعض اگلے بزرگ جوش محبت میں علی گڈھ کالج کو دعا دیا کرتے تھے کہ خدا کرے یہ کالج یونیورسٹی ہوجائے" وہ اگلی دعائیں یاد رہ گئیں اور اولوالعزمی و حوصلہ مندی کے جوش میں سب سب اسی اُدھیڑبُن میں لگ گئے کہ کالج کو یونیورسٹی بنادیں۔ اس جوش کے پھیلتے ہی اتنے اتنے بڑے پائے کے اور ایسے ایسے ذی فہم روسائے اسلام کھڑے ہوے کہ اُنکے رُعب سے کسی کو شک یا اختلاف کرنے کی جرأت ہی نہ ہوتی تھی۔ مگر آخر میں کھُل گیا کہ ع۔ خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سُنا افسانہ تھا۔

غنیمت یہ ہوا کہ اس موقع پر مسلمانوں نے چاروں طرف سے ایسی لے دے کی۔ اور مسلمان اخبارات نے اس جوش سے متنبہ کیا کہ لکھنؤ میں کانسٹی ٹیوشنل کمیٹی کا جو آخری جلسہ ہوا اُس میں غیرمعمولی جوش ظاہر کیا گیا۔ اور صاف کہدیا گیا کہ اگر ایسی یونیورسٹی ملتی ہے تو ہم یونیورسٹی سے باز آئے۔

ہم نے مانا کہ ایجوکیشنل کانفرنس کے آخری اجلاس لکھنؤ کے موقع پر مسلمان پبلک کے بعض معتمد علیہ لوگوں کو گانٹھ کے اور سچے آزاد مشیروں پر نعرہ ہاے تحقیر بلند کرکے اور زبردستی اُن کا گلا دبا کے یہ منظور کرالیا گیا کہ ایک کمیٹی منتخب

کر دی جائے اور اُسکو اختیار دیدیا جائے کہ یونیورسٹی کے معاملے کو گورنمنٹ سے جس طرح چاہے طے کرے لیکن جس عنوان سے یہ کارروائی کی گئی اُس سے صاف ظاہر ہے کہ ہمارے وکلا بجائے اسکے کہ ہماری وکالت کریں اور قوم کی عام رائے دریافت کرکے اُس پر چلیں، اپنے ذہنی مسودون کے پورا کرنے کے لیے اپنے ذاتی مقاصد و اغراض کی وکالت کرتے ہین - ان لوگون نے اگر ہمارے آئیڈیل کے خلاف اپنی ذلیل ہوسون کے مطابق کوئی یونیورسٹی منظور کرلی اور علیگڈھ کالج کی موجودہ آزادیون کو بھی ہاتھ سے کھودیا تو ایسی یونیورسٹی چاہے کسی نام سے یاد کی جائے ہم اُسے بجائے اسلامی یونیورسٹی کے حسب منشاء گورنمنٹ علیگڈھ یونیورسٹی ہی کہین گے - اور یہ ہرگز تسلیم نہ کرینگے کہ مسلمانو کو یونیورسٹی مل گئی -

ہمارے دوستون کو یاد ہوگا کہ یونیورسٹی کی تحریک کے آغاز جنوری سنہ ۱۹۱۱ء کے دلگداز مین ہمنے لکھا تھا کہ "یونیورسٹی کا جو ہمارا آئیڈیل ہے ویسی ہی یونیورسٹی اگر مسلمانون کو مل گئی تو ہم سر آغا خان کی امامت کے قائل ہوکے اُن پر ایمان لے آئینگے - اسکے بعد درمیان مین جب گورنمنٹ کی طرف سے بلا یونیورسٹی ملنے کے وعدے ہونے لگے تو ہمین اندیشہ ہو چلا تھا کہ دیکھیے کیا ہوتا ہے اور بظاہر ایمان کی خیر نہین نظر آتی - لیکن الحمدللہ کہ خدا نے ایمان تو بچا لیا -

بعض بزرگ کبھی کبھی یہ بھی کہہ گذرا کرتے ہین کہ ہماری یونیورسٹی علوم دینیہ اور مشرقیہ کی ہوگی - لیکن وہ خوب یاد رکھین کہ اسلامی دنیا کے بڑے بڑے شہرون مین ایسی یونیورسٹیان کثرت سے موجود ہین - ہر صاحب علم شخص اپنے گھر مین یا کسی مسجد مین بیٹھ کے درس دیا کرتا ہے - اور اُس کی درسگاہ قطعاً ایک اعلیٰ درجے کی یونیورسٹی ہے - کیونکہ اُسے انتخاب نصاب تعلیم کا پورا اختیار حاصل ہے اور اُس کی عطا کی ہوئی سند ہر جگہ تسلیم کی جاتی ہے - مجھے یقین ہے کہ ہمارے علما جیسی یونیورسٹیان بے دامون اپنے گھرون مین قائم کرسکتے ہین ویسی علیگڈھ کالج لاکھون روپیہ صرف کرکے بھی نہ قائم کرسکے گا -

پہلے یہ بات دیکھنا چاہیے کہ ہمارے خیال مین یونیورسٹی کیا چیز ہے ؟

یونیورسٹی ہم اُس علمی جماعت کو مجلس کو سمجھتے ہین جسے نصاب تعلیم مدون اور منتخب کرنے کا اختیار ہو - جو صدہا مدارس کے طلبہ اور صاحبان علوم کے مبلغ علم کا امتحان لے اور انھین ہر درجے کی سندین دے سکے - اور ان سندون کو سلطنت اور رعایا دونون تسلیم کرین - فقط یہ آخری جز ایسا ہے جس کی ضرورت سے ہمین گورنمنٹ کی رضامندی حاصل کرنے کی ضرورت ہے -

ہندوستان مین بخلاف انگلستان کے اور مین سمجھتا ہون کہ دیگر تمام ممالک کے سرکاری ملازمت اور ہر معزز فن کی تعلیم کے لیے یونیورسٹی کا سرٹیفکٹ حاصل کرنا لازمی ہے - کیونکہ ہمارے وطن مین بغیر یونیورسٹی کا سرٹیفکٹ حاصل کیے کوئی شخص اس سرزمین پر جینے یعنی کوئی سرکاری ملازمت حاصل کرنے کا مجاز نہین ہے - اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب ہندوستان مین جتنے طلبہ ہین عام اس سے کہ وہ کسی علم اور کسی فن کے ہون حصول علم و فن کی غرض سے نہین بلکہ حصول سرٹفکیٹ کے لیے پڑھتے ہین - ظاہر مین تو علم بڑھ گیا ہے - کیونکہ علم کسب معیشت کا ذریعہ ہو گیا لیکن دراصل علم کی جو سچی وقعت پہلے تھی جبکہ لوگ علم کو علم کے لیے حاصل کرتے تھے فنا ہو گئی - اور تمام طلبہ کا مقصود بالذات یونیورسٹی کا سرٹفکیٹ رہ گیا - اور جب یہ حالت ہے تو آج کل یونیورسٹی اُسی تعلیمی جماعت کو سمجھنا چاہیے جو ایسے سرٹیفکٹ دے سکے جو گورنمنٹ کی نظر مین مقبول اور حصول ملازمت کے استحقاق کے لیے کافی ہو سکین -

بس اتنی ہی چیز کے لیے ہم یونیورسٹی مانگتے ہین - ہمین دراصل نہ مصر کی قدیم یونیورسٹی الازہر چاہیے ہے اور نہ انگلستان کی کیمبرج اور آکسفورڈ کی یونیورسٹیان - ہم ہندوستانی ہین اور ہندوستان ہی کے نمونہ کی ایک یونیورسٹی ہمین درکار ہے - تاکہ اُس کے لیے ہم ایک ایسا مناسب کورس بنا لین جس کے ذریعہ سے ایک ہی ساتھ اپنے دین کی بھی اصلاح کرین اور اپنی دنیا کی بھی - اپنے بچون کو جیسا خدا کا وفادار عبادت گزار بندہ بنائین ویسا ہی اپنی گورنمنٹ کا وفاشعار فرمان بردار بھی بنا سکین -

لیکن یہ ہوسین ہین۔ جن کے دھوکے مین آکے ہم نے کمال حماقت سے
اپنے دین وایمان کو جُوے پر لگا دیا تھا۔ اور آخر کچھ ایسے اسباب پیش آئے کہ
ایمان کے لالے پڑگئے۔لیکن انجام مین خدا نے ایمان کو بچالیا۔ اور ابھی سے
کھل گیا کہ اب جس یونیورسٹی کی کوشش کی جارہی ہے یہ وہ یونیورسٹی نہین ہے
جس پر ہم نے ایمان کو جُوے پر لگا دیا تھا۔ اور نہ یہ وہ یونیورسٹی جسے مسلمان
سچے دل سے چاہتے ہین۔ لہذا وہ اندیشہ جو ہمین پیدا ہوا تھا جاتا رہا۔ اور
بڑی مسرت سے کہتے ہین کہ خدا نے ایمان کی خیر کی۔

عثمانی سطوت کا خاتمہ

سنہ ۱۹۱۳ع کی سب سے بڑی اور کبھی نہ بھولنے والی یادگار یورپ مین سلطنتِ
عثمانیہ کا خاتمہ ہے۔ دنیا مین صرف یہی ایک سلطنت باقی تھی جس کی طرف
مسلمانون کی نظرین اُٹھ جایا کرتی تھین۔ اور جس کے دَم سے اُن کی تمام اُمیدین
وابستہ تھین۔ افسوس اس سال یورپ نے اُس کا خاتمہ کر دیا۔ اور آلِ عثمان
کا سارا عروج و اقبال ایک خواب دوشین ہوگیا۔

دنیا تغیر پذیر ہے۔ اور ناکام و نامراد اپنی آرزوؤن مین تھک کے اور ہر
طرف سے مایوس ہوکے کہا کرتے ہین کہ اگر ہم مٹ گئے ہین تو ہمارے مٹانے والے
بھی ہمیشہ نہ جئین گے۔ ایک دن آئے گا اور ضرور آئے گا جب اُنکی ہستی بھی یون
ہی مٹ جائے گی۔ مگر ہمین کیا۔ ہم تو مٹ گئے۔ اور اسکے بعد وہ مٹے تو کیا
اور رہے تو کیا۔ "بعد از سرِ من کُن فیکون شد شدہ باشد"۔ لیکن افسوس اس بات
کا ہے کہ ہم بے ہاتھ پاؤن ہلائے مٹ گئے۔ مسلمان درکنار یورپ کا بھی شاید یہ خیال
نہ ہوگا کہ سلطنت عثمانیہ کا خاتمہ ایسی آسانی سے ہو سکے گا۔ لیکن ترکون نے آخر
اپنی زندگی دکھا دی۔

اس عثمانی سلطنت کے عروج کے آغاز مین پہلے عثمان خان کے اُس خواب
کو یاد کرو جب اُس نے دیکھا تھا کہ اسکے جھنڈے کے نیچے ایک طرف دجلہ و فرات
ہین۔ دوسری طرف دریائے نیل ہے اور تیسری طرف دریائے ڈینیوب ہے۔ پھر

اس کے بعد اس سلطنت کی تدریجی ترقیوں کو دیکھو۔ اور اُس گھڑی کو یاد کرو جب سلطان محمد ثانی نے قسطنطنیہ کو خشکی میں کشتیاں چلا کے فتح کیا تھا۔ کنیسۂ سینٹ صوفیا تثلیث کے مرکز سے توحید کا گھر۔ اور کلیسائے یونان کے معبد سے مسلمانوں کی جامع مسجد بنا تھا۔ اور اُس کے بعد اس سلطنت کے روز افزوں انحطاط کو دیکھو۔ صاف نظر آجاتا ہے کہ کسی قسم کا عروج کیونکر تنزل کی صورت اختیار کرتا ہے۔

اس سے کسی کو انکار نہ ہوگا کہ ترکی کے زوال کا اصلی باعث یورپ کی جدید متمدن قوموں کی ترقی ہے۔ جن کو گوارا نہ تھا کہ یہ پرانی اسلامی سلطنت دنیا میں باقی رہے۔ سب کے پہلے نویرینو کی بحری لڑائی میں اس کی ساری بحری قوت فنا کر دی گئی۔ اور مُلک یونان کو اس کے قبضہ سے زبردستی نکال کے جنوبی بلقان میں ایک نئی آزاد مسیحی ریاست قائم کرائی گئی جس کی پیٹھ پر یورپ کا دستِ شفقت تھا۔

اس کے ایک مدت بعد ۱۸۷۸ء میں روس نے اندرونی ریشہ دوانیاں کر کے ممالک بلقان میں شورشیں اور بغاوتیں کرائیں۔ اور جب باغیوں کا کوئی زور نہ چلا تو خود اشتہار جنگ دے کے لڑائی چھیڑ دی۔ جس کا خاتمہ اس پر ہوا کہ سوا رومیلیا، مقدونیا اور البانیا کے تمام صوبجات ترکی قلمرو سے نکال کے خودسر ریاستیں بنائے گئے۔ اور ان سب کی پشت پناہی یورپ نے اپنے ذمہ لی۔ صوبجات بوسینیا اور ہرزگوینیا برائے نام ترکوں کے مقبوضہ قرار بھی دیے گئے تو اُن کا انتظام آسٹریا کے سپرد کیا گیا۔ جزیرۂ قبرس (سائپرس) کو انگلستان نے اپنے زیر حکومت لے لیا۔ اس کے چند روز بعد مغربی و جنوبی رومیلیا جو کوہستان بلقان کے اِس پار تھا وہ بلغاریہ کو اور البانیا کا ایک ساحلی ٹکڑا زبردستی مانٹی نگرو کو دلوایا گیا۔ پھر جزیرۂ کریٹ میں جھگڑے پیدا ہوئے۔ اور گو بظاہر یونان کو نہیں دیا گیا اور یورپ نے اپنا مجموعی قبضہ رکھا۔ مگر یہ صرف دکھانے کے لیے تھا اصل میں وہ یونان ہی کا ہو گیا۔ اس سے پیشتر مصر پر انگریزوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ اب بلقانی ریاستوں نے اتنی قوت پکڑ لی

کہ حامیانِ یورپ کے سہارے پر ٹرکی کے خلاف ہتھیار اُٹھا سکیں۔ چنانچہ پیشتر سلطان عبدالحمید خان کے عہد میں یونان نے سر اُٹھایا گر عبدالحمید خان کے تدبر اور اُن کی بیدار مغزی نے اُس کا سر کچل دیا اور ٹرکی کی فوری کامیابی پر یورپ متحیر ہو گیا۔

لیکن اب یورپ ہی کے بھروسے پر ناتجربہ کار نوجوانان ترک نے اپنے بوڑھے مدبر سلطنت اور اپنے دانائے عصر تاجدار کو تخت سے اُتار کے جمہوری سلطنت قائم کی۔ عبدالحمید خان کا تخت سے علٰحدہ ہونا گویا آلِ عثمان کی سلطنت کے زوال کا دیباچہ تھا۔ شاہی خاندان کا ایک بیکار محض شخص تخت پر بٹھایا گیا۔ نوجوانوں نے جمہوریت کا غل مچانا شروع کیا۔ اور قوم کی آزادی پر خوشیاں منائی جانے لگیں۔ یہ نوجوان جوشِ مسرت میں باہم بغلگیر ہو رہے تھے کہ آسٹریا نے بلقان کے صوبجات ہرزیگووِنا اور بوسینا کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ اس پر ترکوں نے لاکھ غل مچایا کچھ نہ سُنی گئی۔ مجبوراً صبر کر کے بیٹھ رہے۔ لیکن چین سے نہ بیٹھنے پائے تھے کہ یکایک اٹلی نے جاکے طرابلس الغرب پر قبضہ کر لیا جو کہ افریقہ میں ٹرکی کا ایک بڑا بھاری صوبہ تھا۔

ترکوں کے پاس کسی قسم کی بحری قوت نہ تھی۔ طرابلس میں نہ فوج بھیجی جا سکی نہ اُن کی کسی قسم کی مدد کی جا سکی۔ وہاں کے عرب یا دو چار ترکی افسر جو چھپ چھپا کے وہاں پہونچ گئے جوش وخروش کے ساتھ لڑتے رہے۔ اور ترکوں کی بیچارگی پر بھی اٹلی سے ملک پر قابض ہونے کی کوئی صورت نہیں بن پڑتی تھی۔ وہ لوگ برابر بلادِ مقبوضہ پر قبضہ کرتے جاتے تھے۔ اور یہاں لڑائی کے لیے ابھی تیار نہ تھے۔ کافی فوجیں سرحد پر موجود نہ تھیں۔ غرض روک تھام نہ ہو سکی۔ اور جب تک قسطنطنیہ سے نئی فوجیں روانہ ہو سکیں سارے مقدونیہ اور البانیہ اور رومیلیا پر دشمنوں کا قبضہ تھا۔ اب ترکی لشکر اتنا جمع ہو چکا تھا کہ امید تھی وہ سب کو مار کے ہٹا دے گا۔ اور پھر اپنے شہروں پر قبضہ کر لیگا۔ مگر اب یورپ کی دراندازی سے صلح کی گفتگو چھڑ گئی۔

اور جب ترکون کی جانب سے لڑائی پر قطعی آمادگی ظاہر کی گئی تو دولِ یورپ نے یہ دیکھ کے کہ اب لڑائی ہوئی تو ریاستہائے بلقان کو نقصان پہونچ جائے گا۔ یہ دھمکی دی کہ اگر ایڈریانوپل کو نہ چھوڑو گے اور ہماری تجویز کے مطابق فیصلہ منظور نہ کرو گے تو تمھاری ایشیائی قلمرو مین بھی ہنگامہ پیدا ہو جائیگا کیونکہ روس اُس ملک پر فوج کشی کرنے کے لیے تیار بیٹھا تھا۔ سابق کی ذلیل وزارتِ عثمانی ہر طرح کی ذلت گوارا کرنے کو تیار ہو گئی تھی۔ مگر غیور نوجوانان ترک اُٹھ کھڑے ہوے اور سرکف ہو کے سارے یورپ کے سامنے کھڑے ہو گئے کہ تمھارا جو جی چاہے کرو۔ ہم جان دے دین گے مگر عزت نہ دین گے۔

حال کی گذشتہ لڑائیون مین ترکون کو بیشک بُری طرح کی شکستین ہوئین گو اس کا الزام سابق کے ناپاک و نالایق وزراء پر ہے پھر بھی ایک بڑی حد تک ترکون کو الزام دیا جاتا ہے۔ اور یورپ خوشیان منا رہا ہے کہ جس شیر سے ہم ڈر رہے تھے وہ بوڑھا ہو گیا۔ مگر مسلمانانِ ارض ترکون کی شکستون سے بہت ہی متاثر ہو کے اُنھین ملزم ٹھہراتے ہین۔

تُرک بیشک ملزم ہین۔ مگر اس الزام کے ملزم نہین کہ اُنھون نے اچھی طرح دشمنون کا مقابلہ نہین کیا۔ بلکہ اس الزام کے باوجود دُنیا کی حالت دیکھنے اور دوسرے مُلکون کی ترقیون سے واقف ہونے کے اُنھون نے اپنی اور اپنے مُلک کی کبھی اصلاح نہین کی۔ یورپ کو یا کسی کو الزام دینا بیکار ہے۔ دنیا کا یہ قطعی فیصلہ ہے کہ زبردست کمزور کو کھا جائے گا۔ ہم اُسی وقت تک زندہ رہین گے اور زندہ رہنے کے مستحق ہین جب تک اپنی حفاظت کر سکتے ہین۔ اور جس دن ہم اپنی حفاظت نہ کر سکین گے اُسی روز فنا ہو جائین گے۔ ترکون ہی پر منحصر نہین ساری دنیا کے مسلمانون مین اس بلا کا جمود ہے اور ترقی سے وہ اس قدر بھاگ رہے ہین کہ کسی قسم کی فلاح کی اُمید نہین کی جا سکتی۔

ان واقعات کے بعد غالباً ترکون کے پاس یورپ میں صرف مشرقی رومیلیا

رہ جائے گا مگر ایشیا میں ابھی بہت بڑا وسیع ملک باقی ہے۔ سارا ایشیائے کوچک
شام۔ یمن۔ عراق اور عرب انھین کی قلمرو میں ہیں۔ مگر کیا یہ خیال اسکی ذمہ دار
ہے کہ یورپ کی ہوس ملک گیری موقوف ہو گئی؟ ہرگز نہین۔ یورپ میں ان پر
دست برد حاصل کرنے کا جوش اب اور بڑھ جائے گا [illegible] اب ترکوں کے
پاس صرف چند روز کا مہمان ہے۔ اور ان کے [illegible] اس کے چھوڑ دینے
کے اصلی معنے یہ ہین کہ ہم تم کو کیا رہی جلا وطن کرنا نہین چاہتے۔ ایشیا کے کسی
شہر مین اپنے مکان بنالو اور نقل مکان کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ کیونکہ وہ وقت
آگیا جب سینٹ صوفیا جامع ایا صوفیہ سے پھر کنیسہ سینٹ صوفیا بنے گا۔

گھڑی بھر کو ہم نے مان لیا کہ قسطنطنیہ کو بھی یورپ نے چھین لیا اور
ترکون نے اُسے ٹھنڈے دل سے قبول کیا۔ کیونکہ اس سے مفر نہین ہو سکتا۔
تو اسکے بعد کیا وہ ایشیائے کوچک مین چین سے بیٹھ سکین گے؟ ہرگز نہین۔
اب اُنھین ایک گھڑی کے لیے بھی چین نہین نصیب ہو سکتا۔ بیشک یورپ
کا ایسٹرن کوئسچن (مشرقی مسئلہ) ختم ہو گیا مگر اب "کوئسچن آف دی مڈل ایسٹ
ایشیا" (مسئلہ مغربی ایشیا) پیدا ہو گا۔ اور سارا یورپ جب اور فکرون سے خالی
ہو گا اسی امر پر طبع آزمائیان کرنے لگے گا کہ ایشیائے کوچک کا کیا انتظام
کیا جائے۔ اور ہوتے ہوتے چند روز مین عراق پر برطانیہ قابض ہو گی۔ شمالی ایشیائے
کوچک ارض روم کردستان اور ارمینیہ وغیرہ پر روس۔ اور شام و فلسطین
پر فرانس اپنے حقوق ثابت کرین گے۔ اور اس کی تقسیم و تجزیہ کی کارروائیان
چھڑین گی۔

یہ سب کیون ہوا اور ہو گا؟ اس لیے کہ ترکون نے باوجود موقع پانے
کے کبھی اپنی اصلاح نہ کی۔ محمود خان کے زمانے مین باوجود قوی مخالفتون
کے اتنا سبق ضرور لیا گیا تھا کہ فوجون کا لباس۔ اُن کی ترتیب اور اصول
جنگ یورپ کی ترقی یافتہ قومون کے مطابق ہو گئے اور فوج یورپین افسرون
کے زیر تعلیم رکھی گئی۔ اور اسی کی برکت تھی کہ دولت عثمانیہ کی زندگی دوسری
اسلامی سلطنتون سے زیادہ ہوئی۔ اور پامال ہونے مین وہ سب سے پچھلی

اسلامی سلطنت ہوگی۔

لیکن فوجی ترقی مین بھی بہت سے فنون اور اصول سائنس کی پیروی لازمی ہوگئی ہے۔ بحری قوت آج کل سلطنت کی نگہداشت کے لیے بہت ہی ضروری ہے۔ یون تو ہر سلطنت اسکی اہمیت کو تسلیم کررہی ہے اور جسکے پاس جتنے جنگی جہاز ہین اُتنی ہی وہ زبردست سمجھی جاتی ہے مگر ایک اسلامی سلطنت کے پاس بحری قوت کا نہ ہونا اسکی موت کی قطعی علامت تھی مسلمان دنیا کے دوردراز ممالک مین پھیلے ہوے ہین اور سب کی دلی خواہش اور آرزو یہ ہے کہ جہاد کرین اور توحید کی حمایت مین جان دین۔ مگر بغیر بحری قوت کے اُن کی مدد اور ہمدردی سے کسی قسم کا فائدہ نہین اُٹھایا جا سکتا۔ اور جو جہان ہے وہین پڑا سر دھنا کرتا ہے اور کچھ نہین کرسکتا۔ اگر جنگی جہازون کے ذریعہ سے ترک فوج کو اپنی قلمرو تک پہونچا سکتے تو ایک مہینہ کے اندر کروڑون مسلمان پہونچ جاتے۔ سارا عرب تو ہسار بلقان کے دامن مین ہوتا۔ اور دوسرے ملکون سے بھی لاکھون مسلمان جا پہونچے ہوتے جو اپنا سامان جنگ اور کھانا پینا بھی اپنے ساتھ لاتے۔ لیکن دریا کا راستہ بند ہونے کے باعث نہ کسی غیر ملک کا ایک متنفس اُنکی مدد کو پہونچ سکتا ہے اور نہ خود اپنے ممالک سے وہ سپاہیون کو میدان مین پہونچا سکتے ہین۔

موجودہ زمانے مین تمدن ہی کے لحاظ سے نہین بلکہ فوجی ضرورتون اور ملکی حفاظت کے خیال سے بھی مُلک مین کثرت کے ساتھ ریلون کا جاری ہونا لازمی ہے ریلون کے ذریعے سے مُلک کی آمدنی بیس گنی ہوجاتی ہے۔ تمدن بڑھتا ہے۔ امن وامان قائم رہتا ہے۔ اور سرحد پر دنون اور ہفتون مین لاکھون فوجین پہونچادی جا سکتی ہین۔ لیکن ترکون کو باوجودیکہ ان ضرورتون کو بخوبی سمجھ سکتے تھے۔ اور پڑوس ہی مین یورپ کی ترقیون سے اصلی اسباب ترقی کا مشاہدہ کرسکتے تھے مگر اُنھین اس کی کبھی فکر نہین ہوئی۔ اُن کا مقتضا سے خلوت یہ ہی رہا کہ مُلک مین جہان تک ممکن ہو ریلین نہ جاری ہونے پائین۔ اور متمدن ممالک یورپ کی کمپنیون کو بعض ریلون کی اجازت باب عالی سے دی بھی گئی تو نہایت ناگواری

کے ساتھ اور سخت مجبور ہو کے۔

یورپ کی یہ دھمکی کہ "اگر اڈریانوپل نہ دوگے تو ایشیاے کوچک مین ہنگامہ پیدا ہو جائے گا اور اُسکے ذمہ دار تم ہوگے"۔ ترکون کے لیے اسقدر خطرناک کیون ہے؟ اور اسکے خلاف کرنا ترکون کے حق مین خودکشی کیون خیال کیا جاتا ہے؟

ذرا ایشیائے ترکی کا نقشہ سامنے رکھ کر غور کرو۔ کوہ ارارات (جودی) جہان ترکون روسیون اور ایران کی سرحد ملی ہے وہان سے لے کے ساحل بحر اسود تک ترکون کا سرحدی صوبہ ارض روم ہے۔ ارض روم سے قسطنطنیہ تقریباً ۵۰۰ میل۔ بغداد تقریباً ۲۵۰ میل۔ دمشق تقریباً ۴۰۰ میل ہے۔ لہذا اگر فوج کی رفتار یومیہ ۲۰ میل کی رکھی جائے تو قسطنطنیہ سے پچیس دن مین بغداد سے ساڑھے بارہ دن مین اور دمشق سے ۲۰ دن مین ترکی فوج سرحدی صوبہ مین پہونچ سکتی ہے۔ کیونکہ ریل گئی نہین ہے۔ جہاز پاس نہین ہین۔ اور جو دو چار ہین تو حریف کے زبردست بحری قوت کے اندیشے سے اُن سے کام نہین لیا جا سکتا۔ اسکے مقابل روسیون کی ریل سرحد کے قریب تک جاری ہے۔ جو چند ہی روز مین لاکھون سپاہی پہونچا دے سکتی ہے۔

ترکون کے صوبجات طرابیزندا اور قسطمونیہ بحر اسود کے کنارے ہین جن مین روسی جہاز جسوقت جہان چاہین فوج اُتار سکتے ہین۔ نتیجہ یہ کہ جب تک ترک ان سرحدی اور ساحلی صوبون مین لشکر پہونچائین روس اُن کے ایک بڑے حصے پر قبضہ کر چکے گا۔ اور اگر اُس نے تھوڑے حصے پر بھی قبضہ کر لیا تو دول یورپ مین ایشیا کی تقسیم کا مسئلہ چھڑ جائے گا۔ اور ترکون کو اس کا موقع بھی نہ مل سکے گا کہ اپنے لشکر سے کام لین۔ اور جان بازی کا حوصلہ بھی نکال سکین۔

افسوس اب وقت ہاتھ سے نکل گیا۔ اور گذشتہ غفلت کا خمیازہ لازمی چیز ہے جس سے مفر نہیں ہو سکتا۔

خیالات و واقعات

ترکون کا موجودہ تنزل عبرتناک ہے۔ مگر اس سے زیادہ عبرتناک اُن مسلمانون کی حالت ہے جو کل تک تو ترکون کی حمایت مین اپنے نیک و بد بھی نہین سمجھتے تھے اور گویا بھول گئے تھے کہ ہم ایک یورپین دولت اور مسیحی سلطنت کی رعایا ہین۔ یا آج ایڈریا نوپل کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد وہ ہمدردی درکنار ترکون کی مخالفت پر تیار ہین۔

کہا جاتا ہے کہ ترک خلافِ شرع ہین۔ ڈاڑھیان منڈاتے ہین۔ مذہب سے بے پروا ہین۔ شرابین پیتے ہین۔ اور نصرانی طرز معاشرت کے دلدادہ ہین مگر یہ سب باتین تو اُن مین جب بھی تھین جب ہمارے یہ مقدس و محترم دوست اُن کی حمایت مین جان فدا کرنے کو تیار تھے اور اُن کی اعانت کو عین اعانتِ دین بتاتے تھے۔

مقتدایانِ دین کے بعض حلقون سے یہ آواز بھی سُنی گئی کہ اصل ہمدردی ہمین عربون سے کرنی چاہیے جن کی محبت منجملہ شعائر اسلام ہے۔ یورپ والون کا معمول ہے کہ غیر مسیحی مردہ قومون کی قبرون پر چراغ جلاتے ہین اور زندہ قومون کی نسبت چاہتے ہین کہ دنیا سے فنا کردین تاکہ اُن کی قبرون پر بھی چراغ جلانے کا موقع ملے۔ آریہ قوم بہت اچھی تھی اس لیے کہ فنا ہو چکی مگر چینی باوجود اُسی قدامت کے مٹا دینے کے قابل ہین۔ عرب بہت اچھے تھے اس لیے کہ اُنکی خلافت مٹ گئی۔ مگر ترک بہت ہی بُرے ہین اس لیے ابھی اُن مین سانس باقی ہے۔ ہمین اس کی خبر نہ تھی کہ انگریزی دان نوجوانون نے تو انگریزی معاشرت اختیار کی ہے۔ لیکن ہمارے مقتداؤن نے اور تمام چیزون سے پرہیز کرکے نصاریٰ مغرب سے صرف یہی ایک سبق حاصل کیا ہے۔ خیر وہ دولت عثمانیہ کو مٹی دینے مین دول یورپ کے ساتھ شریک ہون مگر

اپنا عمامہ سنبھالے رہیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ بھی اسی قبر میں گر کے دفن ہو جائے۔

مگر سچ یہ ہے کہ ہندوستانی اولوالعزمی کی نسبت پرانی مثل چلی آرہی ہے کہ لڑنے والوں کے پیچھے اور بھاگنے والوں کے آگے۔ اس کی پوری پوری تصدیق ہمیں ان ہندوستانی ہمدردان اسلام کے طرز عمل سے ہو رہی ہے۔ جن کا جوش و خروش لڑائی کے وقت تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ترکوں میں بھی اتنی ہمت دینی نہ ہوگی جتنی ان میں ہے۔ لیکن اب شکست کے وقت یہ سب سے پہلے بھاگ کے الگ جا کھڑے ہوئے۔ اور ایک نیلام ہاتھی کی طرح خود اپنی فوج کو پامال کر رہے ہیں۔

خیر عربوں ہی کی ہمدردی سہی۔ خدا مبارک کرے۔ مگر عربوں سے پہلے یہ تو سیکھ لیجیے کہ ہمدردی کسے کہتے ہیں؟ عربوں کی وضع ہے کہ جس کا ساتھ دیا پھر مرتے مرتے اُسے نہیں چھوڑتے۔ جاہلیت میں بھی حلیف (ہم قسم) قبائل نسلاً بعد نسلٍ دوستوں کی حمایت میں جانیں دیا کرتے تھے۔ اور آج بھی عربوں کا معمول ہے کہ جس کے ہوئے زندگی بھر کے لیے اُسی کے ہو گئے۔ ایسا نہ ہو کہ جیسی پر جوش ہمدردی آپ نے ترکوں کے ساتھ کی ہے ویسی عربوں کے ساتھ بھی کیجیے۔ وقت پڑے پر نکل بھاگیے اور عرب کے بدوی غل مچائیں "ہندی بطال! ہندی بطال!"

خیر۔ اہل عرب تو ایک پرانی شریف قوم ہیں۔ ہمارے ہندوستانی شرفا کی وضع یہ تھی کہ مظلوم و شکستہ حال کے ساتھ زیادہ ہمدردی کرتے۔ اور ہمدردی کا وقت وہی سمجھا جاتا جب کسی پر آ بنے اور وہ کسی مصیبت میں مبتلا ہو۔ ترکوں نے جان بوجھ کے اور بغیر مجبور و ناچار ہوئے اپنا ملک نہیں دیا۔ وہ بہادری سے لڑے۔ قسمت سے جان پر کھیل کے مقابلہ کیا۔ فتح و شکست تقدیری معاملات ہیں۔ اُحد میں خود رسول خدا صلعم کو شکست

ہو گئی تھی - ایسی حالت میں یہ کون سی شرافت ہے کہ شکست کی خبر سنتے ہی کوئی صاحب ترکون سے بدظن ہو جائین

اگر یہ ہم بھی لین کہ ترکون مین انتظامی قابلیت نہین تو موجودہ شکستون اور ناکامیون پر ترکون کو الزام نہین دے سکتے - بیرونی سازشون نے کامل پاشا کے ہاتھ سے دولتِ عثمانیہ کا خاتمہ کرا دیا - سارے یورپ کے اتحاد نے انکو پنپنے نہ دیا - اور گو انجمن اتحاد و ترقی والون نے قومی بے عزتی سے تنگ آکے اور جان پر کھیل کے وزارت کی بساط اُلٹ دی مگر اس کو کیا کرتے کہ سابقہ وزارت سلطنت کا کام تمام کر چکی تھی - اور علاج اُسوقت شروع ہوا جب مرض لا علاج ہو چکا تھا -

---

لیکن اب بھی اگر حرم کعبہ کی حفاظت اور تربتِ رسولؐ کی حمایت منظور ہو تو ترکون ہی کی مدد کیجیے - اور اُنھین کو سپر بنائیے - دنیا بھر کے مسلمانون مین سے اگر کسی مین سنبھلنے کی کچھ طاقت ہے تو وہ ترک ہین - مگر مسلمانون سے آج تک عثمانی قرض کی رقم تو پوری ہی نہ ہو سکی آیندہ کیا کرین گے ؟

ہمارے دوست البشیر، مسلم گزٹ اور الہلال سے ناراض ہین کہ وہ علیگڈھ کالج پر حملہ کر کے ایک قومی ڈھچر کو جو بن چکا ہے بگاڑے دیتے ہین - اور اب اس بات پر آمادہ ہوے ہین کہ معترضین کو جواب دین - مگر جواب دینے سے اچھا ہوگا کہ وہ علیگڈھ کالج ہی کی اصلاح کرین - کالج کی حالت جہان تک ہمین معلوم ہوئی ہے نہایت ہی خراب ہے - اور کالج کلاس کے لڑکون کی حالت رحم کے قابل ہے اور اُن سے زیادہ اس قومی سرمایہ کی حالت جو خودنمائی کا شوق رکھنے والون کے ہاتھ مین دے دیا گیا ہے - قوم مین کالج کی جو بے اعتباری ہوتی جاتی ہے وہ جواب دینے سے نہین دُور ہو سکتی - اگر یہی لیل و نہار ہین تو بکرے کی مان کب تک خیر منائے گی ؟

ندوۃ العلما اور علامہ شبلی

اس امر پر ہمارے ساتھ ہندوستان کے بہت سے مسلمان متاسف ہونگے کہ مولانا شبلی ندوۃ العلما سے علحدہ ہوگئے۔ ہم بہت سی باتون مین مولانا شبلی کے خلاف ہین۔ جیسا کہ اکثر ہماری تحریرون سے ظاہر ہوتا رہا ہے۔ لیکن باوجود اسکے ہم اُن لوگون مین ہین جن کی رائے ہے کہ بغیر مولانا شبلی کے ندوہ چل ہی نہین سکتا۔ اور چلا بھی تو وہ وہ ندوہ نہ ہوگا جس کی مسلمانون کو ضرورت ہے۔ یا قوم کے حق مین مفید ہو سکے۔

ہم ابتداے عمر سے مولانا شبلی سے واقف ہین۔ اور بجاے خود یقین رکھتے ہین کہ مولانا ممدوح کی لیاقتون۔ قابلیتون اور نیز اُن کی کمزوریون اور لغزشون سے جتنے ہم واقف ہین دوسرا کم ہوگا۔ اور اُن کی زندگی کے روشن و تاریک دونون رخون پر نظر ڈالنے کے بعد ہم یہی راے قائم کر سکتے ہین کہ کم از کم جب تک مولانا شبلی زندہ ہین ندوہ کو انھین کی پالسی پر چلنا چاہیے۔

بدنصیبی سے مولوی عبد القیوم صاحب کا ایک افسوسناک واقعہ پیش آیا۔ جس مین اگر کوئی بے ضابطگی یا کمزوری مولانا شبلی سے ظاہر بھی ہوگئی تو ایسی نہین ہو سکتی کہ اُس کی بنا پر مولوی شبلی کی تمام خوبیوں سے قطع نظر کر لیا جاے۔ اور اس معاملے مین بھی اس کے ماننے مین کسی کو تامل نہ ہوگا کہ جو احتیاط مولانا نے برتی وہ ندوہ اور مسلمانان ہند کی فلاح و خیر خواہی پر مبنی تھی۔ اگر اسکو غلطی ہی مانا جائے تو اس سے کسی کو انکار نہین ہو سکتا کہ یہ اجتہادی غلطی تھی جو ہمیشہ اور ہر قوم مین قابل معافی خیال کی گئی ہے۔

اب مولانا کا استعفا منظور ہو جانے کے بعد ہم دیکھتے ہین کہ ان پر بہت ناپاک اتہامات لگائے جانے لگے ہین۔ کہا جاتا ہے کہ بعض رقمین جو انھین ندوہ کے لیے دی گئی تھین اُنھون نے داخل نہین کین اور انپر اپنے ذاتی سرمائے کی طرح تصرف کیا۔ مولوی شبلی کی شان ایسی بدیانتیون

سے بہت ارفع ہے۔ ہمارے سامنے ایسے بیسیوں واقعات گذرے ہیں کہ بعض لوگوں
نے جو روپیہ مولانا شبلی کی نذر کیا تھا اُنھوں نے اُس کے لینے سے قطعی انکار
کیا اور صرف اس شرط پر قبول کیا کہ بجائے اُن کی ذات کے ندوہ کو دیا جائے۔
بفرض محال اگر ندوہ کی کوئی رقم مولوی شبلی سے صرف بھی ہو گئی ہو تو یقین
رکھنا چاہیے کہ ندوہ ہی کی ضرورت میں صرف ہوئی ہوگی۔ اور وہ اُن بھاری
رقموں کا سواں حصہ بھی نہ ہوگی جو مولوی شبلی کے ذریعہ سے ندوہ کو وصول
ہوئی ہیں۔ مولوی شبلی کبھی اُن نفس پرست سرگروہان امت میں نہ تھے
جو قومی طلبوں اور قومی سفروں کے ذریعہ سے اپنی جھولی بھرا کرتے ہیں۔ اور
قوم کی خدمت کا نام لے کے ذاتی تمتع حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اُن کو زرطلبی کا
الزام دینا ایسا ہی ہے جیسے سر سید یا نواب محسن الملک کو غبن اور تصرف
ناجائز کا الزام دیا جائے۔ اُن بزرگوں کے زمانے میں بھی کالج کے روپے
میں کئی بار غبن ہو گیا۔ لیکن سوا اس کے کہ لاعلمی اور حسابات کی طرف توجہ
نہ کرنے کا الزام اُن مرحومین کو دیا جائے کبھی کسی کو یہ جرأت نہیں ہوئی کہ
اُنھیں بدنیتی یا تغلب و تصرف کا الزام دے۔ مگر قوم کی بدقسمتی سے مولوی
شبلی کو ایسے ہی معاملات میں بددیانتی کا الزام دیا جاتا ہے۔

سچ یہ ہے کہ مولوی شبلی سے زیادہ قانع اور بے طمع و بے حرص عالم
ہندوستان میں چراغ لے کے ڈھونڈھیے تو کبھی نہ ملے گا۔ اس میں شک نہیں
کہ وہ سلسلۂ درس اور علماے مدرسین کے طریقۂ تعلیم میں اکثر دخل دے دیا
کرتے ہیں۔ مگر ہر وہ شخص جو بچوں کی نگرانی کا ذمہ دار بنا ہو اُس کا فرض ہے
کہ ان امور میں پوری نگرانی کرے۔ گورنمنٹ کے سررشتۂ تعلیم کے انسپکٹر وقتاً
فوقتاً جیسا سخت امتحان معلموں اور مدرسوں کا لیا کرتے ہیں اُس کی آدھی
سختی بھی کبھی مولوی شبلی نے نہیں برتی۔ لیکن بدنصیبی سے ہمارے ملا اسکے
ذرا بھی متحمل نہیں ہو سکتے کہ کوئی اُن کے طرز تعلیم کی نگرانی کرے۔ اور اگر اُن کی
مرضی کے خلاف کوئی افسر اس بارے میں اپنے فرائض کے بجا لانے پر آمادہ
ہو جاتا ہے تو وہ اُس کے خلاف سازشیں شروع کر دیتے ہیں۔ اور آخر ایک

غوغا اور ہنگامہ مچا کے اُسے ہٹا دینا چاہتے ہین۔ مگر مولوی شبلی حسابات کی تنقیح مین چاہے کمزور ہون مگر علمی تنقیح مین مداہنت کو ایک گھڑی کے لیے بھی جائز نہین رکھتے۔ لہذا اُن کا ایسی سازشون کا شکار ہونا ضروری تھا۔

ندوہ کے ارکان مین مولوی شبلی کے خلاف مدت سے ایک خطرناک قوت قائم تھی۔ اُن مین ایک گروہ اُن پُرانے مذاق کے علما کا ہے جو ضروریات زمانہ سے ناآشنا ہین۔ اپنی تنگ خیالی سے معاملات پر اجتہادی نظر نہین ڈال سکتے اپنی ضد پر قائم ہین۔ اور بالکل پسند نہین کرتے کہ سلسلۂ تعلیم مین کسی قسم کا تغیر و تبدل کیا جائے۔ یا اُن کی رائے سے کسی کو اختلاف ہو۔ ایک دوسرا گروہ اُن بزرگون کا ہے جو بجائے خود نہ عالم ہین نہ فاضل۔ بلکہ یہ چاہتے ہین کہ ہم علما کے علم پر دار بن کے آگے چلین۔ اور حکام اور گورنمنٹ کی نظر مین یہ دکھائین کہ قوم کے اصلی لیڈر ہم ہین اور علما ہمارے پیرو۔ اُن کا اصلی منشا یہ ہے کہ بہت سی فضیلت کی پگڑیان اپنے پیچھے دکھا کے سرکار کی پگڑی اپنے سر پر بندھوالین۔

مولوی شبلی نے دونون گروہون کو دبا رکھا تھا۔ اُنھون نے علما کے عام مذاق کے نصاب تعلیم اور طرز تعلیم مین اصلاحین کین۔ اور اُن علمبردارون سے جھنڈا چھین کے اس بات کا دعوے کیا کہ علما کے لیے وسائط و ذرائع کی ضرورت نہین بلکہ خود علما کو چاہیے کہ حکام سے ملین اور اپنے اور اُن کے مقاصد پر غور کر کے اپنے لیے سلامت روی کا راستہ بنائین۔ اس کوشش مین وہ کامیاب ہوے اور سچ یہ ہے کہ اسی اصول کو برت کے ندوہ کے اکثر مقاصد کو اُنھون نے نہایت ہی آسانی اور صفائی کے ساتھ حاصل کر لیا۔

نصاب تعلیم کی اصلاح۔ گورنمنٹ سے نہایت ہی مناسب موقع پر زمین کا ملنا۔ ایک نہایت ہی عالی شان عمارت کی بنیاد ڈالنا۔ اور اُسے تکمیل کے قریب تک پہونچا دینا۔ ان ضرورتون کے لیے کافی سرمایہ فراہم کر لینا اور گورنمنٹ سے بغیر کسی شرط کے مدد کا مل جانا۔ یہ سب وہ کام ہین جو مولانا شبلی کے ہاتھ سے تکمیل کو پہونچے اور کسی اور کے ہاتھ سے بمشکل انجام پا سکتے تھے۔

ان کامون کے لیے سب سے زیادہ ضرورت روپئے کی ہے۔ روپیہ جسقدر فراہم ہوا ہے اس سے انکار نہین کیا جا سکتا کہ اُس کا غالب حصہ مولوی شبلی ہی کی کوششون کی برکت ہے۔ اگر آپ غور سے دیکھین گے تو ندوہ کے دار العلوم مین لوکل سرمایہ بہت ہی کم لگا ہے۔ اور باہر سے جسقدر روپیہ آیا ہے وہ صرف مولوی شبلی کے اعتبار پر آیا ہے۔

ہندوستان کے علما مین اکیلے مولوی شبلی ہی ہین جن کو ملک کا بچہ بچہ جانتا ہے۔ اُن کی بے نظیر اور مقبول عام تصانیف نے اُنھین ہمالیہ سے راس کماری تک اور بنگالہ سے افغانستان تک ہر شخص کے دل مین محبوب بنا دیا ہے۔ مصر اور ٹرکی میں بھی اُنھون نے ناموری حاصل کر لی ہے۔ اور وہ جدھر کا رُخ کرتے ہین اُن سے پہلے اُن کا ہر دلعزیز نام پہونچا ہوا ہوتا ہے۔ ایسے شخص کو چند مجہول الحال اور محدود دائرے کے لوگون کا علٰحدہ کر دینا سوا اسکے کہ کسی سازش پر محمول کیا جائے اور کیا خیال کیا جا سکتا ہے؟ جس نگاہ سے قوم مولوی شبلی کو دیکھ رہی ہے اگر ارکان ندوہ بھی اُسی نظر سے دیکھتے تو بجاے اُن کے علٰحدہ کرنے کے اُنھین آنکھون پر بٹھاتے۔ مگر جن لوگو کو اپنی قدر و منزلت بڑھانے کی ضرورت ہے وہ ایسے شخص کو سوا حسد کی نظر سے دیکھنے کے قدر و منزلت کی نگاہ سے نہین دیکھ سکتے۔

ہم دلگداز کے صفحون پر کبھی کبھی مولانا شبلی کو چھیڑا کرتے تھے جس سے ہمارا مقصد یہ تھا کہ نکتہ چینی کا سلسلہ منقطع نہ ہونے پائے۔ اور مولانا کی لغزشون کو عالم آشکارا کرکے اُنھین متنبہ و ہوشیار کرتے رہین اور اُن کا مزاج جادۂ اعتدال سے نہ ہٹنے پائے۔ یہی نتیجہ ہم مسلم گزٹ کی نکتہ چینیون کا بھی تصور کرتے تھے۔ مگر یہ نہین سمجھتے تھے کہ ان آشوب زا مضامین سے اُن لوگون کو فائدہ اُٹھانے کا موقع مل جائے گا جو مولانا شبلی کو اپنے مقاصد و اغراض کے خلاف خیال کرتے تھے۔ مگر نہین۔ ہماری اُمید کے خلاف یہ نتیجہ نکلا کہ مولانا ندوہ سے علٰحدہ ہو گئے۔ جس سے مولوی شبلی کو تو کسی قسم کا ضرر نہین پہونچ سکتا ہان ندوہ البتہ مٹ گیا۔

مولوی شبلی کی علٰحدگی کے بعد ندوہ ہندوستان میں اپنا اگلا اعتبار ہرگز نہیں قائم رکھ سکتا۔ بلادِ دور و دراز کے لوگ جو ندوہ کو مولانا کے ذریعہ سے جانتے اور اُس کے حامی و مددگار تھے سب علٰحدہ ہو جائیں گے۔ یہ ہم نے مانا کہ پرانے حاسد اپنے گھروں کے اندر آتش حسد کے شعلوں پر ایک مزہ دار ہانڈی لٹکائیں گے لیکن اس کا کیا علاج ہے کہ سارا ہندوستان اپنا مُنہ بدمزہ پائے گا۔

ہندوستان میں جہان قابل اور سچے خیر اندیشانِ ملت کی کمی ہے اور جہان بے غرض خیر خواہ قوم ڈھونڈھے نہیں ملتا۔ ہر کام اسی وقت چل سکتا ہے جب کوئی سچا ایثار نفس کرنے والا مل جائے۔ اور اُسی وقت تک چل سکتا ہے جب تک کہ وہ اُسی کے ہاتھ میں رکھا جائے۔ ہندوستان میں اور وہ بھی مسلمانوں میں اس بات کی اُمید کرنا کہ ہم جس کسی کو منتخب کرین گے وہ کام کو چلا لے جائے گا ناعاقبت اندیشی اور نادانی ہے۔ یہ یورپ خصوصاً انگلستان کے لیے ہے کہ جس کام کے لیے جو مقرر کر دیا جاتا ہے وہ اُسے خوش اسلوبی سے چلانے لگتا ہے۔ ہندوستان میں آج تک جو کچھ ہوا ہے شخصی کوششوں سے ہوا ہے۔ اور جس شخص نے آغاز کیا آخر تک وہ کام اُسی کی ذات سے وابستہ رہا۔ علیگڈھ کالج کو سر سید نے قائم کیا۔ دیوبند کے مدرسہ کو مولوی محمد قاسم صاحب نے جاری کیا۔ اور اسی طرح کے صدہا کام ہین۔ لیکن سب کا انتظام اُسی وقت درست رہا جب تک وہ اپنے پہلے بانی کے ہاتھ مین رہے۔ اور اسی وجہ سے کامیاب ہوے کہ اپنے بانیوں کی زندگی بھر اُنھیں کے ہاتھوں مین رہے تھے۔

اسی طرح یہ بھی خوب سمجھ لو کہ ندوہ بھی اُسی وقت تک چلے گا جب تک وہ اُسکے ہاتھ مین ہے جس نے اُسے اس درجۂ کمال تک پہونچایا ہے۔ مولوی شبلی کے بغیر ندوہ بعض لوگوں کے لیے سرخروئی کا اور بعض کے واسطے گورمنٹ سے خطاب ملنے کا ذریعہ تو البتہ ہو سکے گا مگر ندوہ نہین باقی رہ سکتا۔

ہمین یقین ہے اور یقین کے ساتھ افسوس ہے کہ ہندوستان مین جہان جہان خبر پہونچے گی کہ ندوہ کو اب مولوی شبلی سے تعلق نہین ہے وہان

ندوہ کا اعتبار نہین رہے گا - ندوہ نے اپنی حماقت سے کسی معمولی شخص کو نہین کھویا - اُس نے ایسے شخص کو کھویا ہے جو دراصل ندوہ کا روح روان تھا اور جس کے ہٹتے ہی اُس کے اعتبار کا بہت زیادہ حصہ قوم کے دلون سے اُٹھ گیا -

مسلمان لڑکیون کا نصاب تعلیم

اس نصاب کی ترتیب وتکمیل مین کمیٹی دینیات تعلیم نسوان کی کوششین بہت کچھ کامیاب ہوچکی ہین - اُردو کا قاعدہ اور پہلی کتاب - اور دینیات کا پہلا - دوسرا اور تیسرا رسالہ چھپ کے تیار ہوگیا - ہم اس بارے مین مولوی شیخ عبداللہ صاحب آنریری سکرٹری صیغۂ تعلیم نسوان - اور محمد حلیم صاحب انصاری معین کمیٹی نصاب تعلیم نسوان کی مستعدی ومحنت کے شکرگذار ہین کہ انھون نے ایک بہت بڑا - ضروری اور اہم کام اپنے ذمہ لیا - اور بڑی حد تک اُسے پورا کرلے گئے -

اس نصاب کے بعض رسالون پر ہم پہلے بھی ریویو کرچکے ہین - مگر ریویو کا اصلی وقت اب ہے - اس لیے کہ کمیٹی کے غور کرلینے اور مناسب ترمیم و اصلاح کے بعد اب یہ رسالے پبلک کے سامنے پیش کیے گئے ہین -

انجمن حمایت اسلام لاہور نے مدت سے اپنا ایک نصاب بنا رکھا ہے جو کسی اور قومی و دینی نصاب کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے ہر صوبے اور شہر مین اختیار کرلیا گیا تھا - عقائد اور مضامین کے اعتبار سے اُس مین ممکن ہے کہ زیادہ تغیر و تبدل کی ضرورت نہ ہو مگر اُس کی زبان مین جابجا ایسی لغزشین اور غلطیان ہین کہ ہمارے یہان اکثر لوگ اُسے نہایت ہی ناگواری کے ساتھ اختیار کرتے ہین اور یہ خطرہ اُن کے دل سے نہین نکلتا کہ اس نصاب کے پڑھانے سے ہماری لڑکیون کی زبان بگڑ جائے گی -

یہ عیب اس نصاب مین بڑی خوبی کے ساتھ دُور کردیا گیا ہے - زبان صحیح ہے - بامحاورہ ہے - سادی ہے - اور پیاری ہے - بچون کے مذاق اور اُنکے

فہم کے مناسب چھوٹے چھوٹے خوبصورت فقرے ہین - جو بہت سلجھے ہوئے ہین اور مضمون کو بڑی صفائی و سادگی سے ادا کر دیتے ہین

یہ کہنا تو صحیح نہیں ہو سکتا کہ اس نصاب کو مرتب و منضبط کرنے والے اپنی کوشش کے انتہائی درجے کو پہونچ گئے - مگر یہ نقش اولین بجاے خود اس قدر مکمل نظر آتا ہے کہ آیندہ کی کوششین یقیناً اِسے ایک بہت ہی اعلیٰ درجے کا بے نظیر نصاب بنا دین گی -

قاعدے مین سرکاری مدارس کے نصاب کی پیروی میں کثرت سے تصویرین شامل کی گئی ہین - یہ مانا کہ بچے تصویرون کو دیکھ کے خوش ہون گے اور اُنکی وجہ سے اُن کا دل زیادہ لگے گا - مگر مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ مسلمانون کا قومی نصاب مرتب کرنے مین اسلام کی اِس تہذیب کی طرف سے بالکل بے پروائی کی جائے - کہ تصویرون کا بنانا اور رکھنا حرام ہے - بیشک ہم سب گنہگار ہین اور بہت سے خلاف شرع کام مسلمانون سے سرزد ہوتے ہین لیکن اس پر بھی ہماری معصیت پسندی کو اس حد تک نہ پہونچ جانا چاہیے کہ ہمارے قومی کام اور ہماری دینی خدمتین اسلامی تہذیب اور دینی شان ہی کو بدل دین - اگر بچے تصویرون کو پسند کرتے ہین تو اُنھین اس سے روکنا چاہیے - نہ کہ ہم ہی اُن کے ایک ناجائز شوق کی پرورش کرین - تصویرون ہی پر منحصر نہین - ہر ممنوع اور بُری چیز کی طرف نفس انسانی دوڑتا ہے مگر وہ روکا جاتا ہے - سچ یہ ہے کہ مجھے مسلمانون کے نصاب کی یہ شان اور اُسکے مرتب کرنے والون کی ایک خلاف شرع کام کے اختیار کرنے میں ایسی جرأت وبیباکی دیکھ کے بے انتہا تکلیف ہوئی -

سب سے زیادہ نازک کام لڑکیون کا نصاب بنانے مین دینیات کے رسالون کا مرتب کرنا ہے - ہماری شرع اور فقہ کی کتابین اپنے آغاز ہی مین ایسے مسائل سے بھری ہوئی ہین - جو باوجود نہایت ضروری ہونے کے حیا اور تہذیب کے دائرے سے باہر ہین - ہمارے یہان قدیم سے یہ مثل مشہور چلی آتی ہے کہ "شرع مین شرم نہین" - مگر بچون اور خصوصاً بچیوں کو بچپن ہی

مین ایسے مسائل بتانا جو اُن کی سمجھ سے باہر ہین اور جن کی تعلیم مین اندیشہ ہے کہ وہی بے شرمی کی تعلیم کا ذریعہ نہ ہو جائین کسی طرح مناسب نہین معلوم ہوتا۔ مگر اس قسم کے مسائل ہمارے آداب دینی مین اس قدر ہل مل گئے ہین کہ نہ انھین لکھتے بناتے اور نہ چھوڑتے۔ ان رسالون کی ترتیب مین یہ دشواری بڑی خوبی سے دُور کردی گئی ہے۔ اور اول سے آخر تک کوئی ایسا مسئلہ نہین ہے جس کی لڑکیون کو تعلیم دینے مین مرد اُستاد کو ذرا بھی حجاب آسکے۔

دینیات کے پہلے رسالہ مین جو صرف چھوٹے چھوٹے دس صفحون کا ہے عقائد توحید و رسالت کی ابتدائی اور ضروری تعلیمون کے بعد کلمے اور قرآن مجید کی چند سورتین ہین جو نماز کے لیے کافی ہوسکین۔ دوسرا رسالہ ۲۰ صفحون کا ہے۔ اس مین مختصر طور پر ارکان اسلام۔ نمازون کے اوقات۔ شرائط نماز۔ وضو۔ غسل۔ اور تیمم کے طریقے اور نماز کی ترکیب بتائی گئی ہے تیسرا رسالہ ۱۲۰ صفحون مین پورا ہوا ہے۔ اور اُس مین طہارت۔ نماز۔ روزے۔ زکوٰۃ۔ اور حج کے ضروری مسائل نہایت ہی عمدگی و وضاحت سے دلچسپ سادی عبارت مین بتائے گئے ہین۔ تاکہ بچیان ضروری عقائد و عبادات سے بخوبی واقف ہو جائین۔

دینیات کا سلسلۂ نصاب بہت ہی اچھا ہے اور بچیون کے پڑھانے کے علاوہ اس قابل ہے کہ ہر پڑھی لکھی مسلمان عورت اُسے منگوا کے اپنے پاس رکھے اور اول سے آخر تک پڑھ جائے۔

ان رسالون کی تقطیع اور لکھائی چھپائی بھی بہت اچھی ہے۔ اور ہمین یقین ہے کہ تمام مسلمان لڑکیون کے مدارس مین یہ نصاب جاری ہو جائیگا۔

دار السلطنت ترکان آل عثمان

دولتِ عثمانیہ اس لڑائی کے بعد اس درجے کو پہونچ گئی کہ اب ہمین اُس کا خاتمہ سمجھ لینا چاہیے۔ مسلمان اس کو چاہے ٹھنڈے کلیجے سے برداشت

کریں یا پرسوز آہوں اور جلتے ہوے آنسوؤں کے ساتھ۔ مگر برداشت کرنا ہوگا۔ خدا کی یہی مرضی معلوم ہوتی ہے۔ اور وہ پوری ہو کر رہے گی۔ مگر اس موقع پر جبکہ قسطنطنیہ کے انجام کی نسبت کوئی قطعی رائے نہین قائم کی جا سکتی یہ بتانا بے موقع نہ ہوگا کہ مسلمانون اور آل عثمان کا مستقر خلافت ہونے کے زمانے مین قسطنطنیہ کی کیا شان رہی۔

سلطان محمد ثانی نے جس شان سے اس شہر پر قبضہ کیا ہے اُس کا حال سنین ماضیہ مین دلگدازکے صفحون پر شرح وبسط کے ساتھ شائع ہو چکا ہے۔ یہ ۸۵۷ھ مین ترکون کے ہاتھ سے فتح ہوا تھا۔ کسی فاضل شخص نے اُسی وقت اُس کا تاریخی نام "بلدۂ طیبہ" قرار دیا۔ جن الفاظ سے سال فتح معلوم ہو سکتا ہے۔ اُسی سال یہ شہر ترکون کا دارالسلطنت قرار پا گیا۔ اور اسلام نے اس سرزمین کو کچھ ایسے ذوق وشوق سے قبول کیا کہ ۱۳۷ سال بعد دیکھا تو یہ خالص اسلامی شہر اور بڑا زبردست مرکز اسلام تھا۔ اور "اسلام بول" کہلاتا تھا۔ جس کے معنی ترک وعرب تو "سرزمین اسلام" خیال کرتے اور ہم ہندوستانیون کا یہ خیال تھا کہ "اس سے اسلام کا بول بالا ہے"۔

چنانچہ حسب بیان مصنف "اخبارالاول" ۹۹۴ھ میں بہ عہد شیخ الاسلام ضیاء آفندی شہر کا بندوبست کیا گیا تو ثابت ہوا کہ قسطنطنیہ مین مسلمانون کے ۳۹۸۰۔ یہود کے ۴۹۸۵۔ اور مسیحیون کے ۴۹۰۰ محلے تھے۔ ۴۸۸ جامع مسجدین تھین جن مین جمعہ کی نماز ہوتی۔ ۴۵۹۶ عام مسجدین تھین جن مین محلون کے مسلمان پنجوقتہ نماز ادا کیا کرتے۔ اُسکے مقابل مسیحیون کے کنیسون کا شمار ۱۴۵ تھا۔ ۱۶۵۴ بچون کے مکتب اور ۵۸۵ اعلیٰ تعلیم کے بڑے مدرسے تھے۔ پینے کا پانی پہونچانے کے لیے شہر کے اندر ۹۷۵ چشمے شب وروز جاری رہتے ۲۲۸۵ رستوران یعنی بھٹیار خانے تھے۔ جن مین تکلف وآرام سے بیٹھ کر لوگ کھانا کھایا کرتے۔ ۱۲۰۰۰ بنیون کی دوکانین تھین۔ اور ۹۸۵ بازار تھے۔ ۲۳۵۲ قہوہ خانے

تھے۔ جو کلبوں کا کام دیتے اور وضیع و شریف اُن میں بیٹھکر مباد لۂ خیالات کیا کرتے۔ ایک ہزار حمام تھے۔ اور ۴۵۸۵ شراب کے کارخانے تھے جو شہر کے باہر نصارے کے محلوں میں تھے۔ یہ بھی اندازہ کیا گیا کہ اُن دنوں سلطنت کی طرف سے فصل خصومات کے لیے ۹۶۰۵ قاضی قلمرو میں مامور تھے۔ جن میں سے ۱۵۶۰۰ اناطولیا یعنی ایشیا میں تھے اور ۹۶۰ رومیلیا یعنی یورپین ٹرکی میں۔

یہ تھا آج سے ساڑھے تین سو برس پیشتر کا قسطنطنیہ۔ بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ۱۲۷ برس میں اسلام نے اس قدر ترقی کر لی تھی تو اُس کے بعد سے آج تک ۳۴۳ برس میں مسلمانوں کے کتنے محلے۔ کتنی مسجدیں۔ کتنے مدرسے اور کتنے قہوہ خانے اور حمام بڑھ گئے ہوں گے اور مسلمانوں کی آبادی کتنی زیادہ ہوگی۔

سنتے ہیں کہ یورپ میں انصاف بڑھ رہا ہے۔ حقوق رعایا کی مراعات ہر شخص کے پیش نظر ہے۔ مہذب دول یورپ کا ساری دنیا کے لیے یہ فیصلہ ہے کہ ہر سرزمین کے رہنے والوں کو حکومت خود اختیاری دی جائے اور زبردست قومیں کمزور قوموں پر جسمانی قوت یا کثرت تعداد کی بنا پر دوسرے ملکوں میں چیرہ دستی اور تغلب و تصرف نہ کر سکیں۔ مگر ان سب برکتوں سے یورپ و امریکہ کے مسیحیوں کے سوا اور کسی قوم کو مطلق العنانی کی سند ملنا غیر ممکن ہے۔ یہ حضرات ساری دنیا کو فتح کر کے ہر قوم اور ہر ملک کے صاحب کمال ادب آموز و معلم اخلاق بن گئے ہیں۔ اپنے مذاق و جذبات کے مطابق دنیا کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں۔ اور اس کو نہیں پسند کر سکتے کہ کوئی شخص اُنکے رستے میں خلل انداز ہو۔ مفتوح قوموں کے جذبات۔ خواہشات اور خیالات و عادات وحشیانہ ہیں۔ اندیشہ ہے کہ اپنے حق میں جو فیصلہ کریں گے مضر ہوگا۔ لہذا اب تمام لوگوں کو اپنی قسمت اُنھیں بزرگوں کے ہاتھ میں دیدینی چاہیے۔ اور مسلمانوں کو ٹھنڈے کلیجے سے یہ سننے کے لیے تیار رہنا چاہیے کہ قسطنطنیہ کو مسیحی سلطنت کے حوالے کر دیا گیا۔

ایک اسماعیلی داعی کا حملہ شیعون اور سنیون بلکہ تمام مسلمانون پر

آج دلگداز مین ہم مولانا ولی محمد اسماعیل صاحب مقیم بمبئی کا ایک طولانی مضمون درج کرتے ہین جسکے لیے ہم کو دلگداز مین آٹھ صفحے بڑھا دینا پڑے۔ یہ ہم کو معلوم ہے کہ جس طرح شیعیان اثنا عشری کے نزدیک امامت کے مانے بغیر ایمان درست اور قابل قبول نہین ہوتا اُسی طرح اسماعیلی شیعون کے اعتقاد مین بغیر اُن کے امامون کے مانے دین کی تکمیل نہین ہو سکتی۔ مگر یہ نہین معلوم تھا کہ ائمۂ ممدوحین کے داعیون کو بھی یہ رتبہ حاصل ہے کہ مسلمان جب تک اُن کو نہ مانین اور اُن کے کہنے پر عمل نہ کرین ناجی نہین ہو سکتے۔ نہ انکی توحید مقبول ہو سکتی ہے نہ رسالت نہ امامت۔ اور کلمۂ توحید اُنکے مُنہ پر اُلٹا مارا جائے گا۔ اب پتہ لگا کہ ہفتگانۂ ہفتم کے ساتوین اسماعیلی امام کا پتہ مل گیا اور اُنکے داعی مولانا محمد برہان الدین تھے۔ جن کے فرزند ابو محمد طاہر سیف الدین نے تمام اسماعیلی بوہرون کو ایک نئی تبلیغ فرمائی ہے۔ افسوس اُنھون نے یہ نہین بتایا کہ ہفتگانۂ ہفتم کے ساتوین امام کون بزرگ ہین۔ کہان تشریف رکھتے ہین اور اُن کا نام کیا ہے۔ اور اگر امامت مخفی ہے تو پھر مولانا برہان الدین کو وہ مخفی امام جو اسبوعِ ہفتم کے ساتوین ہین کہان ملے۔ کیونکر ملے۔ کس ثبوت اور کس شہادت سے انھون نے انکو اپنا داعی مطلق مقرر فرمایا۔ اور یہان تک آزادی دیدی کہ ساری دنیا کے مسلمانون کو کافر بنا دین۔ اور کہدین کہ بغیر اُن کی دعوت ماننے کسی کا کلمۂ توحید قبول نہ ہوگا۔

ہم کسی کے عقائد پر اعتراض کرنا پسند نہین کرتے۔ مگر پھر بھی اسکو گوارا نہین کر سکتے کہ کوئی بزرگ اپنی فضیلت منوانے مین ساری دنیا کی دل آزاری کرنے لگین۔ مسلمانون کی ناراضی یون بھی بجا ہے اور سارے ہندوستان کے مسلمانون کو بیشک ادھر توجہ کرنی چاہیے۔ ہم اتنا ضرور کہین گے کہ اس تعلیم و ترقی کے زمانے مین جبکہ تمام جماعتین تعصبات کو گھٹا کے اسلام کے مختلف فرقون کو ایک جماعت مین ملانا چاہتی ہین جبکہ سارے ہندوستان کے مسلمان

بے عام اس سے کہ شیعہ ہون یا سُنی یا اسماعیلی سرآغاخان کو بے عذر اپنا دنیوی لیڈر مان لیا۔ اور ہر طرف سے دوستی و اتحاد کے لیے سب کے ہاتھ اور ہاتھون کے ساتھ دل باہم مل رہے ہین۔ ایسے وقت مین مولانا ابومحمد طاہر سیف الدین صاحب کو کیا ضرورت پیش آئی کہ اپنے پیروون مین ایک ایسی تحریک فرمائین جو تعصب کو بڑھانے اور باہم تفرقہ ڈال کے ساری دنیا کے شیعون اور سنیون کی دلشکنی کرنے والی ہے۔ مسلمانون مین تحریک شروع ہوئی ہے کہ اُن کی اس متعصبانہ تبلیغ کے خلاف قانونی چارہ جوئی کی جائے۔ ضرور کی جائے۔ مگر زیادہ اچھا ہو اگر مقتدایان ملت ناجیہ وسیع الخیالی کی بنا پر ایک مذہبی کانفرنس قائم کرکے تعصب کی بنیاد کو منہدم کر دین۔ اور باہم ایک قرارداد ہو جائے کہ ہر فرقہ کے مقتدا باہمی جھگڑون سے دست بردار ہو کر اپنے پیروون کو فقط ایسی باتین بتایا کرین جو خداپرستی و عبادت اور اپنی فقہ و شرع کا پابند بنانے تک محدود ہون۔ اور ایک دوسرے میں تفرقہ ڈالنے اور رنجشین پیدا کرنے کے عوض اتحاد و یکجہتی پیدا کرنے والی ہون۔ اُمید ہے کہ یہ نئے اور انوکھے داعی ابومحمد طاہر اور اُن کے پیرو بوہرے بھی ہماری اس التجا کو غور سے سُنین گے۔

افریقہ مین مسلمانون کی کامیابی

مسلمانون کی عجیب و غریب فتوحات مین ایک واقعہ یاد رکھنے کے قابل ہے جس نے افریقہ کو ہمیشہ کے لیے اُن کی قسمت مین لکھ دیا۔ اور وہان کے لوگ ایسے مسلمان ہوے کہ زمانہ ہزار کوشش کرے مگر وہ دین اسلام سے نہین پھر سکتے۔ اس سے قبل یونانی فرمان روایان قسطنطنیہ نے افریقہ کی قومون کو عیسائی بنا کے اپنا مطیع کر لیا تھا۔ اگرچہ شام اور ایشیا مائنر کی لڑائیون مین مسلمانون نے ہرقلوس شاہنشاہ روم کو ضعیف اور پاشکستہ کر دیا تھا۔ اور اُس مین اتنی قوت نہین باقی رہنے دی تھی کہ کبھی اسلام کے مقابلہ کا خیال بھی کر سکے۔ لیکن وسط افریقہ کی بربری قومون ہنوز یونان اور دین مسیحی کا اثر پڑا

ہوا تھا - گو قیصر نے اُن کی اعانت نہین لی، بلکہ یون کہنا چاہیے کہ نہ کر سکا - مگر وہان کی قومون نے بے ضابطگی ہی کے جوش سے خلفا کی مزاحمت مین ایک آخری کوشش دکھا دی - اور اُس کوشش مین ایک حد تک انھین کامیابی ہوئی -

لیکن اس واقعہ کے شروع ہونے سے پہلے ذرا اُس عہد کی ایک مختصر سی تصویر تو دیکھ لیجیے - اسلامی بہادری کے شباب و عروج کا زمانہ ہے - عرب سپہ سالارون نے ساری دنیا کو مطیع کر لیا - جناب رسالت کے صحبت یافتہ لوگون مین جو بڈھے زندہ ہین وہ خوب خوب جان فشانیان دکھا کے اپنے نام کو چار دانگ عالم مین مشہور کر چکے اور اب خانۂ کعبہ یا جوار رسولؐ مین بیٹھ کے یادِ الٰہی مین مشغول ہین - جن نوجوانون کے سینے مین حرارتِ دین کی نئی آگ شعلہ زن ہوئی ہے انھون نے ترقی اسلام کا جھنڈا اپنے کندھون پر رکھا ہے اور ڈھونڈتے پھرتے ہین کہ کوئی موقع ملے جہان جان بازی کا امتحان دے کے مستحق ثواب ہون مگر نہین ملتا - آباد دنیا پر علم اسلام لہرا رہا ہے - ہان غیر آباد اور وحشیون سے بھری ہوئی چند سرزمینین نظر آتی ہین - جن کی طرف وہ وطن کی خوبیان اور مہذب دنیا کی لذتین اور سوسائٹیان چھوڑ چھوڑ کے جاتے ہین کہ اور کہین نہین تو یہین سہی - ہاتھ پاؤن سے مشق سپہگری تو نہ چھوٹے اور دل مین جوش جہاد تو نہ پھیکا پڑے - دمشق کے تختِ خلافت پر بنی اُمیہ مین کا با جبروت خلیفہ عبدالملک بن مروان جلوہ آرا ہے - اور اُس کی اولوالعزمیان دنیاے اسلام کو ہر روز ایک نئی فتح کی خوشخبری سناتی ہین -

طرابلس واقع افریقہ کی لڑائی مین مقتداے نصاریٰ گرگوری کو شکست ہو چکی ہے - اُس کی بہادر، نازنین، اور ذی علم لڑکی اپنے باپ کے قاتل عبداللہ بن زبیر کے پہلو کو آباد کر رہی ہے - اور نا کامیابیون کے بعد افریقہ و بربر کے صحرانشینون نے رومیون کی کمک سے نا امید ہو کر اپنی آزادی بچانے کی خود اپنی قوت کے بھروسے پر ایک جدید کوشش کیونکر کی سو سنیے -

افریقیہ مین ان دنون ایک عورت تھی جو دعوے نبوت کرتی تھی - نبوت کا دعوے ہو یا نہ ہو مگر اتنا ضرور تھا کہ غیب کی باتین بتاتی تھی - اور معجزنما پیشینگوئیون کا ادعا تھا - اُس عورت کا نام مورخین کاہنہ بتاتے ہین - اب خدا جانے یہ نام ہے یا نبوت کا اضافی لقب - خیر کچھ ہو وہ قدیم بت پرستی کی پابند تھی اور تمام بربر کے وحشیون کو اپنی طرف سمیٹ کے اُس نے مقابلہ کا جھنڈا بلند کیا - وہ وحشی جو ادھر اُدھر منتشر تھے اور ایک بیضا بطگی کے عالم مین مارے مارے پھرتے تھے اُنھیں اُس نے ایک باضابطہ فوج مین مرتب کیا - اور مقابلہ کے لیے آگے بڑھی - کاہنہ کوئی معمولی عورت نہ تھی بلکہ اصل مین وہان کی ایک ملکہ تھی - حسن والی افریقیہ کی فوجون سے مقابلہ ہوا - اور ایسی شکست مسلمانون کو ہوئی کہ بقول گبن کے ایک صدی کی فتوحات پر پانی پھر گیا - عربی سردارون نے مجبوراً افریقیہ کو چھوڑ دیا اور پلیٹ کے مصر کے حدود مین آگئے -

اس فتح نے کاہنہ کا درجہ اور دماغ بہت بلند کر دیا - مگر ادعاے معجزات نے بی کاہنہ کو کچھ ایسی عجیب و غریب پالسی سکھا دی تھی کہ مسلمانون کی اس شکست پر کچھ مسلمان ہی نہین افسوس کرتے ہین بلکہ عیسائیون اور دنیا کی تمام مہذب قومون کو رونا پڑتا ہے - بی کاہنہ نے تمام سرداران عراغنہ و بربر کو فراہم کیا اور اُنکے سامنے ان الفاظ مین اپنی عجیب و غریب وحشیانہ پالیسی ظاہر کی "ہمارے شہرون مین جو سونا چاندی ہے اُسی کی طمع مین ہمیشہ اہل عرب ہتھیار باندھ باندھ کے آیا کرتے ہین - مگر ہمارا حوصلہ کچھ ان ذلیل چیزون کے لیے نہین ہے - ہم روے زمین کی سادی اور معمولی پیداوار ہی مین خوش ہین - آؤ - ان سب شہرون کو مسمار کر دین اور ان تمام دولتمندی کے خزانون کو اُن مسمار شدہ شہرون کے کھنڈرون اور ویرانون مین توپ کے ضائع کر دین - جب ہمارے دشمنون کو اپنی طمع مین سوا مفلسی اور لاچاری کے اور کچھ نہ نظر آئے گا تو قطعاً اپنا سر مار کے چلے جائین گے اور ہماری جنگجو قوم کے اطمینان مین خلل انداز نہ ہون گے " اس تجویز پر ہر چہار طرف سے صداے تحسین و آفرین بلند ہوئی اور بڑے جوش و خروش سے یہ امر منظور کیا گیا -

اس کی تعمیل عجب جاہلانہ اور ہیبت ناک طریقے سے ہوئی۔ طنجہ سے (جو افریقیہ کی انتہائے ارض مغرب میں واقع ہے) طرابلس تک کل عمارتیں منہدم اور مسمار کر دی گئیں۔ کوئی گھر ایسا نہ تھا جو بچ رہا ہو۔ حتیٰ کہ قلعے بھی توڑ پھوڑ کے برابر کر دیے گئے۔ وہاں سے یہاں تک جتنے پھلدار درخت تھے سب کاٹ کے گرا دیے گئے۔ الغرض پیداوار کے جتنے ذریعے تھے ان عقلمندوں کے ہاتھوں سب نذر ہو گئے۔ مختصر یہ کہ جو سرزمین تر و تازہ اور شاداب باغ کی حیثیت رکھتی تھی ایک لق و دق صحرا بنا دی گئی۔ اور مصر پچھلے مورخوں کو اکثر اُن لوگوں کی حماقت اور اُس عہد کی تباہی و بربادی کے مٹے مٹے آثار آج بھی نظر نظر آتے ہیں۔ اور حسرت کا سماں دیکھ کے متاثر ہو جانے والے آج بھی وہاں جا کے دو آنسو بہا آتے ہیں۔ افریقیہ کے یہ بلاد جو سواحل بحر روم پر واقع ہیں۔ اصل میں نہایت ہی زرخیز اور سرسبز و شاداب واقع ہوئے ہیں۔ اُن کی دولتمندی کی اُن دنوں شہرت تھی۔ مگر کاہنہ کے ہاتھوں وہ ملک تباہ و برباد ہو گیا اور ایسا تباہ ہوا کہ زمانے نے اتنے دنوں میں بہت سے چکر کھائے۔ مسلمان قومیں بارہ سو برس کے بعد منسیت ہونے لگیں۔ اور بر اعظم افریقیہ کے گرد دول یورپ کے جہاز چکر لگانے لگے۔ مگر اُس عہد کی تباہیاں آج بھی اُسی طرح نمودار ہیں۔

انگریزی مورخین اعتراض کرتے ہیں کہ اہل اسلام کو چونکہ خلاف عقل باتوں سے اُنس ہے لہٰذا انھوں نے کاہنہ کو بھی ایسا الزام دے دیا۔ وہ کہتے ہیں کہ اس سے تین سو برس پہلے جو تباہی ونڈال وغیرہ قوموں کے ہاتھوں سلطنت روم کو اور نیز اُس کے ماتحت ممالک کو نصیب ہوئی تھی اُس میں کاہنہ کی پالیسی نے شاید کچھ اضافہ کر دیا ہوگا۔ مگر یہ نہیں قیاس میں آتا کہ اُس نے سارا ملک کیونکر تباہ و برباد کر دیا۔ مگر ہمارے نزدیک مسلمان مورخوں کا بیان اتنا حیرت انگیز نہیں ہے جتنا کہ ان پچھلے اصحاب الرائے مورخین یورپ کا انکار حیرت انگیز ہے۔ مسلمان اس سے بہت پہلے سرزمین افریقیہ کے مالک ہو چکے تھے۔ انھوں نے طرابلس میں گریگوری اور اُس کی بیٹی کی فوجوں کو شکست دی تھی۔ اور اُن کا نامور سردار عقبہ بن نافع مراغہ کی سرزمین سے طے کر کے افریقیہ

کے مغربی سواحل پر جا کھڑا ہوا تھا۔ جہان اُس نے سمندر مین گھوڑا ڈال دیا تھا اور درگاہِ جناب باری مین بکمال خلوص و جوش عرض کیا تھا کہ ”بارالہا اگر یہ سمندر سدِراہ نہ ہوتا تو جہان تک زمین ملتی مین تیرے مبارک نام یونہین اعلان کرتا چلا جاتا“۔ بہرحال کاہنہ کے قبضے مین آنے سے پہلے مسلمان افریقہ کو دیکھ چکے تھے۔ کیا اُنھون نے نہ دیکھا ہوگا کہ سارا افریقہ پیشتر ہی سے تباہ و ویران پڑا ہے۔ اور جب دیکھا تھا تو پھر اُنھون نے جان بوجھ کے کاہنہ کو کیون ملزم ٹھیرا دیا تھا۔ اگر زبردستی ہی الزام دینا تھا تو اُنکی تاریخون مین ایسا الزام اور کو کیون نہ دیا گیا؟ ہم یہ نہین سمجھتے کہ مسلمانون کے ہاتھ سے محفوظ رکھنے کے لیے مُلک کا ویران کر دینا بعید از قیاس ہی کیون ہے۔ دنیا کی تاریخ جاننے والون نے بارہا دیکھا ہوگا کہ اکثر فرمان روأن نے حریف کے ہاتھ سے بچانے یا اُسکے فائدہ مند نہ ہونے کی غرض سے اکثر شہر مسمار کر دیے۔ اور وحشی قومون کا تو یہ عام دستور ہے۔ وندال اور گالیا والون نے کاہنہ سے پہلے ملکون کو تباہ و برباد کیا۔ تباہ کر دینا کوئی ایسا امر نہین ہے جو ایک شریر انسانی نیچر کے خلاف ہو۔ ہماری غرض اس تحریر سے یہ بتانا ہے کہ عیسائی مورخین اپنے قیاسی محاکمون پر تاریخ کو اور خصوصاً غیر قوم کی تاریخ کو کیسا اُلٹ پلٹ کر دیا کرتے ہین۔

الغرض کاہنہ نے چند روز کی حکومت مین اپنی صدیون تک نہ مٹنے والی اور ہر دردمند کو رُلانے والی یادگارین بخوبی تکمیل کو نہ پہونچائی تھین کہ حسن کے بعد موسیٰ والی مصر فوجین لیکے پہونچا اور عربی گھوڑے جوش و خروش کے ساتھ مغربی افریقہ کی طرف بڑھے۔ اس مین کوئی شک نہین کہ کاہنہ کی ان حرکتون نے اُسکی طرف سے عام ناراضی پیدا کر دی تھی۔ اُسکے ہمراہیون مین سے بھی وہ لوگ جو سوسائٹی اور تمدن کو پسند کرتے تھے حیران ہو گئے تھے۔ وہ شوق اور امید کی آنکھون سے کسی ایسی قوت کا انتظار دیکھ رہے تھے جو اُنکے مُلک کو ان تباہیون سے بچائے۔ اُنھون نے رومیون کی طرف نظر دوڑائی مگر اُدھر حوصلے پست تھے۔ اور مسلمانون کی دہشت سے رومیون اور یونانیون کو مدد کرنے کی جراٴت نہ ہوئی۔ آخر وہی لوگ پھر مشرق کی طرف سے بڑھے

اور مسلمانون سے سخت مقابلہ ہوا۔ لیکن بربر والون کو امتحان ہو گیا کہ مسلمانون نے افریقیہ کو چھوڑ دینے کے لیے نہین فتح کیا تھا۔ بربری اور مراغہ و اُلٹے پسپا ہو کے بھاگے۔ کاہنہ مسلمانون کے ہاتھ مین گرفتار ہوئی اور اپنے جرائم کی پاداش مین سپہ سالار عساکر اسلامیہ کے سامنے قتل کی گئی۔ اپنی ملکہ کی آخری تقدیر دیکھ کے وہ بھی جو اُس کے ہمدرد تھے صحارا اور ریگستانون مین منتشر ہو گئے۔ اور پھر کوئی قوت مسلمانون کے مقابلہ کو نہ آئی۔ جسکے بعد اُنھون نے مشرق سے مغرب تک تمام شمالی افریقیہ پر اپنا قبضہ کر لیا۔

اس فتح کی بہت شہرت ہوئی۔ مسلمانون نے تین لاکھ آدمی افریقیہ مین سے پکڑ کے غلام بنائے۔ جن مین سے ساٹھ ہزار غلام بطور مال خمس کے دار الخلافت دمشق مین بھیجے گئے۔ اس تعداد پر موجودہ زمانہ معترض ہوگا۔ لیکن مسلمان جن لوگون کو غلام بناتے تھے سوا اس کے کہ ایک آزادی تو اُن کے پاس نہ ہوتی تھی باقی تمام حیثیتون سے وہ نہایت خوشحال اور مطمئن رکھے جاتے تھے۔ اُن کی ذلت کا اظہار غلامون ہی کی وضع ولباس سے کیا جاتا تھا۔ علاوہ بریں روم و یونان والے درکنار مقدس مجاہدین دین عیسوی کا دامن بھی اُن دنون بلکہ اُس زمانہ کے بہت بعد تک اس اعتراض سے پاک نہ تھا۔ اور اصل یہ ہے کہ بردہ فروشی کی ممانعت نہ ہونا اگر کسی مذہب کو ملزم ٹھہرا سکتا ہے تو ہم کہ سکتے ہین کہ کوئی مذہب اس الزام سے بری نہین ہے۔ بلکہ بعض وجوہ کی بنا پر تو کہا جا سکتا ہے کہ صرف اسلام ہی محفوظ ہے۔

آبنائے افریقیہ مین سے جو لوگ غلام بنائے گئے اُن کے علاوہ تیس ہزار بربری نوجوانون کا نام اسلامی فوج کے رجسٹر مین درج کیا گیا۔ اور مجبور کیے گئے کہ ضرورت کے وقت علم اسلام کے نیچے کھڑے ہو کے دشمنون سے مقابلہ کرین۔

موسیٰ نے یہ بھی کوشش کی کہ تمام افریقیہ پر دین اسلام کا اثر پڑ جائے۔ چنانچہ کل افریقیہ والوان کو تعلیم قرآن دلانے کا سلسلہ شروع کیا۔ اور چند ہی روز مین اُن کو اس قابل بنا دیا کہ جناب رسالتمآب صلعم اور خلیفۂ وقت کے سچے اطاعت کیش ہون۔ وہ عموماً مسلمان ہو گئے۔ اور وضع و رفتار مین بالکل بدی

عرب بن گئے۔ مذہب کے ساتھ انکو اس فخر کے حاصل کرنے کا بھی شوق ہوا
کہ عربی زبان، عربی نام اور عربی اصول کو اختیار کرین۔ چند ہی روز مین
وہان کے باشندے اور فاتح مہمانون کا خون ایل جُل گیا اور یہ معلوم ہونے
لگا کہ گویا دریاے فرات سے لے کے بحر مغرب تک ایک ہی قوم ایک ہی
وضع اور ایک ہی خیال کی تمام صحارے ایشیا اور افریقہ مین آباد ہے۔
اور دنیا کی اتنی وسعت تک پھیلتی چلی گئی ہے۔ باوجود اس کے کہ افریقہ
والے گویا عرب ہو گئے تھے۔ مگر اس پر بھی عربون نے اس قدر اس ملک کی
بود و باش اختیار کی تھی کہ دریاے نیل کی ترائیون مین خالص عربی نسل کے
لوگون کے پچاس ہزار خیمے پڑے ہوے تھے۔

افریقہ والے عربون سے اس قدر ایل جُل گئے تھے یا عربی نسلین اسقدر
وہان کی قدیم رعایا پر غالب آگئی تھین کہ ایک ہی صدی کے بعد دارالخلافہ
اسلام مین یہ رپورٹ والیان افریقہ کی طرف سے پیش ہوئی کہ اب جتنے لوگ
ہین سب نسل عرب سے ہین اور کل مسلمان ہین لہذا جزیہ موقوف کیا جائے
کیونکہ یہان کوئی نہین جس پر جزیہ واجب الادا ہو۔

اسلام یورپ اور امریکہ مین

فی الحال ایک غیبی تائید سے خود بخود اسلام کا قدم اُن ممالک مین
جم گیا ہے جن مین اس سے پہلے کبھی توحید کی آواز نہین سُنی گئی تھی۔ ہمارے
فتوحات کی لہرین یورپ کے سواحل سے البتہ ٹکرائی تھین بلکہ بعض ممالک
یورپ نے ہمارے آگے سر اطاعت بھی جھکا دیا تھا لیکن اس مین شک نہین کہ
یورپ پر ہم اپنا اثر اُس قدر نہین ڈال سکے تھے جس قدر کہ ایشیا اور افریقہ
کی طرف ہم نے تبلیغ دین کے لیے توجہ کی تھی۔ امریکہ ایسا مقام ہے جسے اُس
وقت جبکہ ہم تبلیغ دین مین مصروف تھے کوئی جانتا بھی نہ تھا۔ ہر حال یہ دونو
ملک (پہلا توجزئیۃً اور دوسرا کلیۃً) دین الٰہی کی برکتون سے محروم تھے۔
انقلاب زمانہ جو ہر قوم کو عشرت کے آسمان پر چڑھا کے ہمیشہ تحت الثرے

پھینک دیا کرتا ہے۔ اُس نے اپنی رفتار کے مطابق جب ہمیں بھی ہوا و ہوس کا بندہ دیکھ کے تحت الثرے میں پھینکا تو یہ حالت ہوئی کہ دوسروں کو سمجھانا کیسا ہم کو خود اپنا ہی سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ اور ایسی بداخلاقیاں اور جہالتیں ہم میں پیدا ہو گئیں کہ بالکل گئے گذرے ہوے۔ اور ایسے ہو گئے کہ نہ دین ہی کے کام کے رہے اور نہ دنیا کے۔ ایسی حالت میں سچ پوچھیے تو اسلام بالکل بے بس و بیکس تھا۔

لیکن اس سے زیادہ حقیت اسلام کی کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ جب خدا نے ہمیں بیکار دیکھا تو خود اپنے دین کی مدد پر آمادہ ہو گیا۔ اُس نے ہم کو ہماری ہی حالت میں چھوڑا اس لیے کہ اُسے قیامت کے دن ہم سے بہت کچھ بازپرس کرنا تھی۔ اور اپنے پاک اور اطمینان بخش الہام کو چند ایسے لوگوں کے دل میں بھیجا جو یورپ و امریکہ کے رہنے والے، وہاں کے مذاق سے واقف، وہاں کی خو بو سے خبردار اور اُن ممالک میں تبلیغ اسلام کے لیے ہر متنفس سے زیادہ مناسب ہیں۔ اور جس طرح عرب کے جاہلوں کی ہدایت کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا جو اُنھیں لوگوں کے ہمقوم اور اُنھیں کے ہم مذاق تھے اُسی طرح خدا نے یورپ کی ہدایت کے لیے مسٹر کوئیلیم اور امریکہ والوں کی رہبری کے لیے مسٹر الگزنڈر وب کو پیدا کیا۔ اور بالکل وہی ہوا جو خداوند جل و علا نے اپنے کلام پاک میں فرمایا ہے کہ "ہم نے تمھیں میں سے ایک رسول تمھارے پاس بھیجا"۔

بے شک ہمارے لیے یہ تھوڑی عبرت کا معاملہ نہ تھا کہ باوجود مسلمان ہونے کے خدا نے یہ دینی کام لینے کے لیے ہم میں سے کسی کو منتخب نہیں کیا۔ اور اس نعمت سے ہم یوں محروم رکھے گئے۔ اور اس عبرت کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے تھا کہ ہم اپنے گناہوں سے توبہ کرتے، اپنے اخلاق کو درست کرتے، اور جہاں تک امکان میں ہوتا اُن خدا کے بھیجے ہوے فرشتوں کی اعانت و قدر کرتے جو کوئیلیم اور وِب کے نام سے یورپ و امریکہ میں ظاہر ہوے ہیں۔ لیکن نہیں ہم کو اب بھی عبرت نہیں ہوتی۔ اور آج تک گویا ہم یہ سمجھے ہی نہیں کہ قدرت نے دیکھ

کام مین ہماری طرف سے کتنی بڑی بے پروائی کی۔ اور خدا نے کس وضاحت کے ساتھ بتا دیا کہ ہم کتنے بڑے موردِ غضب ہین۔

لیکن نہین ہماری بداعمالی اس حد سے بھی زیادہ گذری ہوئی تھی کہ ایسے عبرتناک موقع پر ہم صرف سکوت ہی کیے بیٹھے رہتے۔ یا ہم سے فقط بے حسی اور لاپروائی ہی ظاہر ہوتی۔ نہین ہم اُن معصومون کو بُرا بھلا بھی کہ رہے ہین جو تمام گذشتہ گناہون سے توبہ کرکے ابھی پاک وصاف ہوے ہین۔ اور جن پر تہمت لگانا صرف گناہ گار ہونا ہی نہین ہے بلکہ خدا کی ناشکری کرنا ہے۔ اور کافر کے لغوی معنون مین شامل ہو جانا ہے۔

واقعی ہم سے زیادہ بدتر شاید کوئی قوم نہ ہو گی۔ ابھی چند روز ہوے الگزنڈر وب حیدرآباد مین تھے۔ ایک لامذہب شخص نے اُن سے ملکر کہا "آپ مسلمان تو ہوے ہین، لیکن اگر یہان کے مسلمانون کی حالت دیکھین گے تو آپ دینِ اسلام کو بُرا کہنے لگین گے"۔ الگزنڈر وب نے نہایت معقول جواب جواب دیا جو درحقیقت آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ اُنھون نے کہا "مین مسلمانون کو دیکھ کے مسلمان نہین ہوا ہون۔ بلکہ مین اسلام کو دیکھ کر مسلمان ہوا ہون"۔

ہماری طرح سے مسٹر وب کے اس جواب کی داد دینے کو تو غالباً سب ہی موجود ہو جائین گے۔ لیکن اس پر غور کرنے والا اور عبرت حاصل کرنے والا شاید کوئی نہ نکلے گا کہ سوال کرنے والے نے کتنی سچی اور پتہ کی بات کہی تھی۔ کیا کوئی کہ سکتا ہے کہ اُس لامذہب کا یہ حملہ کسی اعتبار سے غلط ہے؟ یا اس مین کوئی متعصبانہ مبالغہ ہے؟ ہرگز نہین کہ سکتا بے شک ہم ایسے ہین کہ ہم کو دیکھ کے مسلمان ہونا درکنار لوگ اور اُلٹے مرتد ہو جائین تو تعجب نہین۔

عرصہ سے ہندوستان مین مسلمان کوشش کر رہے تھے کہ کسی واعظ کو تبلیغ دین کے لیے انگلستان روانہ کرین جو انگریزی مین اس فصاحت سے دینِ الٰہی کی منادی کرے کہ وہان کے لوگ اسلام کی حقیقت کو سمجھین اور اُن کے دل پر اُس کے پند ونصایح کا اثر ہو۔ باوجودیکہ اس بارے مین

بہت جستجو کی گئی مگر آخرالامر یہی ثابت ہوا کہ یہان کے مسلمانون مین ابھی کوئی اسکی صلاحیت نہین رکھتا - اور یقین ہو گیا کہ سو برس کی تعلیم کے بعد ایسے مسلمان پیدا ہون تو ہون ابھی کوئی نہین ہے - اس وقت کو خدا نے یکبایک یون رفع کر دیا کہ اچھے تعلیم یافتہ اور خوب سوچ سمجھ کے ایمان لانے والے اور ہم سے بدرجہا زیادہ پرجوش مسلمان اُنھین کی قوم مین پیدا کر دیے جو اُنکی خو بو سے واقف ہین اُن کے مذاق سے خبردار ہین - اور وہان تبلیغ دین کے لیے تمام دنیا کے واعظون سے اچھے ہو سکتے ہین - شرم کی بات ہے کہ قدر کرنا درکنار ہم اسلٹے اُنکی آزاردہی پر آمادہ ہو جائین -

اس بارۂ خاص مین سب سے زیادہ جہالت اور نالایقی کا اظہار مدراس مین ہوا - سنا جاتا ہے کہ مسٹر وِب مدراس والون کے حسب الطلب جب مدراس گئے تو صرف اتنی بات پر کہ مسٹر وِب نے اذان سنتے وقت موذن کی زبان سے " اشھد ان محمد رسول اللہ" سُن کے انگوٹھے نہین چومے تھے - اُنکو دغاباز - مکار - سب ہی کچھ سمجھ لیا گیا - اور سخت ناراضی ظاہر کی گئی - ہم اس موقع پر کوئی فقہی بحث نہین چھیڑنا چاہتے ورنہ یہ بھی پوچھتے کہ انگوٹھون کا چومنا ہے کیسا - اور اسکا ثبوت کہان سے ہے - لیکن اتنا کہنے پر مجبور ہین کہ اس سے زیادہ جہالت شاید کسی قوم سے نہ ظاہر ہوگی جیسی کہ مسٹر وِب کے مقابلہ مین مدراسیون سے ظاہر ہوئی - مسٹر وِب جو ابھی نئے مسلمان ہوے ہین - جنکو توحید و رسالت کے اہم مسائل کے سوا اور کسی طرف توجہ کرنے کا ابھی موقع نہین ملا ہے - جو اپنی زبان کے سوا عربی - فارسی - ترکی - اردو کسی ایسی زبان سے واقف نہین ہین جس مین مسائل دینی لکھے ہوے ہین اور جو دراصل ہنوز کسی جزئی مسئلہ کی پابندی کے مکلف ہی نہین ہین - اُن پر اعتراض بھی کیا گیا تو کس مسئلہ کا جو خود اہل سنت مین انتہا سے زیادہ مختلف فیہ ہے -

اگر ایسا ہی اسلام یورپ مین پھیلاتا ہے کہ تثلیث کے ابطال سے پہلے وہابی، بدعتی، یا سُنی شیعہ کے مسائل چھیڑ جائین تو ہمارے نزدیک شاید وہ اب بمقابلہ اُس حالت کے اچھے ہین جس کی طرف بلائے جاتے ہین -

ہم تو یہ خیال کرتے ہین کہ مسٹر ویب اور مسٹر کوئیلیم کا اسلام ہمارے اسلام سے بدرجہا اچھا اور بالکل وہ خالص اور ٹھیٹھ اسلام ہے جس کی طرف تیرہ سو برس ہوے ہمارے پیغمبر (روحی فداہ) نے اہل عرب کو بُلایا تھا۔ وہ جانتے ہین کہ خدا ایک ہے۔ وحدہٗ لاشریک ہے۔ اُس کے کوئی بیٹا نہین۔ تثلیث باطل ہے۔ شرک بڑا بھاری گناہ ہے۔ قرآن کلام الٰہی ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اُسی طرح پیغمبر برحق ہین جس طرح تمام انبیاے سلف تھے۔ آپ خاتم الرسل ہین۔ اور گو آپ بعد آئے مگر بلحاظ اغراض نبوت آپ کی شان سب سے بڑھی ہوئی ہے۔ یہی اعتقادات ہین جن کی طرف آن حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام ساری دنیا کو بُلا رہے تھے۔ اور یہی اعتقادات ہین جن پر مسٹر کوئیلیم اور مسٹر ویب ایمان لائے ہین۔ اور جن کی طرف اپنے ہم وطنون کو بُلا رہے ہین۔ جن لوگون نے قرآن پاک کو سوچ سمجھ کے پڑھا ہے وہ جانتے ہین کہ اسلام کا مقصود سوا اسکے کہ شرک کی بیخ کنی ہو جائے اور کچھ نہ تھا۔ نہ کوئی شرک کی رسم رہے نہ کوئی شرک کا شائبہ باقی رہے۔ حتیٰ کہ مسلمانون کے حرکات وسکنات سے بھی توحید کی شان نمایان ہو۔ دیکھو قرآن مین اول سے آخر تک ہر مقام پر صرف شرک کی مخالفت ہے۔ اگر قصے ہین تو اُن کا نتیجہ بھی یہی نکلتا ہے۔ اگر مسائل ہین تو اسی قسم کے۔ مگر افسوس کہ ہم نے اسلام کی غرض شاید توحید کے سوا کسی اور چیز کو سمجھ لیا ہے۔

آن حضرت صلعم کے مبارک عہد مین نہ خلافت کے جھگڑے تھے نہ ابو بکر و علی کی پارٹیان تھین۔ نہ اُن مین سے کسی کی بے انتہا تعریف کی جاتی تھی نہ کسی کو گالیان دی جاتی تھین۔ نہ فقہاے اربعہ کی فقہ تھی۔ نہ محدثین کی کتب حدیث۔ نہ شیعہ تھے نہ سنی۔ نہ معتزلہ تھے نہ اشاعرہ۔ نہ وہابی تھے نہ بدعتی۔ ایک سیدھا سادہ اسلام تھا۔ جس مین چون وچرا کی بہت کم گنجایش تھی۔ یہی اسلام تھا جو آنحضرتؐ کے مبارک زمانہ مین تھا۔ اور یہی اسلام ہے جو اب مسٹر کوئیلیم اور مسٹر ویب کے دلون مین القا ہوا ہے۔ جو اسلام ان لوگون مین شروع ہوا ہے اُس کا دامن اُن دھبون سے بالکل پاک وصاف ہے

جو ہماری نالائقیون کی وجہ سے ان گذشتہ تیرہ سو برس کے اندر دامن اسلام پر لگائے گئے۔ عبرت کا مقام ہے کہ اپنی اصلاح درکنار ہم چاہتے ہین کہ اپنی طرح اُن لوگون کو بھی اُنھین فساد انگیز جھگڑون مین ڈال کے مبتلا کر دین۔ ہم کو تو چاہیے تھا کہ ان لوگون کی مثال کو دیکھ کے اور اپنی اصلاح کرتے۔ نہ کہ اپنے ساتھ اُنکے بھی خراب کرنے کی کوشش کرین۔

سب سے زیادہ لوگون کو اس امر مین چندہ کا ذکر ناگوار ہوتا ہے۔ یہ آواز ابتداءً کئی بار سرسید کے گروہ سے سُنی گئی تھی، لیکن جہان تک دریافت کرنے کا موقع ملا یہ معلوم ہوا کہ خود سرسید کو تازہ مسلمانان یورپ وامریکہ کے ایمان مین تو کوئی شک نہین مگر ہان اُن کا خیال کسی مصلحت سے یہ البتہ ہے کہ کہ مسلمانان ہند کو پہلے روپیہ اپنے ہی اصلاح مین صرف کرنا چاہیے۔ اور اُنکا یہ کہنا اُنکے لیے کسی حد تک زیبا بھی ہے۔ کیونکہ اُنھون نے ایک بہت بڑے کام کو اپنے ذمہ لیا ہے اور در اصل وہی ایک کام کر سکے ہین جسکو قوم کی تاریخ مین ایک وقعت کے ساتھ جگہ دی جا سکے۔ اور اس بنا پر اگر وہ اپنے معاملہ مین خود غرضی کرین تو اُنکا حق ہے۔ اس مین کوئی شک نہین کہ اُن کا شمار اُن لوگون مین ہے جو خود قوم سے روپیہ کے طالب ہین۔ اور یہ عام قاعدہ ہے کہ ایک مانگنے والا یہی کہے گا کہ جو کچھ ہو ہمین کو دو اور ہم سے زیادہ کوئی مستحق نہین۔ مگر وہ لوگ جو روپیہ کے دینے والے ہین وہ بجائے خود خیال کر سکتے ہین کہ مسلمان سب بھائی ہین اور سب کی اعانت ایک ذی استطاعت پر فرض ہے۔ ان تمام فرائض مین سے جو جس فرض کو پورا کر دے سمجھنا چاہیے کہ اُس نے اپنا قومی یا دینی حق ادا کیا۔ اور اگر قیاسات کی بنا پر ترجیح کی بحث کی جائے تو ہمکو یہ کہنے کا موقع ملے گا کہ ہمارے نزدیک تو سب سے پہلے ہمین کو اُن مسلمانان یورپ کی مدد کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ ہمارے نزدیک کرٹیڈ (انقلاب دولت کی مار کھائے ہوے) مسلمانان ہند سے ترقی کی کبھی امید نہین کی جا سکتی۔ اگر اب اسلام ترقی کر سکتا ہے تو اُسی وقت جبکہ جدید تعلیم یافتہ قومین علم اسلام کندھے پر رکھ کے علمی جہاد شروع کرین۔ لہذا جسکو جو کچھ دینا ہو اُنھین لوگون کو

دے۔ اور اپنے لیے کوئی کوشش کرنا تو ایک لاعلاج مرض کا علاج کرنا ہے۔
شاید بعض حضرات کو ہمارا یہ خیال ناگوار ہو۔ مگر کیا کرین۔ مجبوری ہمین اپنی اصلی
رائے ظاہر کرنے پر مجبور کیے دیتی ہے۔ ابھی چند روز ہوے معزز لوکل معاصر تجارت
کے کالمون مین کئی مراسلے اسی شکایت مین شائع ہوے تھے کہ مسلمان کیون
ایسی بے وقوفی کر رہے ہین جو اپنا روپیہ لیورپول یا امریکہ والون کو دے
رہے ہین۔ اُن مضامین مین بہت کوشش کی گئی تھی کہ مسلمان اُس آواز کو
سُنین اور اپنی ایسی دیندارانہ فیاضیون سے ہاتھ روکین۔ ہم پوچھتے ہین
کہ مسلمانون نے لیورپول والون کو دے ہی کیا دیا جس پر یون لُٹ جانے کی
دوہائی مچائی گئی۔ تمام روپیہ جو برس بھر کی کوشش سے فراہم ہوا اُسکی تعداد
دس ہزار سے زیادہ نہ ہوگی۔ پھر اگر پانچ کرور آدمیون نے دس بارہ ہزار
روپئے دیے دیے تو کون بڑی فیاضی کی۔ یہ وہی ہندوستان ہے جو لاکھون
روپیہ چندۂ مجروحان روم اور نہر زبیدہ کی مرمت مین دے چکا ہے۔ کیا
اشاعتِ اسلام کا کام اُن کامون سے بھی ادنیٰ ہے؟ یہ بات کسی طرح سمجھ
مین نہین آسکتی کہ اُن چند دن کے وقت ہندوستان کی مفلسی اور
مصائب کا دُکھڑا کیون نہ رویا گیا۔ اگر آپ نے دس بارہ ہزار روپیہ دے بھی
دیا تو اُن کا کون سا کام نکل گیا۔ بیچارے نے جن اغراض کے لیے کمر ہمت
باندھی ہے اُن کو ابھی تک استقلال کے ساتھ اور اپنی آرزو کے موافق شروع
بھی نہین کر سکے۔ اور کیونکر شروع کر سکتے ہین یورپ مین کسی اہم کام کا چھیڑنا
کوئی معمولی بات نہین ہے۔ وہان ایشیا کی طرح کوئی کام تھوڑے سرمایہ سے
نہین چل سکتا۔

الکزنڈر وب نے ان دنون سارے ہندوستان کا دورہ کیا اور قریب
قریب کل بڑے شہرون مین جا کے اپنے اغراض مسلمانون کے سامنے بیان
کیے۔ اُنھون نے ایک خاص دینی غرض کے لیے اسّی ہزار روپیہ کی ضرورت
بیان کی تھی۔ آج تک اُمید نہین کہ اس رقم کی فراہمی کی صورت بھی پیدا
ہوئی ہو۔ اور پھر اُنھون نے اس کام مین بعض متعصب یوروپین حکام کے

ہاتھوں جو سختیاں برداشت کین وہ اس ناکامی کے علاوہ ہیں۔ الگزنڈر روب کو ہمنے دیکھا۔ ہم ہی نے نہین ہمارے ساتھ ہزاروں آدمیوں نے دیکھا۔ ہر طرح سے اُنکے خیالات اور ارادوں اور اُنکے عقائد اور نیت کی جانچ پڑتال کی۔ اور قطعی طور پر ہر شخص نے اپنا اطمینان کر لیا کہ ایسا آدمی ہرگز فریبی اور مکار نہین ہو سکتا۔ ہمارے دوست جنھوں نے غالباً ایک پیسہ بھی ان اغراض کے لیے اپنی جیب سے نہ دیا ہوگا اور صرف اوروں کی فیاضیوں کے روکنے کی کوشش کر رہے ہین۔ انکو کبھی اسپر غور کرنا تھا کہ ہندوستانی جو کچھ دے رہے ہین وہ صرف اپنے اسلام اور اپنی دینداری کے اظہار کے لیے۔ ورنہ جو کام ہونے والا ہے وہ اُنکے روکنے نہ رُکے گا۔ خدا نے جس طرح ان پاک نہاد لوگون کے دل مین اپنے الہام کے ذریعہ سے اسلام کا نور چمکایا اور تبلیغ دین کے واسطے ان غیبی فرشتون کو کھڑا کر دیا اُسی طرح وہ روپئے کا سرانجام بھی کر دے گا۔ جس کام کو خدا نے چاہا ہے وہ رُکنے والا نہین ہے۔ ہم قیاس کر سکتے ہین کہ یورپ و امریکہ مین اسلام پھیلانا خدا کی مرضی ہے۔ اس لیے کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ ایسے لوگون کو پیدا ہی نہ کرتا۔ مگر ہماری بے توجہی سے نہ تو اُن لوگون کا کچھ بگڑے گا اور نہ یہ کام رُکے گا۔ ہان البتہ یہ ثابت ہو جائیگا کہ ہم کیسے مسلمان ہین اور ہم کو اسلام سے کہان تک تعلق ہے۔ ہماری نالایقی کا اثر خود ہمین پر پڑے گا۔ اور ہمین اس جرم مین پکڑے جائین گے۔

کتنے بڑے افسوس کی بات ہے کہ نور افشان اور چند اُسی کے ایسے دیگر عیسائی اخبارون کے ساتھ چند مسلمان اخبار بھی اس امر مین اُن کے ہمزبان اور ہم مذاق نظر آئین اور اُنکے ہاتھوں بھی اسلام پر وہی ظلم ہو جو متعصب مسیحیون کے ہاتھوں ہو رہا ہے۔

ہمین اس مخالفت کے پردہ مین بعض پارٹی فیلنگ والے بھی نظر آتے ہین۔ ہم دیکھتے ہین کہ بعض غیر مقلد اس لیے اختلاف پہ جمے ہوے ہین کہ یہ نومسلم مقلد ہون گے۔ اسی طرح بعض حضرات شیعہ اس خیال مین ہین

کہ یہ لوگ سُنّی ہون گے۔ لیکن ہمین ایسے لوگون کی سمجھ پر نہین بلکہ مسلمانون مین ایسے لوگون کے موجود ہونے پر شرم آتی ہے۔ اول تو ابھی کون جان سکتا ہے کہ یورپ کے مسلمان کون ہون گے اور کس طریقہ کو پسند کرینگے۔ کیونکہ ابھی تک وہ ان مباحث مین پڑے ہی نہین۔ اور اگر بالفرض کسی فرقے مین ہون بھی تو کیا مضائقہ ہے۔ مسلمان تو ہون گے۔ اہل قبلہ مین تو اُن کا شمار ہو گا۔ توحید و رسالت پر تو ایمان رکھین گے۔ مگر افسوس تعصب نے ہمین اسلام کے اغراض اس قدر بھلا دیے ہین کہ ہم نے صرف فروعات کو ایمان سمجھ لیا ہے۔ ان لوگون کے نزدیک شاید نہ خدا پر ایمان لانا موجب نجات ہے۔ نہ رسولؐ پر ایمان لانا موجب نجات۔ انکے نزدیک اگر سُنّی ہین تو ابوبکر و عمر کی محبت۔ اگر شیعہ ہین تو علی کی ولایت اور امام حسین کی شہادت۔ اگر مقلد ہین تو ائمۂ اربعہ کی تقلید۔ اور اگر غیر مقلد ہین تو محدثین کی صرف زبانی تعریف۔ اگر بدعتی ہین تو قبرون کے آگے سجدہ کرنا۔ اور اگر وہابی ہین تو بزرگان دین کو گالیان دینا۔ یہ ہے وہ اسلام جس کی طرف ہمارا ہر فرق تازہ ایمان لانے والون کو بلاتا ہے۔ لیکن ہم تو یہ کہتے ہین کہ ان سب کے اسلام سے وہ اسلام اچھا اور پاک و صاف ہے جو مسٹر کوئیلیم اور مسٹر ویب کے دل مین ہے۔ خدا مسلمانان یورپ کو ان آفتون سے بچائے۔ اور اگر وہ بھی ان بلاؤن مین پھنسے تو پھر ترقی اسلام کی کوئی امید نہ باقی رہیگی۔

اسلام کی اصلی غرض توحید تھی۔ جو اول سے آخر تک قرآن پاک کی ہر آیت سے چھلکتی نظر آتی ہے۔ جب تک صحابہ صرف اس غرض کو پورا کر رہے تھے اور توحید کے سوا کوئی خیال اُنکے ذہن مین نہ جما تھا اسوقت تک خدا نے اُنکی ایسی مدد کی جو دنیا مین ہمیشہ یادگار رہے گی۔ لیکن مسلمانون نے ادھر اس غرض کو چھوڑا اور اُدھر خدا نے اپنا برکت اور اعانت کا ہاتھ اُنکی جماعت پر سے اُٹھا لیا۔ بعد والے مسلمانون کا کیا ذکر۔ ہم تو کہتے ہین کہ جس وقت علی اور معاویہ کی ہمدردی کے خیالات پیدا ہوے اُس وقت خدا نے خود صحابہ کی مدد کرنا چھوڑ دی۔ اور گویا اُسی وقت سے عمارت اسلام مین

زوال کی دیمک لگ گئی۔
اب تو اس بات کا زمانہ ہے کہ ان سب جھگڑون کو ہم چھوڑ دین اور اُس وحدہٗ لاشریک کی طرف توجہ کرین جو ہر مصیبت سے انسان کو نجات دلاتا ہے۔ کیونکہ بغیر اُس کی مدد کے کچھ نہین ہو سکتا۔

خاندانِ نبوت

انگلستان کے نامور اور مستند مورخ مسٹر گبن نے خاندانِ نبوت کی نسبت لکھا ہے کہ ایران کے شاہی خون سے ملا کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان معزز اور شریف بنایا گیا۔ اگرچہ ہم کو یہ بیان دیکھ کے یقین ہو گیا کہ باوجود ایک بہت بڑی اور عمدہ تاریخ لکھ دینے کے مسٹر گبن عرب کی طبائع کا بالکل اندازہ نہین کر سکے۔ لیکن سرزمین عرب کے حالات گبن نے جس تفصیل سے لکھے ہین اُنکے لحاظ سے یہ قیاس کرنا بھی مشکل ہے۔ کیونکر کہہ دیا جائے کہ اتنا بڑا مصنف اُسی ملک کی تاریخ سے اس درجہ ناواقف تھا جسکے حالات بیان کرنے مین اُس نے بہت کچھ تنقیح وتحقیق سے کام لیا ہے۔ درحقیقت ایسا خیال ناواقفیت یا لاعلمی کی وجہ سے نہین کیا گیا بلکہ اسکی بنا تعصب پر ہے۔ متعصبانہ خیالات کو تحقیق کے لباس مین ظاہر کرنا ایک فن ہے جس مین عیسائی مورخون اور خاصتہً انگریزون کو دنیا بھر کی قومون سے زیادہ کمال حاصل ہے۔
بیشک جو لوگ جاہلیت عرب کے حالات سے ناواقف ہین انکو مسٹر گبن کے اس قیاسی فیصلہ پر یقین آجائے گا۔ بلکہ کیا عجب اکثرون کے نزدیک یہ امر بھی گبن کی نکتہ رسی اور دقیقہ سنجی کا ایک اعلیٰ نمونہ خیال کیا جاتا ہو۔ اس لیے کہ بادی النظر مین اہل عرب بالکل وحشی وجاہل تھے اور صحرائی لٹیرون سے زیادہ وقعت نہ رکھتے تھے۔ ان مین وہ ذاتی شرافت کہان جسکو اپنی مفتوح شائستہ اور نامور قومون کے سامنے پیش کر کے وہ سرخروئی حاصل کرتے۔ لہذا کوئی تعجب نہین بلکہ بالکل قرین قیاس۔ اگر یہ کہا جائے کہ اُنھون نے اس تدبیر سے خاندان نبوت مین شرافت پیدا کرنے کی کوشش کی۔

ہم چاہتے ہین کہ اس بحث کو تفصیل کے ساتھ لکھین تاکہ لوگون کو عام طور پر معلوم ہو جائے کہ یہ کوئی تاریخی تحقیق نہین بلکہ اسلام پر ایک نہایت ہی متعصبانہ اور شرمناک حملہ ہے۔ بیشک ہم اُس طلسم کو توڑ دین گے جسے مسٹر گبن نے قائم کیا ہے۔ گبن کے بعد عموماً یہ خیال انگریزی مورخون کے نزدیک طے شدہ مسئلہ ہو گیا ہے۔ ہم پہلے وہ واقعہ بیان کرتے ہین جسکی وجہ سے مسٹر گبن کو ایسا کہنے کا موقع ملا۔

جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد مین جب ایران فتح ہوا۔ اور فارس کا مال غنیمت اور وہان کے لونڈی غلام دار الخلافہ مین آئے تو اُن مین پچھلے شہنشاہ ایران یزدجرد کی تین بیٹیان بھی تھین۔ عام لونڈیان جب بیت المال کی طرف سے فروخت ہو چکین تو اُن تینون شاہزادیون کی نوبت آئی۔ حضرت عمر جو بالکل نیک نفس اور انصاف پسند خلیفہ تھے اور جن کی نظر مین دنیاوی مدارج و مراتب کی ایک ذرہ برابر وقعت نہ تھی انھون نے بلا تکلف حکم دیدیا کہ وہ شاہزادیان بھی فروخت کر ڈالی جائین۔ حضرت علی یہ کارروائی دیکھ رہے تھے اُنھون نے جناب عمر کو روکا اور کہا، "شاہزادیون کے ساتھ وہی برتاؤ نہ کرنا چاہیے جو عام قیدیون کے ساتھ کیا جاتا ہے۔" حضرت عمر نے حیرت سے پوچھا پھر کیا کیا جائے؟ جناب علی نے فرمایا "انکی قیمت کا اندازہ کر لیجیے اور جب یہ معلوم ہو جائے کہ اس سے زیادہ قیمت نہین ہو سکتی تو وہ قیمت سب کو بتا دی جائے۔ جو دینے پر آمادہ ہو عزت کے ساتھ ان کا ہاتھ پکڑ کے لے جائے۔" غالباً حضرت علی کا یہ منشا ہوگا کہ انکے بکنے کا حال خود اُن کو نہ معلوم ہو۔ حضرت عمر نے اس کارروائی کو جائز رکھا اور جب اُن لڑکیون کی پوری قیمت ہو گئی تو حضرت علی نے خود وہ قیمت ادا کر کے اُن کو لے لیا۔ اور اسی صحبت مین آپ نے وہ تینون لڑکیان قریش کے تین نوجوانون پر تقسیم کر دین۔ ایک جسکا نام شلافہ تھا اپنے ؂ ان شاہزادیون مین سے صرف ایک کا نام مورخین بتاتے ہین جو جناب امام حسین کو دی گئین۔ لیکن اُنکے نام مین بھی اختلاف ہے۔ مورخون کا قوی گروہ تو سلافہ کہتا ہے۔ ۱۲ منہ

چھوٹے صاحبزادے جناب امام حسین کو دی ایک محمد بن ابی بکر کو اور ایک عبد اللہ بن عمر کو۔ اگر سچ پوچھیے تو یہ تینون قریشی نوجوان بھی شاہزادگی کی حیثیت رکھتے تھے گو امام حسین کو یہ حیثیت اُسکے بہت دنون بعد حاصل ہوئی۔ ان تینون شاہزادیون کے بطن سے تین لڑکے پیدا ہوے جن مین سے ہر ایک بجاے خود ایک بہت بڑا عالم۔ بہت بڑا فقیہ اور بہت بڑا محدث اور انتہا سے زیادہ متقی و پرہیز گار تھا۔ وہ تینون لڑکے کون ہین؟ اول قاسم بن محمد بن ابی بکر۔ دوسرے سالم بن عبد اللہ بن عمر۔ تیسرے علی بن حسین بن ابی طالب الملقب بہ زین العابدین جو امامیہ اثنا عشریہ کے اعتقاد مین چوتھے امام ہین۔ اول دونون یعنی قاسم اور سالم کو بھی وہ وقعت حاصل ہوئی ہے جو شاید اُس عہد مین کسی کو کم نصیب ہوئی ہوگی۔ تابعین مین ان کا نام سب سے اول لیا جاتا ہے۔

یہ وہ واقعہ جس نے مسٹر گبن کو ایسا خیال قائم کرنے کا موقع دیا ہے۔ اس لیے کہ سیدون کا زیادہ گروہ جناب زین العابدین ہی کی نسل مین ہے جو باپ کی طرف سے جناب سیدۃ النساء فاطمہ کے پوتے اور مان کی طرف سے آخری تاجدار ایران یزدجرد کے نواسے تھے۔ لیکن تعجب ہے کہ مسٹر گبن کو یہ یاد نہ آیا کہ سیدون کا ایک معتدبہ حصہ جناب سبط اکبر کی اولاد مین ہے۔ اگرچہ امامیہ کے عقائد کے مطابق امامت صرف امام حسین کی نسل مین رہی لیکن بحیثیت سیادت وہ لوگ بھی امام حسن کی اولاد کو اسی قدر قابل تعظیم اور اُتنا ہی شریف تسلیم کرتے ہین جس قدر کہ امام حسین کی اولاد کو۔ اور اہل سنت کے نزدیک تو ہر بات مین دونون برابر ہین۔ بلکہ اُنکے عقائد مین داخل ہے کہ امام مہدی جناب امام حسن ہی کی نسل سے ہون گے۔ بہر حال جناب سیدہ کے دونون صاحبزادون کی اولاد مین باعتبار شرافت نسبی اسلام کے

ــــــــــــــــــــ

۱؎ بعض کہتے ہین کہ اُن کا نام غزالہ تھا۔ بعض شہربانو بتاتے ہیں جو عوام مین زیادہ مشہور ہے۔ قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اصلی نام تو شہربانو ہی تھا مگر عرب مین آنے کے بعد یہ دونام سلافہ اور غزالہ رکھ دیے گئے۔ ورنہ کوئی وجہ نہین ہے کہ ایران کی شاہزادیون کے نام عربی ہون۔

کسی فریق کے نزدیک کوئی امتیاز نہین - اول تو مسلمانون کے اعتقاد مین شرافت
کوئی چیز ہی نہین - اسلام ایک عام اخوت مین دنیا کی تمام قومون کو لے رہا
تھا کیونکر ممکن تھا کہ وہ اس قسم کے تفرقے نوع انسان مین باقی رکھتا - اسلام
نے شرافت کو کبھی ہندوون کے مذہب کی طرح آبائی ورثون کے ساتھ
وابستہ نہین رکھا - اُسکے نزدیک تو شرافت وہ چیز ہے جسکو ہر شخص حاصل
کر سکتا ہے - اور اسی ضرورت سے آن حضرت نے صاف صاف فرمادیا
"ان نبیکم واحدٌ وان اباکم واحد وانہ لا فضل لعربی علی عجمی ولا لاحمر علی الاسود
الا بالتقوی الا ہل بلغت" - خوب جان لو کہ تمھارا نبی ایک ہے اور تمھارا باپ
ایک ہے - نہ عرب والے کو کسی غیر ملک والے پر کچھ فضیلت ہے اور نہ سرخ
چمڑے والے کو سیاہ چمڑے والے پر ہان فضیلت ہے تو پرہیز گاری کے اعتبار
سے - آگاہ ہو جاؤ کہ مین نے اپنا فرض تبلیغ ادا کر دیا - یہ ہم تسلیم کرتے ہین کہ
دوسری قومون کے التباس سے مسلمانون مین نسبی شرافت کے خیالات پیدا
ہو گئے اور علما کی سُستی سے روز بروز اتنی قوت پکڑتے گئے کہ اب ہر مسلمان
کے رگ و ریشہ مین سرایت کر گئے ہین - آن حضرت نے اپنی عترت (اولاد)
کے بارے مین (جس سے مراد جناب سیدہ کی اولاد سمجھی جاتی ہے) مسلمانون
کو بعض نصیحتین کی ہین - مگر اس عقدے کو خود آن حضرت کا یہ قول قطعی طور
پر حل کر دیتا ہے کہ "من سلک علی طریقی فہو آلی" جو میری راہ پر چلے وہی میری
اولاد ہے - غرض اسلام مین بلحاظ دین شرافت نسبی کی کچھ وقعت نہین - اور اس
بنا پر یہ خیال کرنا کہ اہل اسلام نے ایران کے شاہی خون سے کوئی فخر حاصل کیا
بڑی فاش غلطی ہے -

تاہم ہم کو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ مسلمانون مین ہمیشہ کسی نہ کسی حد تک اپنے
نسب پر فخر کرنے کا خیال رہا - جاہلیت مین اہل عرب کو اپنے نسبون پر جس قدر
دعوے تھا شاید دنیا کی کسی قوم کو نہ ہوا ہو گا - یہ دعوے عرب والون کے نیچر
مین داخل ہو گیا تھا - اسلام نے اس کو بہت کچھ مٹایا تاہم عرب مین کسی نہ کسی
قدر اس کا مادہ باقی تھا - عرب اگرچہ جاہل اور وحشی تھے مگر انکو یقین تھا کہ

آبائی شرافت مین دنیا کی کوئی قوم ہمارا مقابلہ نہین کرسکتی - وہ ریگزارون مین کملیان تان کے رہتے تھے مگر اس ذلت مین بھی کسریٰ و قیصر کو اپنے آگے ذلیل خیال کرتے تھے - خصوصاً قریش جو سارے عرب مین اپنے آپ کو افضل و اشرف جانتے تھے - یہ ہم مانتے ہین کہ اسلام نے اُنکے اُن جاہلیت کے دعوون مین بہت کچھ کمی کردی تھی لیکن اُنکی نسبت یہ کہنا کہ وہ کسریٰ کی بیٹی کو اپنے لیے موجب ازدیاد شرافت سمجھے شاید کسی سمجھدار آدمی کا کام نہ ہوگا -

خسرو پرویز نے ایک عربی مشیر زید بن عدی کے کہنے سے حسب شمالی ومغربی اضلاع عرب کے سردار نعمان بن منذر کو لکھا کہ اپنی بیٹی یا اپنے قبیلہ کی کوئی لڑکی پیشکش کرے تو نعمان کو نہایت ناگوار ہوا - اور خسرو پرویز کو معلوم ہوگیا کہ عرب لوگ اپنے آپ کو شاہان ایران سے بھی زیادہ شریف سمجھتے ہین - نعمان کو اس انکار کا انجام معلوم تھا - اُس نے حکومت سے کنارہ کشی کی اور اپنے اہل وعیال کو قبیلۂ بنی شیبان کے سردار کی حفاظت مین چھوڑکے دربار پرویز مین حاضر ہوا - پرویز نے نعمان کے مرنے کے بعد اُسکے اہل وعیال کو بنی شیبان سے طلب کیا - وہ بھلا کب دبنے والے تھے - اور جب ایرانی فوج مقابلہ کو آموجود ہوئی تو گو جانتے تھے کہ کسرےٰ کا مقابلہ کسی طرح نہین ہوسکتا مگر مارنے اور مرجانے پر تیار ہوگئے - مقام ذی قار مین لڑائی ہوئی - اور بنی شیبان نے فی الحقیقت بڑی جوانمردی کے نمونے دکھائے - اس سے پہلے عربون کو ایرانیون کے مقابلہ مین کبھی کم جرأت ہوئی تھی - یہ اسی لڑائی کا تذکرہ ہے کہ ایک شیبانیہ لڑکی نے میدان مین آکے ایک ایسا پُرجوش شعر پڑھا کہ یکایک سات سو آدمیون نے اپنی قباؤن کی آستینین نوچ کے پھینکدین اس لیے کہ تلوار چلانے میں اُلجھتی تھین - عرب نے ذی قار مین ایرانیون کو شکست دی اور ایرانی ایسے بھاگے کہ پھر اُدھر کا رُخ نہ کیا -

کیا کسی کے قیاس مین آسکتا ہے کہ یہی عرب جو اپنی بے مائگی اور دشت نوردی کے عہد مین اپنی شرافت کا اتنا بڑا دعوےٰ رکھتے تھے کہ قبیلے کے قبیلے کٹ گئے اور شہنشاہ ایران کو ایک عربی نژاد لڑکی نہ دی گئی - وہی

عرب اب ترقی کر کے اور ساری دنیا مین فتح و نصرت کا ڈنکا بجا کے اپنے تئین اتنا ذلیل خیال کرنے لگے کہ نبوت کے خاندان کو یزدجرد کی بیٹی کے ذریعہ سے معزز بنائین۔ عرب تو بعد اسلام بھی اتنے سخت تھے کہ غیرون کو ہمیشہ اپنے آگے ذلیل خیال کرتے تھے۔ غیر تو غیر خاص قریشی نسل کے جو لوگ عرب سے باہر جا کے رہ پڑے تھے اگرچہ اُن مین کوئی خرابی نہین پیدا ہوئی تھی مگر وہ اُن سے بھی سمدھیانہ پیدا کرتے ہوے ہچکچاتے تھے۔ عبدالملک بن مروان جو بنی اُمیہ مین سب سے زیادہ زبردست خلیفہ تھا اُس نے عقیل بن علقمہ سے جو صحرائے عرب مین اپنے قدیم مذاق کی سادی زندگی بسر کیا کرتا درخواست کی کہ اپنی کوئی بیٹی میرے کسی لڑکے کے عقد مین دو۔ یہ پیغام دارالخلافت دمشق سے شاہی اہتمام کے ساتھ بھیجا گیا۔ عقیل نے پہلے تو انکار کر دیا۔ مگر خلیفہ کے زیادہ اصرار پر کہنے لگا "اچھا پھر مجبوری ہی ہے تو مین راضی ہون مگر دیکھو کسی غیر عربیہ کے لڑکے سے مجھے مصیبت مین نہ پھنسا دینا"۔ یہ خیالات آخر عہد تک باقی تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ جس طرح شیر جنگل مین زیادہ شریف اور شجاع نظر آتا ہے اُسی طرح ہم بھی اپنے صحراؤن ہی مین زیادہ شریف رہ سکتے ہین۔ یزید کی مان میسون ایک بادیہ نشین عرب کی بیٹی تھی۔ جناب معاویہ نے ہزار کوشش کی مگر اُسے خلافت کے عیش و عشرت مین کسی طرح مزہ نہ آیا۔ یزید حمل مین تھا دمشق مین اُس کے پیدا ہونے کی دعائین مانگی جا رہی تھین اور میسون نے اپنے ریگزار کی تیاریان کر دین۔ جناب معاویہ کی ایک نہ چلی۔ میسون اپنے صحرائی جھونپڑے مین چلی گئی۔ اور یزید وہین پیدا ہوا۔

ہم تو یہ خیال کرتے ہین کہ وہ اولاد جو اِن شاہزادیون سے ہوئی عرب کی سوسائٹی مین کبھی باوقعت نہ سمجھی جاتی مگر بات یہ تھی کہ اہل عرب اپنی بیٹیون کے دینے مین چاہے کتنی احتیاط کرتے ہون مگر سلسلۂ نسب کو ہمیشہ باپ کی طرف سے لیا کرتے تھے۔ مان کی شرافت کا خیال کم کیا جاتا تھا۔ اور یہی وجہ ہوئی کہ جناب امام حسینؑ اور عبداللہ بن عمر اور محمد بن ابی بکر کی اولاد کبھی کم وقعتی کی نظر سے نہ دیکھی گئی۔ لیکن یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ عرب

لوگون مین ماں کی شرافت کا خیال بالکل تھا ہی نہین۔ کسی حد تک ضرور تھا۔ بعض شرفا اس کا بہت کچھ خیال کرتے تھے۔ امام زین العابدین اور سالم اور قاسم جو ہمیشہ سب کے نزدیک وقعت کی نگاہون سے دیکھے گئے اسکی یہ وجہ بھی کہ ان لوگون نے کمالات علمی ودینی مین ایسی اعلیٰ ترقی کی تھی کہ ان کے خاندانی نقصان پر کسی کی نظر پڑتی ہی نہ تھی۔ ماؤن کا عیب انکے زہد واتقا کے دامن مین چھپ کے فنا ہو گیا تھا۔

ابن خلکان نے امام نحو مبرد سے ایک قریشی شخص کا واقعہ خود اُسکی زبانی نقل کیا ہے کہ اُس نے کہا "مین سعید بن مسیب کے پاس اکثر جایا کرتا تھا۔ ایک دن انھون نے مجھ سے پوچھا تمھارا ننہال کہان ہے؟ مین نے کہا "میری ماں تو لونڈی تھی"۔ یہ جملہ میری زبان سے نکلتے ہی مجھے معلوم ہوا کہ جیسے اُنکی نظر مین میری بے وقعتی ہو گئی۔ مین بیٹھا ہی تھا کہ سالم بن عبداللہ بن عمر آ گئے۔ جب تھوڑی دیر بیٹھ کے وہ چلے گئے تو مین نے سعید سے پوچھا جناب یہ کون بزرگ ہین؟ اُنھون نے حیرتناک ہوکے کہا واہ وا۔ ایسے شخص کو اور تم نہ جانو! یہ تمھاری قوم قریش مین سے ہین اور عبداللہ بن عمر بن الخطاب کے بیٹے سالم ہین۔ مین نے پوچھا ان کی ماں کون تھین؟ اُنھون نے کہا لونڈی تھین۔ تھوڑی دیر کے بعد قاسم بن محمد بن ابی بکر آئے اور جب وہ گئے تو تو مین نے اُن کی نسبت بھی وہی سوال کیا۔ اُنھون نے بھی وہی کہا کہ بھلا ایسے شخص کو اور تم نہ جانو۔ یہ بھی تمھاری قوم کے نامور شخص قاسم بن محمد ہین۔ مین نے کہا اور ان کی ماں کون تھین؟ کہا لونڈی تھین۔ اتنے مین اتفاقاً علی بن حسین بن علی بن ابی طالب آ گئے۔ اور جب اُٹھ گئے تو مین نے اُن کی نسبت بھی تجاہل عارفانہ کرکے دریافت کیا اور یہ کون ہین؟ کہا واہ۔ ان کو نہ جاننا قیامت ہے۔ یہ تو وہ ہین کہ ممکن نہین کوئی مسلمان ہو اور انکو نہ جانتا ہو۔ یہ علی بن حسین ہین۔ مین نے پھر کہا اور انکی ماں کون تھین؟ کہنے لگے وہ بھی لونڈی تھین۔ اب مین نے اُن سے کہا اپنے آپ کو کنیزک زادہ بتا کے مین آپ کی نظر مین ذلیل ہو گیا تھا۔ لیکن اب عرض کرتا ہون کہ اس خاندانی

معاملہ مین یہ میرا فخر نہین ہے کہ مین ایسے ایسے لوگون کا پیرو ہون - میری یہ تقریر سنتے ہی سعید کے بشرے سے معلوم ہونے لگا کہ گویا وہ مجھے بہت ہی با وقعت خیال کرتے ہین"

بلکہ بعض تاریخی بیانون سے تو صراحتہً معلوم ہوتا ہے کہ اہل مدینہ پیشتر لونڈیون کی اولاد کو اپنی سوسائٹی مین نہین ملاتے تھے مگر جب قاسم بن محمد اور سالم بن عبداللہ اور علی بن حسین نے نشوونما پاکے مدارج علمی اور دینی مین ترقی کی تو وہ خیال جاتا رہا اور عموماً لونڈیون کی اولاد خاندان مین شریک سمجھی جانے لگی - اصلیت تو یہ ہے کہ اہل عرب نے اُن لوگون کو بغیر اُن کی دینداری کا امتحان لیے اپنی برادری مین نہین لیا۔ اور مسٹر گبن فرماتے ہین کہ نہین اہل عرب نے اُنکی رگون مین ایران کا شاہی خون دوڑا کے خاندان نبوت کی عزت بڑھائی - اگر ہم تحقیق تاریخی چھوڑ کے مذہبی اصول سے بحث کرین تو کہین گے کہ جو مسلمان ایسا اعتقاد رکھے وہ کافر سمجھا جائے گا۔ نہ کہ مسلمانون نے ایسی کارروائی خود اپنی کوشش سے کی ہو-

اور سب سے زیادہ گبن کے خیال کی بے وقعتی اس واقعہ سے ہوتی ہے جسکو ابن خلکان نے ابن قتیبہ سے نقل کیا ہے کہ جناب امام حسینؑ کی شہادت کے چند روز بعد امام زین العابدینؑ نے اپنی والدہ کا عقد جناب امام حسینؑ کے غلام زید سے کر دیا - اور اُسی زمانہ مین اپنی ایک لونڈی کو آزاد کرکے اپنے نکاح مین لیا- یہ خبر سُن کے عبدالملک بن مروان نے آپ کے پاس ایک خط بھیجا جس مین ان دونون باتون پر آپ کو شرم دلائی تھی - امام زین العابدین نے اُس کے جواب مین جو تحریر بھیجی اُس مین پہلے تو یہ آیت لکھی تھی " لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ " جس کا مقصود یہ ہے کہ مسلمانون کو رسول اللہ صلعم کی پیروی کرنا چاہیے - اور اسکے بعد لکھا تھا " رسول اللہ نے صفیہ بنت حیی بن اخطب کو آزاد کرکے اپنے نکاح میں لیا تھا - اور زید بن حارثہ کو آزاد کرکے اپنی پھوپھی کی بیٹی زینب بنت جحش کو اُنکے عقد مین دیدیا تھا" اس سے زیادہ اس بات کا کیا ثبوت ہوگا کہ اسلام مین نسبی شرافت کوئی چیز ہی نہین ہے - اور اگر جناب شہربانو سے کوئی شرافت ہی حاصل کی گئی تھی

تو پھر اُن کے ذریعہ سے ایک آزاد شدہ غلام کیون خاندان نبوت کا رقیب بنا یا گیا۔
مسٹر گبن کا یہ خیال ہم نے حضرات شیعہ مین سے بعض جُہلا مین بھی پایا ہے۔
اور اسکی وجہ یہ ہے کہ شیعون کو بمقابلہ سنیون کے ایران کے ساتھ خاص ہمدردی ہے۔
بیشک ہم مذہبی ایسے تعلقات پیدا کر دیتی ہے۔ اور ایسے تعلقات کو ہم نہایت ہی
قابل قدر سمجھتے ہین۔ لیکن اُسی حد تک کہ دین کی توہین نہ ہونے پائے۔ ہمارے
اعتقاد مین تو عربی شریعت پر ایمان لانے والون مین سے ہر شخص کو ایسے
خیال سے پرہیز کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ اس مین صاف صاف خاندان نبوت
کی توہین ہے۔

یہ سمجھنا کہ عرب لوگ اپنی فتوحات کے وقت لونڈیون مین باعتبار عالی
نسبی یا امارت یا شاہزادگی کے کوئی تفریق کرتے تھے بڑی غلطی ہے۔ عرب لوگون مین
اول تو اُن دنون صرف دین کا نام شرافت تھا۔ اور اگر قدیم شرافت کا کچھ خیال
تھا بھی تو صرف اپنے قبائل مین۔ اور دیگر ممالک کی عورتون مین سے تو وہ سب
کو ایک ہی نظر سے دیکھتے تھے۔ عام اس سے کہ وہ وزیر زادی ہون یا شاہزادی
امیر زادی ہون یا فقیر زادی۔ اب اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ ہرقل کی بیٹی
فتح دمشق کے بعد جب مسلمانون کے ہاتھ مین گرفتار ہوئی تو ایک شامی نومسلم کے
سپرد کر دی گئی جس سے وعدہ کیا گیا تھا کہ اُسکی معشوقہ اُسکو دی جائے گی۔ اور
جب معلوم ہوا کہ اُس کی معشوقہ نے تو دکشی کر لی تو ہرقل کی بیٹی کا ہاتھ اُسکے
ہاتھ مین دے دیا گیا۔ مگر اُس شامی سے اسکی جرأت نہ ہوئی۔ اور آخر ہرقل کے
حسب الطلب وہ لڑکی عزت کے ساتھ انطاکیہ بھیجدی گئی جہان خود ہرقل
موجود تھا۔

اگر سچ پوچھیے تو اس فتحمندی کے زمانے مین صدہا شاہزادیان عرب مین
آگئین جہان اُن مین سے بعض دیگر قریشیون کے گھر مین تھین۔ بعض عرب کے
غلامون کے پاس تھین۔ وہان ایک امام حسینؑ کے گھر مین بھی تھی۔ لیکن وہ
جو غلامون کے پاس تھین اُن کا تو خیال کبھی نہین کیا جاتا۔ مگر ہان ایک جو پیغمبر
کے نواسے کے پاس تھی اُس کی بدولت خاندان نبوت معرز بنایا جاتا ہے۔ خود

شہر بانو کی دو بہنین دو قریشی نوجوانون کے پاس تھین جن کا ذکر ہو چکا۔ طرابلس واقع افریقیہ کے گریگوری کی بیٹی فلیانا عبد اللہ بن زبیر کے گھر مین تھی۔ جو ایسی حسین و جمیل ایسی تعلیم یافتہ، ایسی بہادر اور میدان سپہگری مین جوہر دکھانے والی تھی کہ خود مسٹر گبن کو اُسکے حال پر بڑی رقت ہوئی ہے۔

ہم ایک اور مسیحیہ اور یورپین شاہزادی کا حال اس موقع پر بیان کرتے ہین۔ جس نے خود اپنے شوق سے ایک عربی غلام کے ساتھ شادی کر لی تھی۔ یہ خاص اسپین کی شاہزادی تھی اور مسلمانون مین قوطیہ کہلاتی تھی۔ وجہ یہ تھی کہ وہان نسل گاتھ حکمران تھی۔ گاتھ کو مسلمان قوط کہتے تھے۔ اور اسی خاندان کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے اُسے قوطیہ کہا کرتے تھے۔ یہ شاہزادی رزریق سے پہلے فرمان روائے اسپین وٹزا (غیطشہ) کی پوتی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ طارق نے جب اسپین کو فتح کر لیا تو بعض اضلاع پر شاہ وٹزا کے بیٹے حکمران کیے گئے۔ جنھون نے اپنی اس بھتیجی پر ظلم کیا۔ لہذا ہمت شاہزادی نے دادخواہی کی غرض سے دمشق کا سفر کیا۔ اور ہشام بن عبد الملک کے دربار مین حاضر ہوئی۔ یہان آکے اُس نے عمر بن عبد العزیز اموی کے غلام عیسٰی بن مزاحم سے عقد کر لیا۔ ہشام نے اس شاہزادی کو ایک پروانہ لکھ دیا جو خطاب شعبی کلبی والی اندلس کے نام تھا۔ اور جس مین اُس کی رعایت و خاطرداری کی بہت کچھ تاکید کی گئی تھی شاہزادی اپنے شوہر اور اُس پروانے کو لے کے اسپین مین پہونچی اور خاص قرطبہ مین مقیم ہوئی۔ عیسٰی بن مزاحم کی اُس شاہزادی کے بطن سے وہان اولاد ہوئی۔ اور ایک نسل شروع ہوئی جو اندلس کے آخری اسلامی دور تک باقی تھی۔ اور اُن سب کے نام کے ساتھ اسی شاہزادی کی وجہ سے ہمیشہ قوطی کا لفظ لکھا جاتا رہا۔ ابوبکر بن محمد قرطبی معروف بہ ابن قوطیہ جو اندلس مین ایک بڑے امام وقت گذرے ہین اور جن کا چوتھی صدی ہجری کے آخر مین انتقال ہوا ہے اسی شاہزادی کی نسل سے تھے۔ اور اسی وجہ سے ابن قوطیہ اُن کا لقب تھا۔ ابن قوطیہ نے خاصۃً علم لغت مین جو کمال حاصل کیا وہ بہت کم کسی کو نصیب ہوا ہے۔ اُن کی کتاب "المقصور والممدود" کی نسبت علامۂ ابن خلکان کہتے ہین کہ اُسکو تصنیف کر کے وہ تمام

گذشتہ اہل لغت سے بڑھ گئے - اور بعد آنے والے ایسی کتاب لکھنے سے عاجز ہیں
اُنکے تبحر کا سب سے بڑا سرٹفکیٹ یہ ہے کہ ناصر لدین اللہ کا بیٹا خلیفہ حکم جو علم و
فضل میں سلاطین عالم پر فوقیت لے گیا ہے جس کا کتب خانہ مشہور ہے اور جسکی
نظر سے تین لاکھ تصنیفیں گذر گئی تھیں اور جس نے اُن سب کا مطالعہ اس توجہ
سے کیا تھا کہ اُن میں سے بہت کم تھیں جن پر اُس نے اپنے ہاتھ سے کچھ نہ کچھ
تحشی نہ کی ہو - اُس نے ابو علی قالی سے جب پوچھا کہ باعتبار لغت سب سے
زیادہ متبحر ہمارے شہر میں تم نے کس کو پایا؟ ابو علی نے فوراً ابن قوطیہ کا
نام لیا -

اگرچہ یہ خاندان ابو بکر کے وقت سے بہت زیادہ معزز ہو گیا - لیکن یہ فضیلت
تو علم سے حاصل ہوئی - ہم کو یہ نہیں بتایا گیا کہ ہمارے اس غلام کو یورپ نے
ایک مسیحیہ اور نسل گاتھ کی شاہزادی دے کے کون سی شرافت دیدی - ہمارے
مسیحی دوست اُس شرافت سے نہ بحث کریں جو وہ پارسیوں سے لے کے ہمیں
دیتے ہیں - وہ یہ بتائیں کہ خود اپنی فیاضی سے اُنھوں نے ہم کو کون سی
شرافت بخشی ؟ -

انجام

یہ بہتوں کو کہتے سُنا کہ "خدا انجام بخیر کرے" - مگر جب اُن کہنے والوں کے دلوں
کو ٹٹولیے اور اُن کے خیالات کا اندازہ کیجیے تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ ہر شخص
نے اپنے مذاق اور اپنے مسلمات کی بنا پر اس جملہ سے کچھ اور ہی معنی مراد لیے ہیں -
اور اُسکے ذہن میں انجام کوئی نئی ہی چیز ہے - افسوس دنیا کا یہی عام مغالطہ ہے
جس نے ملکوں اور قوموں میں باہم عداوتیں پیدا کر دی ہیں - دیکھو وہ صحرا نشین
ہندو جوگی ہر پہلو سے دنیا کو آزما کے اور تمام دنیاوی سامان عشرت پر
بے پروائی اور ذلت کی لات مار کے اُس تنہائی کے مقام پر آکے بیٹھ رہا ہے جہاں
سوا خدا کے کسی کی حکومت نہیں - اپنی روزی حاصل کرتے وقت اگرچہ وہ دیکھتا
ہے کہ اُسکے شوق کی چیزیں یعنی گھانس پات ہر مقام پر بکثرت موجود ہیں - اور پھر

لطف یہ کہ کوہسار گویا اپنے دامن اُسکی طرف بڑھا کے کہ رہا ہے کہ یہ ہدیہ قبول کیجیے۔ اور تختۂ صحرا جیسے اپنی نعمتین ایک وسیع خوان مین لگا کے اُسکے سامنے پیش کررہا ہے کہ لیجیے خدا نے یہ آپ کے پاس بھیجا ہے۔ ان مین بھی وہ کفایت شعاری کو صرف کرتا ہے۔ اور جس قدر ضرورت ہوتی ہے اُسی قدر لے لیتا ہے۔ اسی کی تقلید مین اُس رومن کیتھولک راہب نے دنیا کی تمام لذتین اپنے اوپر حرام کرلی ہین۔ دنیا کا حُسن اور دولت کے سامان اپنی دلفریبیان دکھا دکھا کے اُسکے دل مین ایک طمع پیدا کرتے ہین۔ لیکن اُس نے ان سب چیزون کی طرف بظاہر اس بے پروائی سے دیکھا ہے کہ لوگون کو اس پر حسد آتا ہے۔ یہی بے پروائی اور لذائذ دنیوی کی نفرت وہ مسلمان صوفی دکھا رہا ہے جس نے گویا عالم کو چھوڑ دیا ہے اور صرف ایک قادر مطلق کے خیال مین اپنے آپ کو سب طرف سے بے حس بنا کے گوشۂ تنہائی مین بیٹھ رہا ہے۔ یہ سب لوگ ایک ہی خیال اور ایک ہی دُھن مین محو ہو رہے ہین۔ دنیا کے لوگ جو روز روز کی اُمیدون مین ناکامی کے صدمے اُٹھا کے عاجز آگئے ہین۔ انکی اس بے پروائی کو ایسا بھلا سمجھتے ہین کہ اُن کے خیال مین اُن لوگون سے زیادہ کوئی حق پسند اور راہِ راست پہ چلنے والا نہین۔ کیا عجب کہ اپنے خیال مین وہ اُنھین لوگون کی حالت کو وہ حالت تصور کرتے ہون جس سے اپنے جملہ "خدا انجام بخیر کرے" مین لفظ "انجام" سے مُراد لی ہے۔ اُن کا دل چاہتا ہے کہ خود اُن کا بھی یہی انجام ہو۔ اور وہ بھی دنیا کو یون ہی چھوڑنے پر قادر ہو جائین۔

اگرچہ انجام کا لفظ ہر اُس مقام پر صادق آتا ہے جہان کسی کام یا کسی واقعہ کا خاتمہ ہو جائے۔ مگر چونکہ حقیقی اختتام معاملات وہی ہے جسے لوگ مَوت کہتے ہین اور جو دنیا کے تمام تعلقات قطع کر دیا کرتی ہے۔ اس خیال سے اکثر لوگ جب کبھی کہتے ہین "خدا انجام بخیر کرے"۔ اُس سے یہی مراد ہوا کرتی ہے کہ مرتے وقت انسان اچھی حالت مین ہو۔ "اچھی حالت" کیا چیز ہے؟ عموماً لوگ جس کی نسبت کہتے ہیں کہ یہ اچھی حالت مین ہے۔ اُس سے یہ غرض ہوتی ہے کہ متمول ہے۔ اور دنیاوی خواہشین پوری کرنے میں اُسے تھوڑی دقت ہوتی

ہے۔ لیکن موت ایک ایسی چیز ہے کہ اُس وقت جب جان نکلتی ہے۔ دولتمندی اور بے دولتی۔ عشرت اور عسرت، اطمینان اور تنگدستی سب برابر ہوتے ہین۔ اسی وجہ سے تمام دینی مقدس لوگ اس وقت کا بخیر ہونا اس سے مراد لیتے ہین کہ انسان کی اخلاقی حالت اور روحانی خوبیان ترقی پر ہون۔ اور اس خیال کا پُر جوش معتقد ہو جو افسوس کرنے والون کے اعتقاد مین حق اور ذریعہ نجات ہے۔ افسوس! کچھ ایسا تفرقہ پڑ گیا ہے۔ اور اختلاف مذاہب نے موت کے اُس طرف کے حالات بیان کرنے مین ایسا اختلاف کیا ہے کہ یہ جملہ نکلنا تو ہر شخص کی زبان سے ہے۔ لیکن غرض ہر شخص کی جدا ہوتی ہے۔ ایک مسلمان ایک اپنے خوش اطوار مسلمان مرنے والے دوست کی نسبت کہتا ہے "کیا اچھا شخص تھا! توحید کا معتقد تھا۔ اور رسالت محمدی پر ایمان رکھتا تھا" اُدھر دوسرا عیسائی اپنے واصل بحق مسیحی دوست کی نسبت کہہ رہا ہے "کیا اچھی موت ہی۔ مسیح کا خون ایسے ہی لوگون کی نجات کے لیے ہے" وہ یہودی اپنے رخصت ہونے والے دوست کی لاش کے سرہانے افسوس اور درود کے لہجے مین کہہ رہا ہے "کیا خوش نصیب تھا۔ خاص اسرائیلی شریعت اور موسوی تعلیم پر گیا" قدیم اصول ژند کا معتقد اور خوش خیال موبدان فارس کا پیرو اپنے کسی دوست کو دخمہ مین رکھنے کو لیے جاتا ہے اور آنسو بہا بہا کے کہہ رہا ہے "کیا خوب آدمی تھا خدا مغفرت کرے۔ ہمارے حق شناس وخشوروں (پیمبرون) کے آئین کا کس استقلال سے پابند رہا" یہ تو دخمہ مین غائب ہوگیا۔ اور اس کی جگہ چند برہمن اپنے کسی دھوکا دے جانے والے عزیز آشنا کو لیے چلے آتے ہین۔ دریا کنارے جلانے کو لیے جاتے ہین۔ اور کس حسرت سے باتین کرتے جاتے ہین کہ "سیدھا بکنٹھ جائے گا۔ دیوتا اور مہاتما اسے اپنی برکتون مین لے لین گے۔ اور دوسرا جنم اسکے لیے جنت کا مزہ دیگا" ان سب کی زبان سے جتنے جملے سنے گئے۔ سب ایک شرح کی حیثیت سے تھے۔ جنکا متن یا خلاصہ اسی قدر تھا کہ "خدا نے انجام بخیر کیا"۔

اگرچہ سب کو معلوم ہے۔ پھر بھی کسی کو نہین معلوم۔ کہ اصل مین انجام بخیر

ہونا کیا چیز ہے۔ کیا خوب کہا ہے۔

خبرم نیست کہ منزلگہ مقصود کجاست　　این قدر ہست کہ بانگِ جرسے می آید

اس موقع پر بانگ جرس سے مراد بانیان مذاہب کا فرمانا ہے۔ اُن لوگون نے اپنی روحانی تعلیم سے سیکھ کے جو کچھ بتایا۔ دنیا اُسی کو حق سمجھتی ہے اور اُسی پر مذاہب کی بنیاد قائم کی گئی ہے۔ لیکن ہمین اس مسئلہ پر زیادہ بحث کی ضرورت نہین۔ یہی کیون نہ کہدین کہ ٹھیک انجام کا اچھا ہونا اس امر کا نام ہے کہ لوگ اُسے اچھا سمجھین اور وہ دنیا سے نیکنام جائے۔ اور فی الحقیقت یہی ہے کہ ان سب لوگون کا انجام اچھا ہوا جن پر ابھی آپ نے اُنکے ہم مذہبون کو افسوس کرتے اور حسنِ ظن قائم کرتے دیکھا تھا۔

موت کا مسئلہ چھوڑکر سردست یہ دیکھنا چاہیے کہ ہر کام کا انجام اچھا ہونا کیسا ہوتا ہے جو کام بخیر و خوبی تمام ہو جائے۔ جس کے نتیجے پر کوئی خوش ہو اور غیرون کو حسد معلوم ہو۔ جانیے۔ اُس کا انجام بخیر ہوا۔ دنیا میں روز سیکڑون امور کی ابتدا ہوتی ہے اور خدا جانے کتنے اہم معاملات انتہا کو پہونچ جایا کرتے ہین۔ لیکن چونکہ اُن کا اثر خاص اور شخصی ہوتا ہے۔ اس لیے نہ عام کو اُنکے نتیجے کی خبر ہی پہونچتی ہے اور نہ عام طور پر اُن سے دلچسپی ظاہر کی جاتی ہے۔

دیکھو جو لڑکا پندرہ بیس برس ہوے پڑھنے کو بٹھایا گیا تھا اُس نے آج ایم۔ اے۔ کی ڈگری پاس کی ہے۔ یا اُسی کی طرح ایک اُسی کے ہم عمر طالب علم نے اپنی مشرقی تعلیم سے فراغت پائی ہے۔ اور آج اُسکے سر پر علما و فضلا کے مجمع عام مین فضیلت کی پگڑی باندھی جا رہی ہے۔ دیکھو وہ خوش ہے کہ وکالت مین پاس ہو گیا۔ بلکہ اور آگے خیال دوڑاؤ۔ دیکھو وہ پریشان حال جو خدا جانے کب سے دوڑ دھوپ رہا ہے اور کتنے لوگون کی سفارش اٹھا چکا ہے۔ آج خوش ہے کہ اُسے ایک منصفی کی معقول جگہ مل گئی۔ دیکھو وہ جس نے ایک عرصے سے عشق خانہ خراب پر لطف زندگی سے مُنہ موڑ لیا تھا۔ اور جس کی آرزوئین اور تمنائین روز ایک نئے حیلے اور ایک عجیب طعن آمیز چھیڑ چھاڑ سے ٹالی جاتی تھین۔ آج وہ اپنی مراد میں کامیاب ہوا۔ اور کسی وفا فراموش جفا شعار نے

آج اقرار کرتے کرتے وعدہ پورا کیا ہے۔ واہ! کیا خوش نصیب شخص ہے۔ اور اُسکے عشق کا انجام کیسا اچھا ہوا۔ اس سے بھی زیادہ توضیح کے ساتھ مختصر باتین کیون نہ سُنیے۔ بیمار نے شفا پائی۔ وطن آوارہ کو سواد وطن نظر آیا بچھڑے ہوے دوست خوش ملے ہین۔ چلتے چلتے تھک جانے والے منزل پر پہونچے ہنسی سے بیان پہ کھیلنے۔ اسے سپاہیون کو اسوقت شام کو فتح نصیب ہوئی طوفان کی مصیبت اُٹھائے ہوے جہاز کو دُور سے ساحل کی صورت ایک سیاہی مارنے والے خط کی وضع مین دکھائی دی تھی۔ اپنی تمناون کا صاف نقشہ دکھا دین کہ اتنی کوششون کے بعد ہمین مسلمان شریف گھرانون مین ایک ہونہار لڑکا نظر آیا۔ یہ سب وہ باتین تھین اور وہ معاملات تھے جنکا انجام بخیر ہوا۔ لیکن یہ تمام باتین صرف "انجام بخیر ہونے" کی اصلیت ظاہر کرنے کے لیے بیان کر دی گئیں۔ ورنہ زمانہ تو کچھ ایسی نامرادیون سے دوچار کرتا ہے کہ یہ سب واقعات ہماری نظر مین وہی اثر رکھتے ہین جو کسی گوری پریوش کی تصویر اہل حبش کے دل مین پیدا کریگی۔ کیونکہ جو چیز شاذ و نادر ہی نظر سے لذری ہو اُس کا بیان قصے اور کہانی سے زیادہ ہرگز وقعت نہین رکھتا۔

ہماری عام تمناون کا وہی انجام ہوتا ہے جو مجنون کے عشق لیلیٰ کی بتیابیون اور فرہاد کی کوہ کنی کا انجام ہوا تھا۔ صاف معلوم ہو رہا ہے بلکہ آنکھون سے دکھائی دیتا ہے کہ اب ہمین اپنے تمام معاملات مین اسی قسم کے نتیجون کا امیدوار رہنا چاہیے۔ جس نے کہا ہے خوب کہا ہے ع "صورت یاس یہی بن بن کے بگڑ جاتی ہے"۔ آرزو بر آنا۔ تمناون مین کامیاب ہونا۔ اور کسی امر کا انجام بخیر ہونا کیسا؟

ہم اگلے واقعات اور گذشتہ تاریخیں دیکھتے ہین کہ عموماً مصیبتون اور نامرادیون کے حالات چونکہ بہت کم پائے جاتے تھے لہذا دلون مین ایک درد کا اثر پیدا کرنے کے لیے وہ صرف داستانون اور بے اصل قصون کے ذریعہ سے بیان کر دیے جاتے تھے۔ بخلاف اسکے آج وہ زمانہ ہے کہ ہمین اپنی قوم مین تو در اصل ہر طرف نامرادی ہی نظر آتی ہے۔ ہان بعض اوقات دل کی

تسلی کے لیے ہم کامیابی کی داستانین بیان کر کے جی خوش کر لیا کرتے ہین۔ وقتی
اب ایسا زمانہ آگیا ہے کہ ہمین اپنی کوشش مین اچھے انجام کا امیدوار ہی
نہ ہونا چاہیے۔ اگر ہم کو جستجو ہے اور ہم تلاش کرتے ہین کہ ہمین ایسے معاملات
اور ایسے مواقع ملین جن مین انجام اچھا یا خاتمہ بخیر ہوا ہو۔ تو ہمین اپنے
شہر کے قدیم داستان گویون کی طرف توجہ کرنا چاہیے۔ آپ اکثر دن نے نہ
سُنا ہو گا کہ ہمارے داستان گو جنھون نے اپنے اور اپنی قوم کے دُکھے ہوے
دلون کے خوش کرنے کے لیے ٹریجڈی کا پارٹ چھوڑ دیا ہے اور رات دن
کیسڈی ہی بیان کرتے رہتے ہین اُن کے بیان مین ہمین کیسی کیسی اعلیٰ درجے
کی کامیابیان اور کیسی کیسی دلفریب آرزومندیان نظر آتی ہین۔ ہمارے داستان گو
جس وقت کوئی واقعہ بیان کرنے کو بیٹھ جاتے ہین اُس وقت اُنکی زبان جن
واقعات کا سمان دکھاتی ہے اور جن حالتون کی تصویرین آنکھون کے سامنے
کھینچتی ہے اُن کو اگر کوئی تعلق تھا تو صرف اُس زمانے سے جسے یورپ
عہد وسطیٰ کہتا ہے۔ اور جس مین ہمارے سوا کوئی کامیاب و بامراد تھا ہی نہین۔
اور جو کوئی نظر اُٹھا کے دیکھتا تھا اُسے دنیا بھر مین ہم ہی ہم نظر آتے تھے۔
مگر افسوس ہماری تاریخی داستان اب داستان گویون کی گپ ہو گئی۔ قاعدے کی
بات ہے کہ جو امر ذہن کو مستبعد معلوم ہوتا ہے اُس کو انسان کا دل بڑی مشکل
سے قبول کرتا ہے۔ چونکہ اب ہم دنیا بھر سے زیادہ پست ہمت اور ادنیٰ درجے
پر معلوم ہوتے ہین۔ لہذا ہمارے حالات بالکل ویسی ہی داستان یا کہانی خیال
کر لیے گئے ہین جس کی صحت پر سُننے والے درکنار خود بیان کرنے والے کو بھی
وثوق نہین ہوتا۔ خیر یہ گذری ہوئی باتین یاد آکے ہمین اپنے موضوع بحث
سے ہٹا لیجا یا کرتی ہین۔ ورنہ ہماری غرض اس مقام پر صرف اتنی تھی کہ وہ دن
گذر گئے جب ہمین کسی معاملہ کا انجام بخیر نظر آتا تھا۔ اب تو یہ حال ہے کہ دنیا تو دنیا
ہمین تو اس کی بھی امید نہین کہ عقبیٰ مین خاتمہ بخیر ہو۔

ہم اور ہمارے خیالات

اس لیے غور طلب ہین کہ اب ان مین تبدیلی ہوتی جاتی ہے۔ یون تو ہر عربی کتب کے لڑکے کو یہ قضیہ پڑھایا جاتا ہے کہ "العالم متغیر" مگر تغیر عالم پر غور کرنے کی ہم کو جس قدر ضرورت ہے اُس قدر کسی کو نہین۔ کامیاب قومون اور مقصد ور لوگون کو نہین سوجھتا کہ ہماری وہ زندگی کیسی تھی جب ہم ان کامیابیون کی آرزو مین تھے۔ مگر ہان تغیر عالم کا مسئلہ کچھ اُسی کی سمجھ مین خوب آتا ہے جسے نامرادیوں سے سابقہ پڑا ہو۔

ہجر مین یاد آتا ہے کہ وصل مین کیا مزے تھے۔ اور کس خوشی مین گذرتی تھی۔ سفر اور غربت مین معلوم ہوتا ہے کہ یاران وطن کی خوش گپیان اور بچپن کے دوستون کی صحبتین کیسی با مذاق اور سراپا لطف تھین۔ اس سے بھی زیادہ وضاحت کی ضرورت ہو تو یون سمجھیے کہ جب پیاس لگتی ہے تو پانی کی قدر ہوتی ہے اور جب بھوک کی شدت سے ہاتھ پاؤن مضمحل ہونے لگتے ہین تب کھانے کا مزہ یاد آتا ہے۔ جب چلتے چلتے تھک جائیے۔ تب ذرا ٹھہر کے دیکھیے کہ ستانے مین کیا آرام ہے۔ جب مفلسی اور تنگدستی پریشان کرے اُس وقت گذشتہ دولتمندی کی طرف خیال دوڑائیے تو معلوم ہو جائے گا کہ نشۂ دولت کتنا خوشگوار ہوتا ہے۔

مگر عام انقلابات زمانہ سے کیا غرض۔ دیکھنا تو یہ ہے کہ ہمارے خیالات مین کیا تغیر ہوا؟ ہم کس مزاج اور طبیعت کے لوگ تھے اور کیا ہو گئے؟ لوگ کہتے ہین کہ ہندوستان کی آب وہوا ہمارے مناسب نہ تھی۔ اس لیے ہمارے خیالات پر بہت خراب اور نالائق اثر پڑ گیا۔ اگر ایسا ہے تو دیگر ممالک کے اہل اسلام اپنے خیالات کے لحاظ سے بھی بہت ادنیٰ درجے پر معلوم ہوتے ہین۔ اُن پر کیا خرابی آئی؟ وہ کیون پست حوصلہ اور بے ہمت ہو گئے؟ کیا دنیا مین کوئی اتنی عمر کا بوڑھا ہے جس نے ہمین ہر رنگ اور وضع مین دیکھا ہو؟ آہ۔ کوئی نہین ایک شخص ہے۔ زمانہ۔ اسکی عمر بہت زیادہ ہے۔ یہ بہت پرانا افسانہ گو ہے اور اسکی زبانی ہم نے بہت سی اگلی داستانین سُنی ہین۔ وہ دوسری

بڑھیا جسکی گود مین سب نے پرورش پائی ہے جسے لوگ زالِ دنیا کہتے ہین۔ انقلاباتِ عالم کے سب نمونے یقیناً اُسکو بھی یاد ہون گے۔ لیکن نہین معلوم کیا سبب ہے کہ ہم نے اکثر لوگون کو ان دونونکے ہاتھ سے نالان اور خفا دیکھا۔ گالیان ہی دیتے سنا۔ دیکھو وہ مصیبت کا مارا اور ستم زدہ اپنی تمام کوششون مین تھک کے پیر فلک یعنی زمانہ اور زالِ دنیا دونون کو کوس رہا ہے۔ خیر۔ اگر وہ گالیان دیتا ہے تو دینے دو۔ ہم تو ان گالیون کا مستحق خود اُسی شخص کو پاتے ہین۔

اگر اپنی داستان ہم کو سننا ہے اور اپنے تغیرات اور اپنی تبدیلیون پر غور کرنا ہے تو آؤ اُسی بوڑھے جہان دیدہ سے پوچھین کہ اُس نے ہمین کن کن حالتون مین پایا۔ اور ہم مین کیسی کیسی تبدیلیان دیکھین؟ تواریخ کے صفحات پر جو کچھ لکھا ہے وہ زمانے ہی کی بیان کی ہوئی کہانی ہے۔ اگرچہ ان کہانیون کا زیادہ حصہ ناقدر دانیون اور بے توجہیون کے ہاتھون دنیا کے پردے سے غائب ہو گیا۔ مگر پھر بھی جو کچھ باقی ہے وہ دلچسپی سے خالی نہین۔

اُن باتون کو جانے دیجیے جو ہماری جہالت اور بُت پرستیون کی باتین تھین۔ کیونکہ وہ اسلام سے بھی پیشتر کا زمانہ ہے۔ ہان بعد بعثت کے زمانے کو لیجیے۔ آہ یا تو وہ سادگی کا زمانہ تھا کہ ایک نبی اُمی کی تبلیغ رسالت سے ہم سب مل کے ایک ہی سادی طبیعت کے لوگ تھے۔ فلسفیانہ چون وچرا کا مادہ ہم مین نہین پیدا ہوا تھا۔ سب ایک ہی دُھن مین مدہوش اور ایک ہی خیال سے وابستہ تھے۔ ترقی اور عروج کی منزلین ہماری نگاہ کے سامنے تھین۔ اور اُن سادے خیالات کو لیے ہوے ہم ہر طرف بڑھے۔ اور اس جوش وخروش سے بڑھے کہ کسی کو روکنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اگرچہ غیر آباد اور بے علمی کی سرزمین سے چلے تھے مگر کل مہذب اور آباد دنیا کو اس شائستگی سے آناً فاناً طے کر گئے کہ کل حکما اور فلسفیون کو بھی حیرت ہو گئی۔ اُن دنون جو خیالات ہمارے دلون مین تھے وہ ہمارے اصلی خیالات تھے۔ اُن کا منشا صرف یہ تھا کہ ہم تمام دنیا مین تبلیغ رسالتِ محمدی کر دین۔ مشرق سے مغرب تک اور جنوب سے شمال تک جو کوئی ہو اسی توحید کا قائل ہو جائے جو ہمارے

پیغمبر برحق کی ہدایت تھی۔ اور جس کو اب بڑی فلسفیانہ نکتہ سنجیوں کے بعد یورپ تسلیم کرتا جاتا ہے۔ ہمارے خیال مین ہماری (یعنی تمام آدمیون کی) مخلوقیت کی فطرت زبان حال سے اسی مسئلۂ توحید کی تبلیغ کر رہی ہے۔ اور ہر انسان کا فرض ہے کہ عملی اور اعتقادی دونون حیثیتون سے اس مسئلہ کا پابند ہو۔ اس ابتدائی جوش توحید مین ہم نے یہان تک ترقی کی کہ ہمارے حرکات و سکنات۔ ہمارے رسوم و عادات ہمارے غم اور ہماری خوشیان سب مسئلۂ توحید کا آئینہ ہو گئین۔ ان کوششون سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ہم نے خدا کی جتنی بڑی خدمت کی وہ ہمارا ہی حصہ تھا۔ ایسی خدمت کہ ہمارے مقابلہ مین کوئی اور خدا کی خدمت کا دعوے کرے یہ تو درکنار۔ کوئی توحید کا نام بھی نہین لے سکتا۔ جب ہم نے خدا کے کام مین ایسی سرگرمی اور ایسی جانفشانی دکھائی تو خدا نے بھی اپنی برکتون اور اپنی رحمتون کو ہم پر عام کر دیا۔ مگر یہ دیکھنے کے قابل بات ہے کہ اس سادگی کے زمانہ مین ہم کیسے تھے؟ اور ہمارے خیالات کیا تھے؟ ہم تو ایسے تھے کہ ہماری خوشیان بالکل محدود تھین اور ہماری زندگی کے لیے بہت کم چیزون کی ضرورت تھی۔ جو اور خرما ہماری غذا تھی۔ بھیڑون اور اونٹون کے گلّے ہمارا سرمایہ تھا۔ ریگستان ہمارا بچھونا تھا۔ آسمان ہماری چھت تھی۔ کشادہ اور کھلے ہوے صحرا ہمارے صحن تھے۔ اور آسمان کے چمکتے ہوے تارے ہمارے گھرون کے چراغ تھے۔ رہا یہ کہ ہمارے خیالات کیا تھے؟ اُن کا حال سُنیے ہم اپنے نور ہدایت کی روشنیون کو اس قدر تیز پاتے تھے کہ نہ ہماری نظر مین یونان و روم کی وقعت تھی اور نہ ہم اسکندریہ اور مدائن کے علوم کی کچھ ہستی سمجھتے تھے ہادی برحق کے احکام کو سننا اور سُن کے سر جھکا دینا ہمارا کام تھا۔ اپنے سچے نبی کے وعدون کی طرف یقین اور اعتقاد سے سبقت کر کے دوڑنا ہمارا فرض تھا۔ تمام دنیا اپنی بے فکریان کے آگے ہیچ معلوم ہونے لگی۔ ہماری اس لاپروائی نے یہان تک ترقی کی کہ آخر زمانہ اپنی دولت۔ اپنے خزانے۔ اپنے بیش بہا ہدیے ہمارے سامنے لا لا کے پیش کرنے لگا۔ اور ہم اپنے بے مثل استغنا سے ان چیزون کو آنکھ اُٹھا کے نہ دیکھتے تھے۔

علامہ واقدی لکھتے ہین کہ جس وقت جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ
بیت المقدس پہونچے تو اس وقت مین تھے کہ اونٹ پر سوار تھے۔ جس کو
ساربانی کی خدمت تھی ایک منزل اونٹ کو وہ لیجاتا تھا آپ سوار ہوتے تھے۔
اور ایک منزل آپ اونٹ کو لے جاتے تھے وہ سوار ہوتا تھا۔ کُرتے اور ردا مین
بہت سے پیوند تھے۔ زاد راہ یہ تھا کہ ایک زنبیل مین ستو اور ایک مین خرمے
بھرے ہوے تھے۔ ظروف مین صرف ایک کٹھرا تھا۔ جو اس کام آتا تھا کہ
منزل پر پہونچ کے آپ اُترتے تھے۔ زمین پر بیٹھ کے اُس کٹھرے مین ستو گھولتے
تھے۔ اور تمام ہمراہیون کی طرف خطاب کرکے ارشاد فرماتے تھے۔ کلوا بحکم اللہ۔
یہ اُس شاہنشاہ کی وضع تھی جس نے مصر وعجم شام وروم کو فتح کیا تھا۔ الغرض
جب حضرت فاروق رضی اللہ عنہ بیت المقدس کی دیوارون کے نیچے پہونچ گئے
تو وہان کے بڑے راہب نے شہر کے دروازے کھول دیے۔ اور صاف کہدیا
کہ ایسے اہل تقوے اور بے نفس لوگون کی روکنے والی کوئی قوت نہین۔ مگر
اہل بیت المقدس نے اس پر بھی اکتفا نہ کیا۔ بلکہ مسلمانون کی بے نفسی کا ایک اور
امتحان لینا چاہا۔ مسلمانون نے شہر مین داخل ہونے کی جو تاریخ معین کی تھی
اُس تاریخ تڑکے ہی سے اہل روم اور اہل شام نے راستے مین دونون طرف
کے مکانات آراستہ کیے۔ تمام مال ودولت اور جواہرات لاکے زمین پر بچھادیے۔
حسین ونازنین لڑکیان جو اپنے حسن وجمال سے حوران جنت کا خیال بھی
بھلائے دیتی تھین۔ خوب بنا اُڑھا کے اور زیور سے آراستہ کرکے دونون طرف
دکانون مین بٹھادین۔ اس مین یہ امتحان مقصود تھا کہ مسلمان جو اب امان
دے چکے ہین اور حفاظت جان ومال کا وعدہ کر چکے ہین۔ دیکھین یہ دولت
اور یہ صورتین دیکھ کے اُن کی نیت قائم رہتی ہے یا بدل جاتی ہے؟ جس وقت
مسلمان شہر مین داخل ہوے سب کے آگے آگے جناب عمرؓ تھے۔ حضرت عمر
نے شہر کی یہ رونق اور یہ سامان دیکھ کے زور سے تکبیر کہی۔ اور فرمایا یہ کفار ہمین
دھوکا دیتے ہین۔ اور جانتے ہین کہ اُن کا دنیاوی سامان اور اُنکی یہ حسین لڑکیان
دیکھ کے ہماری نیتین بدل جائین گی۔ حالانکہ ہم مین سے ہر ایک شخص کی نظر مین

ان دنیاوی سامانوں سے زیادہ ذلیل کوئی چیز نہیں ہے"۔ بس اسکے بعد پھر کسی مسلمان نے اُدھر نگاہ اُٹھا کے بھی نہ دیکھا۔ نہ جناب فاروق نے اور نہ کسی اور شخص نے۔ ہمارے اُس زمانے کے خیالات کا اندازہ بس اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ دنیا کی دولت ہماری لونڈی تھی اور ہم اُس کی طرف متوجہ بھی نہ ہوتے تھے۔

مگر پہلا تغیر اُسی وقت سے شروع ہوا جب خدا نے اپنی نعمتیں ہمارے لیے عام کر دیں۔ دفعتہً ہم ایسے بدلے کہ یا تو ہم سے زیادہ جفاکش کوئی نہ تھا۔ اور ہر مصیبت اور ہر محنت کو بڑے صبر و استقلال سے ہم جھیل جاتے تھے۔ یا ایک ایسا زمانہ آیا کہ وہ عالیشان محل وہ رفیع عمارتیں ہمارا عشرتکدہ تھیں جن کا ذکر آج ہماری اور غیر قوموں کی تواریخ میں کہانی اور افسانہ معلوم ہوتا ہے۔ یورپ کا قصر حمرا اور بغداد کا قصر زبیدہ اور ہندوستان کے دیوان خاص و دیوان عام کے ایسے محل ہمارے عشرت کدہ بنے۔ جامع دمشق اور دلی کی جامع مسجد ہماری عبادت گاہوں کا نمونہ تھیں۔ زندگی تو زندگی مرنے کے بعد بھی ہمیں دائمی خواب مرگ کے لیے ایسی پر تکلف خوابگاہ ملی جن پر زمانہ حیرت کر رہا ہے۔ تاج بی بی کا روضہ ہمارے مقبروں کی ایک مثال ہے۔ اس عشرت کے ابتدائی دور میں تو ہم اچھے رہے۔ اور ہم نے بھی وہی کیا جو ایک لائق صاحب ثروت کے شایان ہے۔ علوم کی طرف توجہ کی تو اُنکا رتبہ آسمان کو پہونچا دیا۔ قدردانی کرتے کرتے خود ایسی مہارت بہم پہونچائی کہ دنیا نے ہماری عام شاگردی قبول کر لی اور ہم کو اُستاد مطلق تصور کر لیا۔ فنون اور صنعتوں کی طرف متوجہ ہوے تو گویا ذہانت اور ایجاد صرف ہمارا ہی حصہ تھا۔ ہماری اُس زمانے کی دولتمندی کے افسانے کون ہے جسے یاد نہیں؟ ہمارے ہی قصوں میں وہ مزہ تھا کہ ایشیا کی تمام آبادی کو فقط ہماری ہی کہانیاں مزہ دیتی تھیں۔ اور ایشیائی تھیٹر ہمارے گذشتہ حالات کی تصویریں دکھایا کرتے ہیں۔ زمانہ اور دنیا دونوں ان واقعات کا تذکرہ ہی نہیں سنا رہے ہیں۔ بلکہ ہماری اُس اقبالمندی کی سچی سچی یادگاریں بھی پیش کر رہے ہیں۔

قدرتی سبزہ زاروں یا سرسبز پہاڑوں سے دنیا کو جو کچھ خوبصورتی نصیب ہوئی ہو اُسکا ذکر نہیں۔ مگر فی الحقیقت اصل خلقت مین دنیا برہنہ تھی۔ ہم سے پہلے ترقی یافتہ قوموں نے اُسے لباس پہنایا تھا۔ مگر ہم نے ایک عمدہ فیشن کی طرح اُسکے لباس مین نہایت موزون ترمیم کی۔ صرف اتنا ہی نہین کیا۔ بلکہ لباس دنیا کی زیبا اور شایستہ قطع و برید کے علاوہ ہم نے دنیا کو اپنی چمکتی ہوئی عمارتون۔ سنہرے گنبدون۔ ضوء شمس پر چشمک زنی کرنے والے کلسون کا خوشنما زیور پہنا دیا۔ ہم سے پہلے دنیا ہرگز اتنی حسین نہ تھی جیسی اب ہے۔ مگر دیکھو کتنا بڑا تغیر ہوا! یا ہمین وہ تھے جنھون نے دنیا کو کبھی شوق اور دلچسپی کی نظر سے نہ دیکھا۔ یا ہمین وہ تھے جو دنیا پر ایسے عاشق ہوے کہ اپنی عمر کا سارا سرمایہ دنیا ہی کی نازبرداریوں اور اُسی کی فرمایشون پر صرف کر دیا۔

یہ عشرت پسندی جب حد سے گذر چلی تو پھر زمانہ کی تغیر پسند طبیعت نے دوسرا پہلو بدلا۔ ترقی کی ابتدا اور انتہا جب دونون اپنا اثر ہماری صورتون اور ہمارے حرکات وسکنات سے دکھا چلین تو سوا ادبار اور بدقسمتیون کے کون بات باقی رہ گئی تھی۔ اور ہم کیونکر اُس خمار کے صدمون سے بچ سکتے تھے جو ہر ترقی یافتہ قوم کے لیے لازمی ہین۔ افسوس! گویا دنیا ہی بدل گئی۔ اور ہم وہ تھے ہی نہین جنھون نے چاردانگ عالم مین کامیابی کا پھریرا اُڑایا تھا۔ جس طرح ہندوستان مصر کی اُستادی کرکے خود بالکل جاہل نظر آیا تھا۔ جس طرح ایران کی سطوت وجودت کو یونانی سیلاب نے محض ایک خیال یا نقش برآب ثابت کر دیا تھا۔ جس طرح مصر والے یونان کی تعلیم وتربیت کے لیئے اُبھرکے اور شہرت حاصل کرکے ناموری کی شہ نشین سے غائب ہو گئے تھے۔ جس طرح روما کے الوالعزم تمام مغربی دنیا مین شایستگی اور لیاقت پھیلا کے راحت طلبی اور عیش پسندی کے ہاتھون مورد سہام ہو گئے تھے۔ اور جس طرح ہر نامور اور مشہور قوم دنیا مین خوب چمک کے گمنامی کے دھندلکے مین آگئی تھی اُسی طرح ہم بھی جب خوب اچھی طرح کامیابی کا مزا اُٹھا چکے۔ جب ناموری کی دُنیا مین سب کو شکست دے چکے۔ جب علمی اور اخلاقی حیثیت

سے شہرۂ آفاق ہو چکے۔ اُس وقت نیکنامی کی شہ نشین سے ایسے نکلے کہ پھر اُبھرنے یا ترقی کرنے کی کوئی صورت نہ نظر آئی

اس وقت ہمارے خیالات بھی کچھ ایسی پستی اور زوال کی طرف مائل ہو گئے کہ ترقی کی کوششیں کیسی، کبھی خیال میں بھی نہیں آتا تھا کہ ہم کچھ کر سکیں گے گذشتہ عشرتوں نے ہم کو انتہا سے زیادہ راحت طلب بنا دیا تھا۔ اور موجودہ افلاس نے وہ سب سامان راحت ہم سے چھین لیا تھا۔ ایک ایسے عالم میں گذر ہوا جس میں دلچسپیاں ہر طرف بلاتی تھیں۔ شوق بار بار ہم سے قریب جانے کا تقاضا کرتا تھا۔ دل بیٹھا جاتا تھا۔ اور طبیعت کہتی تھی کہ بے سواری کے کون جائے۔ اور کیونکر جائیں۔ غرض دل میں جتنی باتیں تھیں سب اسی قسم کی تھیں۔ رہنے سہنے۔ اُٹھنے بیٹھنے۔ غرض کل معاملات میں اسی قسم کی دقتیں نظر آئیں۔ اگرچہ یہ پست ہمتی اُن دنوں بھی تھی جب ہم عیش دُنیوی کے لطف اُٹھا رہے تھے۔ مگر اُن دنوں اسکا ضرر چنداں محسوس نہ ہوتا تھا۔ کیونکہ ہمارے اشارے پر ارکان دولت ہر کام کا سامان کر دیا کرتے تھے۔ مجال نہ تھی کہ ہماری زبان سے کوئی کلمہ نکلے اور کوئی ٹال جائے لیکن اب معلوم ہوا کہ اپنا ذاتی محتاج ہونا ایسا مضر تھا۔ اب ہم گویا خدام کے منتظر بیٹھے ہیں۔ اور فارغ البال ہیں کہ وہ لوگ آ کے دم بھر میں ہمارے احکام کو انجام دے دیں گے۔ اور زمانہ کھڑا ہنس رہا تھا کہ یہ کس خیال میں ہیں۔ لوگ ہماری اس ذلت کی باشکستگی اور طفلانہ رعونت کو جنون سے تعبیر کرنے لگے۔

موجودہ زندگی جو اب ہم گذار رہے ہیں وہ یہی زندگی ہے۔ افسوس بہتوں کو خیال بھی نہ گذرا ہوگا کہ یہ ہمارا ہی حال ہے۔ اسی جنون اسی پست ہمتی اور اسی بے فکری میں تم بھی مبتلا ہو۔ لوگ کہتے ہیں کہ زمانہ گذرنے والا ہے۔ اور اسکی عمر کی نسبت یہی یقین ہے کہ ابھی بہت باقی ہے۔ جس سے خیال ہوتا ہے کہ علمی یا اخلاقی دنیا میں شاید ہم کبھی سنبھل سکیں۔ اصل تو یوں ہے کہ ہمیں کوئی امید نہیں باقی۔ اگر کبھی کسی قسم کی اُمید بندھی ہے تو وہی چار روز میں

نہایت بُری طرح سے مایوس کر کے دل سے رخصت ہو گئی ہے۔ اب کون ہے
سوا اُس پاک خدا کے جسکے آگے ہم اپنی التجا لے جائیں؟ اے پاک پروردگار
تو ہماری سُن لے۔ بس اب تیرا ہی آسرا ہے۔

ہمارے مذہبی جھگڑے

افسوس جب سے شروع ہوے۔ اُس وقت سے طول ہی کھینچے گئے
بلکہ روز بروز ترقی کرتے جاتے ہیں۔ اسلام کے فرقوں میں جو باہمی مخالفتیں
ہیں اُن کا ذکر تو اب صرف قصہ یا کہانی کی حیثیت رکھتا ہے۔ مگر ہاں شیعوں
اور سنیوں کی عداوت نے ایسا استقلال پکڑ لیا ہے کہ اس سے پیچھا چھٹنے کی اُمید
نہیں اس سے زیادہ صلاحیت کا کون زمانہ آئے گا؟ اس کا بھی تو امتحان
ہو گیا کہ دشمنان اسلام سڑکوں پر کھڑے ہو کر علی الاعلان نبی ہاشمی اور پیغمبر عرب
کی توہین کرتے ہیں۔ مگر ہمارے پابندان دین اُن کی طرف کبھی نہیں متوجہ ہوتے
اور باہمی نزاعوں ہی میں پڑے ہوئے ہیں۔

یہ مخالفت صرف ایک پولٹیکل کارروائی سے شروع ہوئی۔ بعد جناب
رسالتمآب صلعم کے جن لوگوں نے عنان خلافت ہاتھ میں لی ان کی نسبت
حضرات امامیہ کا خیال ہے کہ غاصب اور ناجائز فرمانروا تھے۔ کیونکہ اُنکے
نزدیک داماد رسولؐ اور زوج بتول حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو خلیفہ
ہونا چاہیے تھا۔ ہم اس بحث میں پڑنا نہیں پسند کرتے کہ کون حق پر ہے
اور کس کا دعوے باطل ہے۔ مگر اتنا دریافت کرتے ہیں ہمیں دونوں معذور
رکھیں کہ کیا جناب صدیق اور جناب علی مرتضیٰ کی وقعت اتنی بڑھی ہوئی ہے
کہ حضرت رسول صلعم پر جو سخت اور شرمناک حملے کیے جاتے ہیں ہم اُنکو بھی سُن
لیں؟ حضرات امامیہ سے اتنا پوچھنے کی بھی میں اجازت چاہتا ہوں کہ وہ
جھگڑا جس طرح ختم ہونا تھا ہوا خواہ جائز یا ناجائز طور پر حضرت صدیق خلیفہ
ہو گئے۔ اب تیرہ سو برس کے بعد آپ لڑ لڑ کے کیا جناب امیر کے حقوق مغصوبہ
واپس کر لے سکتے ہیں؟ اگر آپ وہ مغصوبہ حقوق لے سکتے ہوں۔ تو ہم آپ کو

اجازت دیتے ہین کہ شوق سے چھین لیجیے - اُن حقوق کے واپس لینے کے متعلق جو کچھ کارروائی آپ کرین گے اُس مین آپ کی مزاحمت نہ کی جائے گی - اور اسی طرح ہمین سُنیون سے یہ پوچھنا ہے کہ آپ اس قدر بگڑتے کیون ہیں؟ جو چیز جناب صدیق اور حضرت فاروق کو ملی تھی - اُنھین کے پاس رہی - اور تمام مورخین کے نزدیک بھی اُنھین کے پاس رہے گی - آج شیعہ چاہے لاکھ زور دین مگر خلافت آپ سے نہ چھین سکے　شیعہ اور سنی دونون عبرت کی آنکھ کھول کے دیکھین کہ جس چیز کے لیے وہ مدتون سے جوش وخروش کے ساتھ لڑتے آتے ہین وہ اسلام ہی سے چھین گئی - خلافت آج نہ سنیون کے ہاتھ مین ہے اور نہ شیعون کے ہاتھ مین - کاش اب اسی کی کوشش کیجاتی کہ روس جو ممالک شام وعراق سے قریب ہوتا جاتا ہے - اُسکو زک دینے مین شیعہ اور سنی دونون جان لڑا دیتے - اور کسی صحیح النسب یادگار نسل بنو فاطمہ کو خلیفہ بناتے - اسلام کو بھی تقویت ہوتی اور جھگڑا ابھی چُک جاتا جو صدہا سال سے چلا آتا ہے - اور شیعون کی بھی آرزو پوری ہوتی کہ حق بحقدار رسید یعنی خلافت بنو فاطمہ کو پہونچ گئی - اور سُنی بھی خوش ہوتے کہ ایک باجبروت و عظمت اسلامی قوت دنیا مین قائم ہوئی - مگر نہین ہمارے شیعون اور سنیون کی لڑائیان کچھ حاصل کرنے یا فائدہ اُٹھانے کے لیے نہین ہین - بلکہ اور اُلٹے اپنے پاس سے کھو دینے اور دین کو نقصان پہونچانے کے لیئے ہین -

سنہ ۶ کے پرچون مین ہم نے زوال اور تباہی بغداد کا حال لکھا تھا اُس سے اکثرون کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ بغداد کا ایسا با وقعت اور مشہور شہر صرف سنیون اور شیعون کے ہاتھون غارت ہوا - کوئی ذی فہم اور لائق شخص کتب تواریخ کی طرف توجہ کرے اور دیکھے تو اُس کی سمجھ مین آئے کہ سنیون اور شیعون کے جھگڑے نے اسلام کو کیسا ضعیف بلکہ غیرون کی نظرون مین ذلیل کر دیا - آہ! ان جھگڑون نے بغداد ہی نہین بہت سے شہر تباہ کیے - جاننے والے جانتے ہونگے کہ اگلے دنون نیشاپور نہایت ترقی یافتہ شہر تھا - محدثین اور طبقاتِ علما کی طرف توجہ کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ نیشاپور باعتبار علوم

کے ایسا شہر تھا جسکے مقابل بدما اور اتیھنز کی بھی کوئی وقعت نہ تھی۔ آج وہان سیکڑون کھنڈر پڑے ہوے ہین۔ اُن پر کھڑا ہوکے رونے والا نہ جانتا ہوگا کہ وہ کن عمارتون کے کھنڈر ہین۔ مگر ہم اُسے بتاتے ہین کہ آیا یہ نہ شاہی محل تھے۔ نہ وزرا و امرا کے دولتکدے تھے۔ یہ مدارس اور دارالعلوم کے گرے پڑے آثار ہین۔ ان مین ایک وقت علما اور فقہا بیٹھ کے درس دیا کرتے تھے۔ اور دنیا کے ہر گوشے سے طالبان علوم آ آکے اُنکے سامنے مودب بیٹھتے تھے اور حلقۂ درس مین شریک ہوا کرتے تھے۔

ہمارے اہل لکھنؤ کو اسی قدر معلوم ہوگا کہ نیشاپور اودھ کے خاندان شاہی اور دیگر عمائد شہر کے بزرگون کا وطن تھا۔ اور اُنھون نے یہان کے معززین کا نسب نامہ دریافت کرنے کے جواب مین سُنا ہوگا کہ یہ لوگ نیشاپوری ہین۔ مگر اسکو نہین جانتے کہ نیشاپور تھا کیسا شہر۔ اور قدیم تاریخون مین وہ کس وقعت کے ساتھ یاد کیا گیا ہے۔

نیشاپور کی آبادی اور وقعت اور اُسکی علمی ترقیون کا حال دریافت کرنے کے لیے جس قدر کتب تاریخ کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے اُسکا عشر عشیر حصہ بھی اسوقت ہم سے ممکن نہین۔ مگر ہان ہم بعض خاص واقعات بیان کرتے ہین جن سے ہمین اس مسئلہ مین مدد ملیگی۔ جس پر ہم بحث کر رہے ہین۔

۴۸۸ھ مین پہلا فتنہ یہ ہوا کہ کرامیہ اور اہل سنت مین ایک بہت بڑا جھگڑا شروع ہوا جس مین کرامیہ فرقہ کے لوگ ایک طرف تھے اور حنفیہ و شافعیہ دوسری طرف۔ شافعیہ کے مقتدا ابوالقاسم بن امام الحرمین ابوالمعالی الجوینی تھے۔ اور حنفیہ کے سرگروہ خاص محمد بن احمد بن صاعد تھے۔ یہ دونون اتفاق کے ساتھ کرامیہ کی مخالفت پر آمادہ ہوے۔ آخر انھین لوگون کو کامیابی ہوئی نیشاپور مین کرامیہ لوگون کا زور تھا۔ اُن کے بہت سے مدرسے اور دارالعلوم اور کتب خانے موجود تھے۔ جب حنفیہ اور شافعیہ غالب آگئے پھر کیا تھا۔ آتش تعصب بھڑک اُٹھی۔ اور کوئی بات نہ تھی جو اُٹھا رکھی ہو۔ کرامیہ لوگون کے تمام مدارس، کتب خانے، مکانات سب منہدم کر دیے گئے۔ اور اتنا بڑا فساد

ہوا کہ شہر نیشاپور کا بہت بڑا حصہ تباہ و برباد کر دیا گیا۔ خیر کرامیہ پر اگر ظلم کیا تو ظاہر میں اُس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ کیونکہ اس کے بعد پھر فرقۂ کرامیہ کو دنیا میں کبھی سر اُٹھانے کا موقع نہ ملا کہ اپنی مظلومیون کا انتقام لیتے۔

مگر شیعہ اور سُنی یہ دونوں فرقے موجود تھے ان کی عداوتون کی وجہ سے اگرچہ اسکے بعد نیشاپور پر اکثر تباہی آ گئی۔ مگر ۵۵۳ھ میں ایک بہت بڑا بلوہ ہو گیا اُن دنون سلطان محمود خان فرمانروائے خراسان تھا۔ اور اُس سے اور بلخ والون سے برابر لڑائیان ہو رہی تھین فقیہ مؤید بن حسین الموفقی مفتی شافعیہ تھے۔ اور علوین (جنھین شیعہ ہی سمجھنا چاہیے) کے سرگروہ زید بن حسن الحسینی تھے۔ اتفاقاً ایک شافعی شخص کے مار ڈالے جانے پر اتنا بڑا بلوہ ہوا کہ نیشاپور پر حسرت برس گئی۔ پہلے دونون گروہون میں لڑائی ہوئی۔ اور لڑائی کے انجام میں جب شافعیہ کو زک ملی تو علوین کی بن آئی۔ انھون نے تمام شہر پر تلوار بلند کر دی۔ بازارون میں آگ لگا دی گئی۔ اور بڑی بڑی عمارتون سے شعلے بلند ہونے لگے۔ فقیہ مؤید نے اس شکست کے بعد اہل طوس اور دیگر قرب جوار کے مقامات کے لوگون کو فراہم کر کے ایک فوج مرتب کی۔ اور دوسرا مقابلہ ہوا۔ اس لڑائی میں علوین کا مقدمۃ الجیش شافعیہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ جس پر علوین کو ایسا طیش آیا کہ اُنھون نے شافعیہ کو پھر منتشر کر دیا۔ اور نیشاپور پر دوبارہ تلوارین بلند ہونے لگین۔ تمام بازار۔ مساجد۔ اور مدرسے۔ سب میں آگ لگا دی گئی اور ہزارہا شافعی مار ڈالے گئے۔ فقیہ مؤید نے طوس میں بھاگ کے اپنی جان تو بچالی مگر نیشاپور میں گویا شافعیہ کے مدارس اور اُن کی تعلیم کا سلسلہ موقوف ہو گیا مگر نہین۔ ہمین شافعیون کے نکلنے کا افسوس نہین ہے۔ ہمین تو یہ صدمہ ہے کہ اُن کے ساتھ نیشاپور کی رونق اور علمی ترقی سب جاتی رہی۔ وہ نیشاپور کو تباہ کر کے نکلے۔

نہین اب بھی تباہی نیشاپور کا قضیہ باقی تھا۔ شاہ خراسان کے وزیر نے یہان پہونچ کے ۵۵۶ھ میں ابوالقاسم نقیب علوین کو گرفتار کر لیا اور کہا کہ تمھارے ہی سبب سے یہ فساد ہوا۔ اور تمام خرابیان ہوئین۔ اور بازار قتل

پھر گرم ہوا۔ اور علویین مین سے ہزارہا آدمی تہ تیغ ہوے۔ اور نیشا پور بالکل تباہ
و برباد ہو گیا۔ بلکہ یون کہنا چاہیے کہ اینٹ سے اینٹ بج گئی۔ اس خون ریزی
کے زمانے مین جامع عقیل جس مین بڑے بڑے مشاہیر علما کا مجمع تھا تباہ کر دی
گئی۔ خاص اُسی مسجد مین کئی کتبخانے تھے۔ اور انھین کتبخانون کی وجہ سے
نیشا پور اُن دنون مشہور تھا۔ علاوہ برین اس شہر مین بہت سے نامور مدرسے بھی
اس فتنہ مین برباد ہوے۔ آٹھ مدرسے خاص حنفیون کے اور سترہ مدرسے شافعیون
کے جن مین ہزارہا طالب علم درس پا رہے تھے۔ اور نیشا پور کی برکتین تمام دنیاے
اسلام مین پھیلا رہے تھے۔ ایسے برباد ہوے کہ نام بھی نہ رہا۔ اس شہر مین بارہ
بہت بڑے جلیل القدر کتبخانے تھے۔ اُن میں سے پانچ مین تو آگ لگا دی گئی۔
اور جل کر خاک سیاہ ہو گئے اور سات اس بے رحمی سے لوٹے گئے کہ بالکل پتہ
نہ لگا۔ اور وہ قیمتی اور بے مثل کتابین ایسی کم قیمت اور بے دامون خراسان کے
بازارون مین بکین کہ علم کی اُس سے زیادہ توہین ممکن نہیں ہے۔ یہ کتنا بڑا
عظیم الشان نقصان تھا اور عام نظرون مین یہ تباہی کس قدر زیادہ معلوم ہوتی ہے
مگر مورخین کے نزدیک یہ واقعہ اس سے بدرجہا زیادہ بڑھا ہوا تھا۔ علامہ ابن اثیر
فرماتے ہین کہ نیشا پور کو اس فتنہ مین اسکے علاوہ جو اور نقصان پہونچا اُس کا
شمار اور اندازہ غیر ممکن ہے۔

بہر حال اسکو زمانہ جانتا ہے کہ نیشا پور کے علوم و فنون کو شیعون اور سُنّیوں
نے لڑ جھگڑ کے خود آپ اپنے ہاتھ سے کھویا۔ وہ تو جو ہونا تھا ہوا۔ کہنے والے
کہدینگے کہ خدا کی مرضی یہی تھی۔ افسوس صد ہزار افسوس۔ اسکو کوئی کیا کرے کہ آج
بھی یہ دونون فریق اُسی جہالت اور اُسی حماقت سے لڑے جاتے ہین۔ اے
خدا تو انھین کیا چشم بینا نہ دے گا؟

مسلمان اور عیسائی

اب بہت زیادہ ضرورت ہے کہ ان دونون قومون کے قدیم و جدید تعلقات
پر عمدہ طور سے غور کیا جائے۔ تعصب اور مذہبی غلو کا زمانہ گذر گیا اور روز بروز

گذرتا جاتا ہے وہ باتین قدیم ارسطو اور افلاطون کے فلسفہ کی تقلیدی تعلیم کے ساتھ بھی چلی جاتی تھین - جنھون نے آج کل کے بہت بڑے بڑے دہریون کی نظر مین مذہب ہی کو تمام مظالم اور خونریزیون کا باعث قرار دے دیا ہے - اور جن کے جواب مین شاید پوپ روم تک کو ساکت ہو جانا پڑا - اب روز بروز زیادہ وضاحت کے ساتھ معلوم ہوتا جاتا ہے کہ اصلی مذہب ان الزامون سے بَری تھے - اور جس قدر اعتراض کیے گئے ہین یا ہو سکتے ہین وہ صرف بعض اہل مذہب کے جاہلانہ تعصبات پر ہین - مگر پھر بھی ہمین تھوڑا بہت غور ضرور کرنا چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ عیسائیون نے قدیم زمانہ مین مسلمانون کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا - اور مسلمان مسیحیون سے کس طرح پیش آئے -

نبی ناصری یا حضرت مسیحؑ کے بعد دین مسیحی نے ایک فوری ترقی کی - اور تھوڑے ہی عرصے مین تمام مغربی دنیا کو گھیر لیا - قیاصرۂ روم کے دربار نے بڑے ذوق وشوق بلکہ بڑے جوش وخروش سے اس مذہب کو قبول کیا - جنکی وجہ سے یورپ کے وحشیون سے بت پرستی اور اُنکے مجنونانہ خیالات چھوٹے - اُدھر اس دین نے جسکی روحانیت کا بہت بڑا دعوے کیا جاتا ہے مصر سے بڑھ کر افریقہ کا بھی بہت زیادہ حصہ فتح کر لیا - مغربی ایشیا کے ممالک جن مین ایشیاے کوچک، شام وارض فلسطین داخل تھے - وہ سلطنت روم ہی مین شامل تھے - یہان بھی یہود پر دست درازیان کی گئین اور علیسویت روزافزوں ترقی کرتی رہی - صرف زردشتی سلطنت نے جو مشرق کی طرف نہایت مضبوط حدبندی کیے ہوے تھی کسی طرح دین مسیحی کو مشرقی دنیا مین قدم نہ بڑھانے دیا -

مسیحیون نے اپنی اس ترقی اور فتحمندی کی رفتار مین دیگر اقوام کے ساتھ جیسا برتاؤ کیا اُس کے بیان کرنے کی ہمین کچھ ضرورت نہین - کیونکہ ہم دین مسیحی کو بمقابل دین اسلام کے دیکھنا چاہتے ہین - نہ دیگر اقوام کے مقابل مین - دنیا خبر جانتی ہے کہ اُس وقت مسیحیون مین کسی قسم کی شائستگی نہ تھی - اور اگر تھی تو ایسی کہ فلسفہ کی کتابین مضر اور لامذہب بنانے والی تصور کر کے کلیسیا کی کوٹھریون مین مقفل کر دی گئین اور اُن پر متعصب مقتدایان دین مسیحی کا پہرہ بٹھایا گیا تھا -

اس کا ثبوت اس سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے کہ جب ساتوین صدی مین دولت عباسیہ کی جانب سے قیصر روم کو لکھا گیا کہ فلسفہ اور حکمت کی کتابین جس قدر بہم پہونچ سکین بھیجی جائین - اس وقت دولت روم کے تمام مسیحی علما ہ نے یہ آخری فیصلہ کیا کہ "یہ کتابین مسلمانون کو ضرور دی جائین - اس لیے کہ تھوڑی ہی مدت مین ان کتابون سے اُن کا جوش مذہبی فرد ہو جائے گا"۔ الغرض یہ ثابت ہوا کہ اُن دونون فلسفہ کی نسبت یورپ کے یہ خیالات تھے - اور اسی وجہ سے اُن کی جانب جیسے تعصبات اور جیسی زیادتیان منسوب کی جائین جائز تصور کی جائین گی - اور اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ یہود پر بہت سخت ظلم ہوے - اُنکی عورتین پکڑکے لونڈیان بنائی گئین - اور وہ خانمان برباد کر دیے گئے - یہود تو یہود خود مسیحیون نے بعض اپنے ہی مغلوب فرقون پر ایسے جور کیے کہ اُنکو کہین ٹھہرنے اور اور قدم جمانے کی جگہ نہ ملتی تھی - عرب جہان کے صحراؤن اور کوہستانون مین ٹھوکرین کھاتا اور بت پرستون کے پڑوس مین بے امنی کے ساتھ زندگی بسر کرنا کوئی با اطمینان اور مہذب شخص نہین گوارا کر سکتا تھا وہان بھاگ بھاگ کے یہودی اور مغلوب مسیحی فرقے پناہ گزین ہوے تھے - تمام تاریخین رکھنا خود عیسائی مورخون کو اعتراف کرنا پڑا ہے کہ اُن کے قدیم اہل مذہب کے ہاتھون نے دنیا پر بڑے بڑے ظلم کیے - اور حضرت مسیح کا قول سچ ہوا کہ "مین امن وامان لیکے نہین آیا ہون بلکہ قتل وخونریزی لے کے آیا ہون"۔ جناب مسیح کی پیشین گوئی چھٹی صدی تک پوری ہوتی رہی -

یہان تک کہ وہ وقت آگیا جو اُن خونریزیون کا انتقام لینے کے لیے معین کیا گیا تھا - جناب رسالتمآب پیدا ہوے - اور آپ کی تعلیمات آہستہ آہستہ جزیرہ نماے عرب مین پھیلتی رہین - آخر تمام اہل عرب اُس علم نبوی کے تابع ہو گئے - اور سرزمین عرب کے ہر ہر کونے سے کلمۂ توحید کی آواز اس جوش و خروش سے بلند ہوئی کہ ظالم دربارداران روم اور غفلت شعار تاجداران عجم یک بیک چونک پڑے - اُس آواز حق کے دبانے کی کوشش مین انتہا سے زیادہ سرگرمیان دکھائی جانے لگین - مگر سہ

چراغے راکہ ایزد برفروزد — کسے کو پف زند ریشش بسوزد

رومیون کے جھنڈے کے نیچے یونانیوں کو پیہم شکستین ہونے لگین۔ مسلمانون نے موقع پاکے یکایک سرزمین عرب سے باہر قدم نکالا۔ اور اُن دونون کی وہ سلطنتین جو مذہب کی وکالت مین آئے دن آدمیون کے خون سے اپنے ہواخواہون کی تلوارین رنگا کرتی تھین اُن کی جولان گاہ قرار پا گئیں۔ مسلمانون کی متواتر فتوحات نے اُنکے حوصلے اور بڑھا دیے۔ اور وہ ایران وشام کی مہمیں سر کرکے ملک مصر مین گھسے۔ اور قبطیون کی سلطنت کو پامال کرتے ہوے ایسے بڑھے کہ تمام بر اعظم افریقہ کو طے کرکے سواحل بحر مغرب تک پہونچ گئے۔

یہ پہلا زمانہ تھا کہ جس وقت مسلمان عیسائیون کی تقدیر کے مالک بنے تھے زیادہ تر یہی دیکھنا ہے کہ مسلمانون نے اُسوقت عیسائیون کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا۔ مسلمانون کو جتنی لڑائیاں لڑنا پڑین باستثناے بلاد عجم کے سب مسیحیوں سے تھین اُن کو زبان حضرت رسالت سے معلوم ہو چکا تھا کہ عیسائی لوگون مین یہود کی ایسی قساوت نہین ہے۔ بیشک اس خیال سے وہ مسیحیون کو نہ ستاتے۔ مگر کیا کرتے جبکہ اُن کی بیخ کنی کے لیے سلطنت روم مین بڑے تزک واحتشام سے فوجین جمع کی جا رہی تھین۔ اور اگر خلیفۂ اول جناب صدیق اپنی طرف سے فوجین نہ روانہ کرتے تو بیشک یونانی سپاہی حدود عرب مین آکر بازار جنگ گرم کر دیتے اور اُن طبائع مین پھر برہمی آجاتی جو اُسی وقت ندامت کے ساتھ اپنے ارتداد سے تائب ہوئی تھین۔ قیصر روم کے حملہ روکنے کے لیے مسلمانون نے بھی سرگرمی سے مستعدی ظاہر کی۔

باوجودیکہ رومی فوجین مسلمانون کی پوری دشمن تھین۔ اور اہل حجاز کو اُن سے کسی رعایت کی امید نہ تھی۔ مگر جو احکام اور نصائح حضرت صدیق رضی اللہ ہر سردار کی روانگی کے وقت ارشاد فرماتے تھے اُن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمان صرف اپنی حفاظت یا کلمۂ توحید کے رواج دینے کی غرض سے بڑھے تھے۔ کوئی دنیاوی طمع یا خون ریزی کا شوق یا متعصبانہ جوش اُنکے دل مین نہ تھا۔ یہ ہدایات کہ "بارآور اور سایہ دار درخت نہ کاٹے جائین۔

کھیتیان پامال نہ کی جائین۔ عورتین۔ بچے۔ بوڑھے۔ اور ضعیف ومریض ہرگز نہ قتل کیے جائین "۔ اور سب سے زیادہ بے تعصبی کی وضاحت اس حکم سے ہوتی ہے کہ "وہ گوشہ نشین راہب اور مقتدایان دین مسیحی جو گرجون مین عزلت گزین ہو گئے ہین اُن پر ہرگز تلوار نہ بلند کی جائے "۔ یہ نصیحتین نہ تھین بلکہ یہ واجب التعمیل احکام تھے۔ جن کو ہر مسلمان سپاہی اپنے بازو پر باندھ کے چلا تھا۔

میور صاحب جنھون نے مسلمانون کو الزام دینے کی بڑی بڑی کوششین کی ہین وہی اپنے تذکرۂ پیغمبر اسلام کے دوسرے حصے مین لکھتے ہیں کہ رسول اللہ نے بنی حارث اور بنی نجران کے اسقف اعظم اور دیگر اساقفہ کو اور نیز اُنکی پیروی کرنے والون اور راہبون کو اس مضمون کا خط لکھا تھا کہ ہر چیز خواہ قلیل ہو خواہ کثیر جس حیثیت سے اب تمھارے کنیسون اور خانقاہون میں ہے، اسی حیثیت سے وہ تمھارے قبضے مین رہیگی۔ اور تم اُسی طرح اُسے اپنے کام مین لاؤ جس طرح اب لاتے ہو خود خداوند عالم اور اُس کا رسول عہد کرتا ہے کہ کوئی اسقف اعظم اپنی عملداری سے اور کوئی راہب اپنی خانقاہ سے اور کوئی اسقف اپنے عہدے سے برخاست نہ کیا جائے گا۔ اور اُنکی حکومت اور اُنکے حقوق مین کسی قسم کا تغیر وتبدل نہ کیا جائے گا۔ اور نہ اُس بات مین کچھ تغیر ہوگا جو اُن میں مرسوم اور مروج ہو۔ اور جب تک وہ صلح وآشتی اور تدین کو اپنا شعار رکھین گے ظلم وجور نہ کیا جائے گا۔ نہ وہ کسی پر ظلم وجور کرنے پائین گے "۔

اس سے بھی زیادہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی وہ منصفانہ اور غیر متعصبانہ کارروائی ہے جو شہر بیت المقدس مین داخل ہونے کے وقت اُن سے ظاہر ہوئی۔ ۶۳۷ء مین جب حضرت عمر بیت المقدس مین گئے تو گھوڑے پر سوار سفرونیوس اسقف اعظم سے بیت المقدس کی عمارات قدیم وغیرہ کا تذکرہ کرتے ہوئے شہر کے اندر گئے اور جب نماز ظہر کا وقت آیا تو خلیفہ نے اُس کلیسائے بزرگ مین نماز پڑھنا نہ منظور کیا جہان اُس وقت کھڑے ہوئے تھے۔ بلکہ ایک اور

کلیسا کے زینہ پر فریضۂ ظہر ادا کیا۔ اور اسقف اعظم سے مخاطب ہو کر فرمایا۔
"اگر میں اس کلیسا کے اندر نماز پڑھتا تو آئندہ مسلمان اُس معاہدے کے خلاف کرتے جو ہم سے تم سے ہو گیا ہے۔ اور یہ حیلہ کرتے کہ جب خود خلیفہ نے اس گرجا میں نماز پڑھی تو پھر ہم کو کون مانع ہے"
ان تمام نظائر و شواہد سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اہل اسلام کا برتاؤ مسیحی راہبوں کے ساتھ کیسا تھا۔ اُنکو پوری آزادی دی جاتی تھی اور اُنکے حقوق کی نگہداشت کی جاتی تھی۔ جو عہد کر لیا جاتا تھا اُس پر ہر مسلمان عملدرآمد کرتا تھا بلکہ اس سے بھی زیادہ یہ پختگی تھی کہ جانشینان خلافت اسلام جنھوں نے شخصی حکومت قائم کر کے اپنی زبانوں کو قانون بنا دیا تھا، وہ بھی اُن عہدناموں کی پوری پوری تعمیل کرتے تھے۔ عہد کا پورا کرنا اور باوجود اپنے نقصان کے اُس پر قائم رہنا مسلمانوں ہی کا حصہ تھا۔ جس کی نظیر اُس وقت کی دیگر اقوام تو درکنار شاید اُن سے پہلے اور بعد بھی کسی قوم میں نہ پائی گئی ہو گی۔
اکثر راہبوں اور کلیسا کے گوشہ نشینوں نے مسلمانوں کے ساتھ دغا کی۔ اُنکو فریب دیے۔ مگر اُن کا یہ عالم تھا کہ اُن راہبوں پر دانت کِلکِلا کِلکِلا کے رہ جاتے اور کچھ نہ کر سکتے تھے۔ دشمن لڑنے والوں کو بھی جان بچانے کا یہ نہایت عمدہ پہلو دے دیا گیا تھا کہ جزیہ کے نام سے سالانہ ایک رقم ادا کریں۔ جو سلطنتوں کے معمولی خراج سے بہت کم تھی۔ اور جس کی ادائی کے بعد اُن لوگوں کا خون بھی ویسا ہی حرام ہو جاتا تھا جیسا کہ کسی مسلمان کا خون حرام ہو۔ یہ وہ رقم تھی جس پر مسلمان اپنی حفاظتی یا حسب بیان الزام دینے والے مورخین کے اپنی حملہ آوری کی کارروائیوں کا اختتام کیا کرتے تھے۔ مسیحیوں کو امن کے بعد اپنے گرجوں میں جانے۔ اپنی نماز ادا کرنے۔ اپنے مذہبی مراسم بجا لانے کا اختیار دیدیا جاتا تھا۔ جس تہذیب کے ساتھ۔ مسلمانوں نے فوجی زیادتیوں اور سپاہیوں کی دست درازیوں کو روکا ہے۔ اور تاخت و تاراج کی کارروائیوں کو ضابطہ کے ساتھ ایک مہذب قانون کا پابند بنا دیا ہے وہ شاید انھیں کا حصہ تھا۔ اور کوئی فاتح قوم اس امر میں اُن کی برابری کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ ہر حملہ آور کو الزام دے دینا

نہایت آسان ہے - مگر اس کی حالت اور اُسکی مجبوریون کا لحاظ کیا جائے - تو وہ معمولی تہذیب نہ تھی جو نبی عربی پر ایمان لانے والون اور پیروان اسلام سے ظاہر ہوئی -

مسلمانون کے اُس فتحمندی کے سیلاب نے قبطیون اور آتش پرستون کا خاتمہ کردیا - عیسائی مذہب البتہ اس زور شور سے دنیا پر حاوی تھا کہ مسلمانون نے اگرچہ سلطنت روم کو تباہ کردیا مگر دین عیسوی کو زک نہ دیسکے -

اب یہ زمانہ گذر گیا - اور وہ زمانہ آیا جب بنی امیہ اور خاندان عباسیہ کی فرمان روا خلافت کے نام سے دنیاے اسلام پر حکومت کر رہے تھے - اُن دنون اگرچہ وہ اگلے خلفا کے باندھے ہوے اصول ٹوٹ گئے تھے اور اسلام مین ایک نمایشی شان وشوکت ظہور پذیر ہوئی تھی - جس سے کم امید ہوسکتی تھی کہ مسلمان فرمانروا اپنی دینی وقعت اور عزت کے خیال سے کسی غیر قوم والے کی بھی کچھ وقعت کرین گے - مگر نہین - اُن کی عدل پروریون سے عیسائیون بلکہ عموماً دیگر اقوام کے لیے ترقی کے دروازے کھل گئے تھے - سیکڑون عیسائی اور مجوسی نکلین گے جو پچھلے خلفا کے دربارون مین بڑی عزت و وقعت سے جگہ پاتے تھے - اُنکے علوم کی قدر ہوتی تھی - اُنکا داب و وقار مانا جاتا تھا - اور نہایت فخر کے ساتھ اُن کی شاگردی کی جاتی تھی - علوم و فنون کی دنیا مین اگرچہ خاص مسلمانون نے بہت بڑی نمایان ترقی ظاہر کی - مگر عموماً انکی شاگردی کا اعتراف کر رہے ہین - اب اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ تعلیم مین گوکہ زیادہ حصہ دینیات کا تھا مگر بعض مدارس کے پرنسپل عیسائی حاکم مقرر کیے گئے - بیت الحکمۃ جو مسلمانون کی ترقی علم کا سرچشمہ تھا - اُس مین اکثر مترجم اور علما عیسائی ہی تھے - جن سے کبھی بوجہ مخالفت مذہب کے ناراضی نہین ظاہر کی گئی - بلکہ اور خاطرداری کا برتاؤ رہا - ان مین سے بعض نے دین اسلام قبول بھی کرلیا - اور بعض آخر تک اپنے مذہب پر قائم رہے -

خلفاے بنو امیہ مین سے ولید بن عبدالملک نے جامع دمشق کی تعمیر کے وقت ارادہ کیا کہ ایک گرجے کو جو اُس کے پڑوس مین تھا منہدم کرکے مسجد مین

ملالے - اگرچہ ولید کوئی منصف مزاج خلیفہ نہین مانا گیا ہے - مگر اس کارروائی
مین بھی اُس نے مسیحیون کی یہ رعایت کی کہ اُس گرجے کو مول لے لینا چاہا -
عیسائی جس قدر قیمت طلب کرتے وہ دینے کو موجود تھا - مگر مسیحیون نے
شاہی رحمدلی کی بالکل قدر نہ کی اور صاف انکار کر دیا - جس پر ولید نے
ناراض ہو کر حکم دیدیا کہ وہ گرجا زبردستی توڑ کے جامع دمشق مین ملا لیا جائے -
اُس وقت مسیحی لوگ روپیہ لینے پر راضی ہو گئے - مگر ولید کا مزاج برہم ہو چکا
تھا - اُس نے ذرا پروا نہ کی - روپیہ دینے سے بھی اب انکار کر دیا اور وہ گرجا
بھی منہدم کر کے مسجد مین شامل کر لیا - جو عیسائی طبائع اس واقعہ سے غضبناک
ہوئی ہونگی آخر خلیفہ عمر بن عبد العزیز نے اُنکے آنسو پونچھے - اور حاکم دمشق
کے نام فرمان جاری کیا کہ ولید نے گرجے کو توڑ کے جس قدر مسجد مین اضافہ
کر لیا تھا وہ حصہ ڈھا دیا جائے - اور عیسائیون کو اجازت دی جائے کہ
وہان اپنا گرجا بنا لین - اسکے علاوہ اور بھی بہت سے ایسے واقعے نکلین گے
جن سے مسلمانون کی اعلیٰ فیاضی اور رحمدلی ثابت ہوگی - مصر کے گرجون کے
ساتھ بھی اسلامی حکومتون نے ایسا ہی برتاؤ کیا - یعنی وہان کے پہلے ایک
گورنر نے تمام کنیسے مسمار کر دیے تھے - مگر پھر اُسکے بعد ایسا انصاف پسند اور
رحمدل حاکم آیا جس نے وہ تمام کنیسے شاہی خزانہ پر بار ڈال کے تعمیر کرا دیے -
شخصی سلطنتون مین یہ ہمیشہ ہوتا رہا ہے کہ کبھی کچھ اور کبھی کچھ - اسی وجہ سے
اس قسم کی مختلف کارروائیان ہوتی تھین - بخلاف عیسائیون کے جو گویا رحمدلی
کو بالکل بھول گئے تھے - اُن مین رحمدلی کے نظائر بالکل نہ ملین گے - اُن کی
عام حالت ظلم وجور کی تھی - اور دیگر مذاہب کے حق مین ایک سے ایک
بڑھ کر جابر بادشاہ ہوا - جن کی وجہ سے یورپ مین خونریزی کا ایسا مسلسل قانون
جاری ہو گیا تھا جس کی کوئی انتہا نہ تھی -

اس موقع پر وہ واقعہ بھی نقل کرنے کے قابل ہے جو مولانا شبلی نے اپنی
کتاب المامون مین بیان کیا ہے کہ عبد المسیح بن اسحق کندی جو ایک عیسائی عالم
اور معزز عہدے پر ممتاز تھا - مامون کے ایک عزیز کا دلی دوست تھا - اس

ہاشمی نے عبد المسیح کو نہایت نرم لفظون مین ایک دوستانہ خط لکھا کہ اگر آپ مذہب اسلام قبول کرلین تو خوب ہو۔ مجھ کو افسوس ہے کہ ایک ایسے سچے مذہب کی طرف جیسا اسلام ہے آپ اب تک مائل نہین ہوے۔ اس خط کے جواب مین عبد المسیح نے جو کچھ لکھا۔ جب تک کوئی شخص خود نہ دیکھ لے۔ اُس کا اندازہ نہیں کر سکتا اُس برگزیدہ رہنماے خلق یعنی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید اور صحابہ کی نسبت وہ الفاظ لکھے کہ سُن کر دل کانپ جاتا ہے اس کی نسبت مولوی شبلی صاحب ہی کا فیصلہ نہایت عمدہ ہے۔ کہ عبد المسیح اگر اِس زمانہ مین ہوتا تو تعزیرات ہند کی حدود میں ضرور آجاتا۔ مگر مامون ہی ایسا شخص تھا جس نے عبد المسیح کی متعصبانہ تحریر کو انتقام یا جوش مذہبی کی نظر سے نہ دیکھا۔

اس زمانہ کے بعد جب صلیبی لڑائیان شروع ہوئین۔ اُن دنوں مسیحیون کے ساتھ جیسے برتاؤ اہل اسلام کی جانب سے کیے گئے ہین تمام کتب تاریخ مین انکی شایستگی کی شہادت موجود ہے۔ خود سلطان صلاح الدین جسکی سطوت اور شجاعت کو یورپ کا بچہ بچہ جانتا ہے اُس نے اگرچہ عیسائیون ہی کے مقابلہ مین زندگی گذاری اور کامیاب ہوتا رہا۔ اگرچہ مسیحیوں نے اُسکے اشتعال طبع کے متعلق کوئی کارروائی نہین اُٹھا رکھی تھی مگر وہ ہمیشہ اُسی شریفانہ برتاؤ سے پیش آیا جو ایک مہذب دلیر کے شایان ہے۔ گبن اور دیگر منصف مزاج مورخون نے تسلیم کرلیا ہے کہ صلاح الدین کے شریفانہ چال چلن کے آگے وہ شیر دل شاہ رچرڈ جس پر انگلستان کو آج تک ناز ہے اور ہمیشہ رہیگا۔ کوئی چیز نہ تھا۔ رچرڈ کی طبیعت مین ظلم و جور تھا۔ جو سچی بہادری اور اصلی شجاعت کے بالکل خلاف ہے۔

وہی بیت المقدس جس مین تھوڑی ہی مدت پہلے اَسّی ہزار مسلمان تہ تیغ کیے گئے تھے۔ جب صلاح الدین نے اُسے فتح کیا ہے تو وہ مسیحیوں کے قدیم مظالم کا پورا بدلہ لے سکتا تھا۔ اور خود عیسائیون کو اسکا یقین تھا۔ ہر عیسائی عورت اور بچہ اُس وقت دل ہی دل مین کانپ رہا تھا کہ دیکھیے اب مسلمان کیا کرتے ہیں۔ مگر صلاح الدین نے رحم سے کام لیا۔ اور اُس نے ایسی رحمدلی ظاہر کی کہ لوگون کو حیرت ہوگئی۔ اُس نے حکم دیا کہ ہر مرد اپنی طرف سے دس دینار اور ہر عورت پانچ دینار

اور بچون کی طرف سے ایک ایک دینار چالیس دن کے اندر داخل کردیا جائے اور جو لوگ ادا نہ کرسکین گے وہ مسلمانون کے غلام ہو جائیں گے اور اُنکو آزادی کا کوئی حق نہ ہوگا - باوجود اسکے کہ یہ بہت کم رقم تھی اس پر بھی ہزار ہا مسیحی نہ ادا کرسکے - جن کی حالت دیکھ کے اُسکا دل نرم ہوگیا - اور آخر اُس نے سب کو چھوڑ دیا - جس وقت یہ لوگ نکلے ہین - صلاح الدین کی آنکھون سے آنسو جاری تھے - یہان کا عیسائی بادشاہ پہلے ہی مسلمانون کے ہاتھ مین گرفتار ہوگیا تھا - جب صلاح الدین اُس کی ملکہ سے ملا ہے - تو اُس کی آنکھین نم تھین - رونا جاتا تھا اور باتین کرتا جاتا تھا -

یہ وہ تمام فیاضانہ برتاؤ تھے جو مسلمانون کی جانب سے مسیحیون کے ساتھ کیے گئے - ہم کو یہ دعوی نہین ہے کہ عیسائیون پر مسلمانون نے کبھی ظلم کیے ہی نہین - بیشک بعض اوقات بعض جاہل اور متعصب حکمرانون نے اس قسم کے جور کیے کہ اُنکے معابد اور کنیسے ڈھا دیے اور مذہبی توہین کی - لیکن تاریخ ہی بتاتی ہے کہ ہمیشہ اُن مظالم کا نہایت عمدہ معاوضہ ہوگیا - اور اس دلشکنی کے عوض ایسی دلدہی کی گئی کہ عیسائی اپنی مظلومیت کو بھول گئے - درمیانی زمانہ جس وقت کہ یورپ مین کروسیڈ کا جوش رہ رہ کر اُبھرتا تھا - اُن دنون یہ عام قاعدہ تھا کہ یوروپین جہاز جب کبھی مسلمانون کے قبضے مین آجاتا تھا تو اُسکے تمام مسافر زن ومرد بلا امتیاز و استثناء مصر وشام کے بازارون مین لاکر بیچ ڈالے جاتے تھے - اہلِ اسلام کے جہازون کے ساتھ فرانس کے لوگون کا برتاؤ اُس سے زیادہ سخت ہوا کرتا تھا - یعنی جو مسلمان گرفتار ہوتے تھے شاید اُن مین سے دوچار بچا لیے جاتے ہون ورنہ عموماً اکثر اُن کی بڑے بڑے کنیسون اور گرجون پر قربانی چڑھا دی جاتی تھی - جب تاریک زمانے مین میڈیٹرینین سی (بحیرہ روم) کی لہرین ایسی ظالمانہ شوخیان کررہی تھیں اور وہ سمندر اِن قزاقون کا اکھاڑہ بنا ہوا تھا اُسکو ابھی زیادہ زمانہ نہین گذرا - دولت عثمانیہ کے دَور تک یہ مظالم موجود تھے - اس سے کوئی انکار نہین کرسکتا کہ عیسائیون کا برتاؤ اُس دریائی رہزنی مین مسلمانون کے اعتبار سے بہت ظالمانہ تھا - ہان یہ تعدی یا مسلمانون کی بہادری کا نتیجہ تھا کہ

زیادہ جہاز عیسائیون ہی کے گرفتار ہوے - چونکہ اُن دونون قوت کے اعتبار سے مسلمان بہت زیادہ تھے - لہذا یورپ پر اُن کا ایک رعب بیٹھ گیا - اور اکثر عیسائیون نے بے لڑے بھڑے اپنی قسمت مسلمانون کے سپرد کردی - اسی وجہ سے مسلمان کامیاب ہوے -

دولت عثمانیہ جسکی عداوت پر اب سارا یورپ آمادہ ہے اور جسکے ضعیف کرنے اور جسکے تباہ کرنے کے لیے سیکڑون برس سے پوشیدہ سوسائیٹیان قرار دی جا رہی ہین - اور ہولی الاینس کا جال تمام عیسائی دول یورپ پر ڈالا گیا ہے جسکی رعایا اُس سے باغی کی جاتی ہے اور بڑی بڑی کوششون سے بغاوت کے جھنڈے بلند کرائے جاتے ہین - اُس کی جانب سے بھی مسیحیون کے ساتھ ایسی ایسی فیاضیان کی گئی ہین کہ اگر مسلمان عیسائیون کے زیر فرمان ہوتے تو ہرگز ایسی رعایتون کے امیدوار نہ ہوتے - وہ زبردست فاتح جس کی تلوار نے سارے یورپ کو لرزا دیا تھا - اور جسکی حوصلہ مندیون نے کروسیڈ والون کے بھی حوصلے پست کر دیے تھے - وہ کون ؟ سلطان محمد ثانی - جس نے قسطنطنیہ کو فتح کیا - اور اُس شہر پر ہلالی جھنڈا اُڑا دیا جسکے گرد مسلمانون کی بہت سی زبردست قوتون کو زک مل چکی تھی - اور جسکی دیوارون کے نیچے عبد اللہ بن ابی ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا ایسا جلیل القدر صحابی چھ سو برس تک ایک گمنام لحد مین خواب عدم کی نیند مین پڑا رہا - اُسی زبردست مجاہد اور فاتح کا ذکر ہے کہ جب ۱۴۴۴ء مین ہنیاڈس والوودنے شہر وارنا کا محاصرہ کیا جو محمد ثانی کے قبضے مین تھا اُسوقت جارج برنکووش سے جو گریک چرچ کا مقتدا تھا - ہنیاڈس سے پوچھا کہ ”اگر آپ کو فتح حاصل ہوئی تو کیا کیجیے گا؟“ ہنیاڈس نے جواب دیا کہ ”فتح ہوئی - تو مین جبراً و قہراً تمام رعایا کو رومن کیتھولک طریقہ کا پابند بناؤن گا - اور کسی شخص کو اس سے مفر نہ ہو گا“ یہ جواب پا کے برنکووش سلطان محمد ثانی کے پاس گیا - اور اُس فتحمند سلطان سے بھی یہی سوال کیا - سلطان محمد ثانی بولا کہ ”اگر خدا نے مجھے فتح دی تو ہر مسجد کے پاس ایک گرجا بنواؤن گا - اور لوگون کو اجازت دون گا کہ چاہین مسجد کی محراب

کے آگے سر جھکائیں، اور چاہیں صلیب کے آگے"؟ اور اسی جواب نے
سرویا والوں کو خود بخود ترکوں کا مطیع کر دیا - یہ ایک ایسا غیر متعصبانہ ارادہ
تھا جو شاید کسی قدیم مسیحی بادشاہ کے دل میں بھی نہ گذرا ہوگا - موجودہ
تہذیب کا زمانہ جس میں حکومت مذہب سے بالکل جدا کر دی گئی ہے - اور جبکہ
مذہبی جوش اور دینداری کے تعصب کی جگہ قومی اور ہموطنی کا تعصب پیدا
ہو گیا ہے - یہ بھی اس خیال کے فرمانروا نہیں پیش کر سکتا - اس زمانے کے
فرمانرواؤں کو ہم ہرگز یہ الزام نہیں دے سکتے کہ انکے طرز حکمرانی میں کسی
مقام پر بھی عیسائیت کی بو آتی ہے - لیکن اس میں شک نہیں کہ اب اُس
مذہبی تعصب کی جگہ قومی جوش اس قدر ترقی کر گیا ہے کہ باوجود بڑی انصاف
پسندی کے دعووں کے انگریزی عدالتیں درکنار انگریزی قانون بھی قومی تعصب
کے لگاؤ سے خالی نہیں - اور جب انگریزی قانون کا یہ حال ہے تو دیگر یوروپین
سلطنتوں کا کیا ذکر جو آزادی میں ہنوز برٹش گورنمنٹ سے پیچھے ہیں - مگر
اس زمانے سے ہمیں چنداں سروکار نہیں - کیونکہ یہ شائستگی کا زمانہ ہے - اور
قدیم مسلمانوں کا اندازہ اس زمانے کے مقابل میں اُسی طرح نہیں ہو سکتا -
جس طرح رومیوں اور یونانیوں اور مصریوں کی تہذیب کا اندازہ مسلمانوں کی
ترقی کے دور کے مقابل میں نہیں کیا جا سکتا - یہ نیچر کا سکھایا ہوا تجربہ ہے کہ
"نقاش نقش ثانی بہتر کشد زاول" - یہاں تک ہم نے جو کچھ بتایا وہ صرف
اسی قدر تھا کہ مسلمان عیسائیوں کے ساتھ کس فیاضانہ خلق سے پیش آئے؟
یہ ابھی باقی ہے کہ مسیحیوں نے مسلمانوں کے ساتھ کیا برتاؤ کیا - افسوس اس
موقع پر بہ استثنائے زمانہ موجودہ کے اور کوئی ایسی نظیر نہیں مل سکتی جس سے
ثابت ہو کہ کبھی عیسائیوں نے مسلمانوں کے حال پر رحم کرنا کیسا دست تظلم کو
روکا بھی تھا - اول تو تاریخ سے یہ ثابت ہی نہیں ہوتا کہ کبھی مسلمان رعایا
مسیحیوں کے زیر فرمان رہی بھی ہو - یا مسیحی اُس ملک پر حکمران ہوئے ہوں
جس میں کسی قدر مسلمان بھی آباد تھے - فتوحات اسلام کے بعد سے آخر تک
ایشیا اور افریقہ کے ممالک پر عموماً اہل اسلام ہی حکمران رہے - اور یہی وہ مقامات

ہین۔ جن مین مسلمانون کی آبادی ہے۔ سرزمین شام پر صلیبی لڑائیون نے کچھ دنون کے لیے مسیحیون کو مسلمانون کی قسمت کا مالک بنا دیا۔ مگر شاید بخت نصر تاجدار نینوا کے بعد اُس سرزمین کو ایسے مظالم کبھی نہ برداشت کرنا پڑے ہون گے جیسے کہ اُس چند روز کی عیسائی حکومت نے کیے۔ تمام مورخین اُس زمانے کو یاد کر کے روتے ہین۔ یوروپین مورخ جن کے قلم اُن ظالم مسیحیون کی عیب پوشی کرتے کرتے گھس گئے۔ اُنکو بھی آخر مجبور ہو کے وہ جو رو ظلم تسلیم ہی کرنا پڑتے ہین۔ آہ! جس مقام پر جو مسلمان ہاتھ لگا قتل کر ڈالا گیا۔ اور ایسی سختیان کی گئین جن کو یاد کر کے آج تک لوگون کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہین۔ مجاہدین دین مسیحی نے جب بیت المقدس پر قبضہ پایا تو مسلمانون کے خرد سال بچون کو دیوارون سے ٹکرا ٹکرا کے اُن کے سر پھاڑ ڈالے اور بھیجے نکال لیے۔ چھوٹے چھوٹے شیر خوار بچون کو فصیل قلعہ پر سے نیچے دے دے مارکے مار ڈالا۔ جوانون کو آگ مین زندہ بھون ڈالا۔ اور بعضون کے پیٹ پھاڑ ڈالے کہ دیکھین سونا تو نہین نگل گئے ہین۔ مسلمان تو خیر مجرم ہی تھے۔ یہود کو اُن کے معبدون مین بند کر کے زندہ جلا دیا۔ اور لطف یہ کہ پوپ روم کا نائب خود ان مظالم مین شریک ہوا عربی مورخین کا بیان ہے کہ چالیس دن کے محاصرہ کے بعد جب سنہ ۴۹۲ھ مین شعبان کی ۲۳ تاریخ فرنگیون نے بیت المقدس کو فتح کیا تو کامل ایک ہفتہ تک مسلمانون پر قتل عام ہوتا رہا۔ صرف مسجد اقصیٰ کے اندر ستر ہزار مسلمان مارے گئے۔ جن مین بڑے بڑے امام اور عابد اور زاہد اور معتقد برکت اور بہ جوش دینداری گوشہ نشین ہو رہنے والے مسلمان شامل تھے۔ مسجد اقصیٰ مین تمام نجاستین ڈال کے اُسے ناپاک کر دیا۔ اور مسلمانون کی تمام مسجدین منہدم کر دین۔ یہ کارروائی تھی جو دو روز کی حکومت مین کی گئی۔ اور یوروپ کے مسیحیون کے دامن پر یہ دھبے ہین جن کو مٹا کے اب پاک دامن بنتا ہے۔

اطراف شام مین بھی جن جن شہرون پر عیسائیون کا قبضہ ہوا وہان کے تمام اہل اسلام کے ساتھ بھی اسی قسم کا برتاؤ ہوا۔ اور تمام سرزمین شام ان ظلمون سے بھر گئی۔ اب اسکے بعد سلطان صلاح الدین کے اُس برتاؤ کو دیکھیے

جس کو ہم بیان کر چکے ہین کہ بیت المقدس کو فتح کر کے اُس نے کیسی رحمدلی ظاہر کی
اسی زمانے مین عیسائیون کو مصریون کے مقابل بھی ایک فتح نصیب ہوئی تھی اگرچہ
ہفتہ ہی بھر بعد پھر مسلمانون نے زک دیدی۔ مگر اُس ایک ہفتے مین کون ظلم تھا جو
اُٹھا رکھا گیا۔

یورپ مین اسپین کو مسلمانون نے فتح کر لیا تھا۔ خود یورپ مین تاریخین گواہ
ہین کہ وہان آٹھ سو برس تک مسلمانون نے عیسائیون کے ساتھ کیسی مراعات
جاری رکھی۔ اور اُنکو کس قدر آزادی حاصل تھی۔ اور بنو امیہ کا دربار انکو کس
عزت کے ساتھ اپنے تقرب کی عزت دیتا رہا۔ لیکن جب وہان مسلمانون پر زوال
آیا اور حکومت مسلمان فرمان رواؤن کے ہاتھ سے جاتی رہی تو جیسا برتاؤ مسیحیون
نے وہان کی مسلمان رعایا کے ساتھ کیا ہے اُسکو دُنیا کبھی بھول نہین سکتی۔ اُس
وقت غریب مسلمانون کو کسی شہر کسی گاؤن۔ کسی قریہ۔ بلکہ کسی پہاڑ اور کسی جنگل مین
بھی پناہ نہین ملتی تھی۔ مسیحیون نے ملک بھر مین اپنی تشفّی قائم کرنے کے لیے
کسی مسلمان کو بھی تو نہین چھوڑا۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج وہان ایک متنفس بھی
نہین جو خدائے واحد کا نام لینے والا ہو۔

ابھی کل کا ذکر ہے کہ بلغاریہ، سرویہ وغیرہ میں مسلمان بچے ماؤن کی گود
سے چھین چھین کے قتل کیے گئے۔ عورتیں بے حرمت کی گئیں۔ مسجدون میں آگ
لگا دی گئی۔ ہزارون مسلمان ذبح کر ڈالے گئے۔ اسکا کسی نے نام بھی نہ لیا۔ سارا
یورپ ہولی الائنس کی رسیون مین جکڑا بیٹھا رہا۔ اور جب ترکوں نے ان مظالم کے
انتقام اور بغاوت کے فرو کرنے کے لیے اپنی فوجین روانہ کین تو سارا یورپ چیخ
اُٹھا۔ روس۔ جرمن۔ اور آسٹریا کی طرف سے ظالم باغیون کی اعانت کی گئی۔
روپیہ اور اسلحہ سے مدد دی گئی۔ خیر وہ سب تو نالائق بنائے جاتے ہیں۔ ہمارا
انگلستان۔ جس کا آزادی اور انصاف پسندی کا نام لیتے لیتے پھیپھڑا پھولا
جاتا ہے۔ اُس مین بھی ہر چہار طرف دُہائی مچ گئی۔ اور مسٹر گلیڈسٹون لبرل
بلکہ ریڈیکل خیالات کو خیرباد کہ کے چلا اُٹھے کہ "ترکون کو مع انکے پاشاؤن
اور قائم مقامون کے یورپ سے نکال باہر کرو۔ اور کہدو کہ اپنا اختر اُ بُترا

سنبھالیں "۔ قدیم جہالت کے زمانوں کو جانے دیجیے۔ یہ اُس زمانہ کا ذکر ہے
جو تہذیب کا زمانہ ہے۔ اور اُن لوگوں کا حال ہے جو تہذیب و آزادی کے سرتاج
خیال کیے جاتے ہیں۔ اگر وزارت انگلستان کی کرسی پر وہ لائق اور غیر متعصب
شخص نہ ہوتا جسکی رگوں میں بنی اسرائیل کا خون دوڑ رہا تھا یعنی لارڈ بیکنس فیلڈ
اور قسطنطنیہ میں سفارت برطانیہ کو سرہنری ایلیٹ کا ایسا راستباز انگریز رونق
نہ دے رہا ہوتا، تو بیشک انگریزی فوجیں بھی ترکوں کے مقابلہ میں صف آرا
ہوتیں اور تین عظیم الشان دول یورپ یعنی روس۔ جرمن۔ آسٹریا کا اتحاد ثلاثہ
اتحاد اربعہ ہو جاتا۔ اور یورپ میں قوتوں کے چاروں زبردست عناصر اُس میں
شامل ہوتے۔ دنیائے اسلام عموماً لارڈ بیکنس فیلڈ اور سرہنری ایلیٹ کی
ممنون ہے۔ ورنہ یورپ اور مسیحیوں کی دنیا سے نہ اسلام کو کبھی ہمدردی کی امید
ہوئی اور نہ ہو سکتی تھی۔ بخلاف اسکے آج بارہ سو برس کا زمانہ ہوا کہ مسلمان
ایشیا کے یہودیوں اور عیسائیوں پر حکومت کر رہے ہیں۔ اُن کی رعایا میں لاکھوں
نہیں کروروں کا مذہب عیسائی رہا اور ہے۔ لیکن اُنکے ساتھ جیسا برتاؤ رہا۔
جس بیدار مغزی سے اُنکے جان و مال کی نگہداشت کی گئی۔ جس فیاضی سے
وہ اپنے مذہبی ارکان اور آداب کے بجا لانے میں آزاد رکھے گئے۔ اُسکی سی ایک
مثال بھی عیسائی نہیں پیش کر سکتے۔ اور پھر کتنی بڑی شرم کی بات ہے کہ اُلٹے
مسلمانوں کو الزام دیا جاتا ہے کہ "وہ ظالم ہیں۔ وہ جلاد ہیں۔ وہ اپنی سرکار کے
وفادار نہیں۔ اُن کا مذہب جہاد ہے۔ اُن سے سلطنت کو ہمیشہ ڈرنا چاہیے"۔
شرمائیں وہ جو کہتے ہیں مسلمان جلاد ہیں۔ نہیں بلکہ اُن میں اتنا ضرورت سے زیادہ
رحم تھا کہ انھوں نے جلادوں سے ظلم و ستم کا بدلا نہیں لیا اور معاف کر دیا۔

شد پریشاں خواب من از کثرت تعبیر ہا

مشہور ہے کہ اگلے دنوں اگر کوئی بادشاہ کوئی مہیب خواب دیکھتا تھا تو تمام
کاہن اور نجومی طلب کیے جاتے تھے اور اُن سے اُس خواب کی تعبیر پوچھی جاتی
تھی۔ وہ ایک ایسی بلا میں مبتلا ہو جاتے تھے کہ کسی طرح مفر ہی نہیں ہو سکتا تھا۔

صرف یہی نہیں کہ تعبیر کہیں بلکہ اُسکے ساتھ یہ بھی قیدیں ہوتی تھیں کہ بادشاہ کی مرضی کے ہرگز خلاف نہ ہو۔ اگلی دنیا میں انھیں خوابوں کی وجہ سے بڑی بڑی خونریزیاں ہوگئی ہیں۔ کبھی تو ایسا ہوا کہ شہر بلکہ ملک بھر کے تمام کاہن اور منجم بے دریغ تہ تیغ ہوے۔ اور کبھی منجموں نے کوئی فقرہ بنا کے اپنا پیچھا چھڑا لیا تو ملک پر ظلم ہونے لگا۔ اس کی نظیر میں فرعون مصر کا خواب ہے جو ولادت حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے اُس نے دیکھا تھا۔ منجموں نے تو کہدیا تھا کہ ایک لڑکا بنی اسرائیل میں پیدا ہونے والا ہے جو زوال دولت کا باعث ہوگا۔ اس تعبیر نے غریب بنی اسرائیل کو غلامی کے سوا اس نئی معصیت میں ڈال دیا کہ اُنکے بچے بے پرسش ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتے ہی قتل کر ڈالے جاتے تھے۔ کچھ اسی خواب پر منحصر نہیں ہے۔ اسی قسم کے سیکڑوں خواب دیکھے گئے۔ اور ہزاروں بندگان خدا پر آفت نازل ہوگئی۔

اب اس مہذب دنیا نے وہ مظالم تو موقوف کر دیے مگر خواب کا اثر اب بھی مانا جاتا ہے۔ اور بڑے بڑے علما وا ذکیا کو اب بھی تعبیر کہنے کی تکلیف دی جاتی ہے۔ اس سے ہمیں زیادہ سروکار نہیں کہ خواب کا فی نفسہ کوئی اثر ہے یا نہیں۔ اور تعبیر واقعیت سے کوئی علاقہ رکھتی ہے۔ یا صرف ایک ضعیف الاعتقادی ہے۔ لیکن اتنا تو ہم بھی جانتے ہیں کہ جب کبھی کوئی غیر معمولی اور نیا خواب دیکھا ہے تو دل میں آگئی ہے کہ کسی سے اسکی تعبیر بھی سنئے۔ اور نہیں تو دل ہی دل میں ایک امید ہی پیدا ہو جاتی ہے۔ یا کسی قسم کا خوف پیدا ہوتا ہے اور کسی بُرائی سے روکتا ہے۔

اسلام کے نزدیک خواب کیا چیز ہے؟ اگرچہ اس کا فیصلہ کرتے وقت اکثر لوگ ہم سے خفا ہو جائیں گے۔ مگر ہم صاف صاف کہنے میں ذرا تامل نہ کریں گے۔ ہمارے دین اسلام کے نزدیک اصل میں خواب کوئی چیز نہیں۔ جو کچھ ہے تعبیر ہے۔ اور وہ بھی صرف اس لیے کہ کسی بزرگ سے کلمات تعبیر سن کے ہر شخص اپنے دل میں ایک آیندہ خوشی کا امیدوار ہو جائے۔ تاکہ اسکے دل کو تقویت ہو۔ اور اُسے ہمیشہ ایک اطمینان حاصل رہے۔ شارع دین اسلام نے اس امر کا بہت سچا اندازہ کر لیا تھا

کہ خواب انسان کے دل پر بہت بڑا اثر کیا کرتا ہے۔ لہذا ضرورت ہے کہ کوئی لائق اور مقدس مسلمان اُس کے خیالات کو بُری باتون سے پھیر کے ایک عمدہ مقصودری اور امید کی طرف لے آئے۔

اسکے سوا کہین ثابت نہین کہ اسلام نے خواب کو کوئی واقعی امر مانا ہے۔ اپنے دعوے کے ثبوت مین ہم جناب رسالتآب صلعم کا ایک فیصلہ پیش کر سکتے ہین جو صاف طور پر بتا رہا ہے کہ خواب صرف امیدواری کی پوری استعداد پیدا کر دیا کرتا ہے۔ اور وہی استعداد آخر مین فائز المرام بھی کرا دیتی ہے۔ ایک عورت ہر سال رسالتآب صلعم کی خدمت مین حاضر ہو کر ایک خواب بیان کرتی تھی۔ اور آپ ہمیشہ تعبیر مین فرما دیا کرتے تھے کہ تیرے ایک لڑکا ہوگا۔ اور ایسا ہی ہوتا تھا۔ چنانچہ اُس عورت کے بہت سے لڑکے ہوے۔ ایک مرتبہ جب وہ عورت حاضر ہوئی تو جناب عائشہؓ تشریف رکھتی تھین اور خود آنحضرتؐ نہ تھے اُس عورت نے اپنا خواب حضرت عائشہ کے سامنے بیان کیا۔ اُنھون نے کچھ ایسی تعبیر کہدی کہ وہ عورت روتی ہوئی گھر گئی۔ جب جناب رسالتآب صلعم تشریف لائے۔ جناب عائشہ نے اُس عورت کا واقعہ آپ کے سامنے دوہرایا آپ کو نہایت صدمہ ہوا۔ اور فرمانے لگے کہ وہ ہر سال میرے پاس آتی تھی اور مین تعبیر کہہ دیا کرتا تھا کہ تیرے لڑکا ہوگا۔ وہ خوش خوش جاتی تھی۔ اور خدا اُسے لڑکا دیتا تھا۔ اب تم نے اُس کا دل توڑ دیا۔ اور بیشک وہی ہوگا جو تم نے کہا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

جناب یوسف علیہ السلام نے قیدخانے مین جن لوگون کے خواب کی تعبیر فرمائی تھی اُن کی نسبت اکثر مفسرین اور عبداللہ بن مسعود کے ایسے فقیہ اور جلیل القدر صحابی کی راے ہے کہ اُن لوگون نے اصل مین خواب نہیں دیکھا تھا بلکہ یوسف علیہ السلام کی آزمایش کے لیے اُنھون نے ایک خواب بنا کے سُنا دیا تھا۔ اور جب حضرت یوسف کی زبان سے تعبیر سُنی تو وہ شخص جس کی نسبت قتل کا حکم لگایا گیا تھا اُس نے صاف کہہ دیا کہ مین نے تو خواب واب کچھ نہین دیکھا تھا صرف تمھارے دھوکا دینے کے لیے مین نے ایک بات بنائی تھی۔ جسکے جواب مین

یوسف علیہ السلام نے کہا کہ" اب تو جو ہونا تھا ہو چکا - مین نے جو حکم لگا یا تھا اُس مین سر مو فرق نہ آئے گا - چنانچہ صبح ہی کو وہ امر ظہور پذیر ہوا جو حضرت یوسف نے فرما دیا تھا -

اس سے بھی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ خواب اصل مین کوئی چیز نہیں - ہان اتنی واقعیت ضرور ہے کہ انسان کے خیال اور اعتقاد پر کچھ ایسا اثر ہو جاتا ہے کہ وہ بڑے ہی ذوق و شوق سے اپنی آیندہ آرزوٗن کا امیدوار ہو جاتا ہے - اور اپنے تئین اُس آرزو کے قابل بنا لیتا ہے - یا اگر بُری تعبیر تبائی گئی ہے تو کسی بڑی خرابی سے بچنے کی کوشش کرتا رہتا ہے - اور یہ دونون ایسے امور ہین کہ جب دل سے اور سچی ہمت سے ہون گے ممکن نہیں کہ ان کا اثر نہ ظاہر ہو - یا دوسرے الفاظ مین کہا جائے کہ خواب سچا نہ ہو جائے -

اب ایسا زمانہ ہے کہ تعلیم یافتہ طبائع خواب کو بالکل بے اصل اور لغو خیال کرنے لگی ہین - اُن کی نسبت ہم اتنا ضرور کہین گے کہ انکی فلاسفی نے دنیا کو بالکل نا امید کر دیا - وہ آرزومندی کا شوق دلون سے جاتا رہا - جب سے یہ خیال پیدا ہوا کہ خواب صرف ایک ڈھکوسلا ہے اور اُسکی تعبیر ملانی کی کہانیان -

مگر اسکا ضرر اگر کچھ ہو سکتا ہے تو یورپ پر - بلکہ یورپ پر بھی نہین - کیونکہ وہان طبائع مین ترقی کا ایک ایسا جوش پیدا ہو گیا ہے جو شاید کسی اور طرح ممکن ہی نہین - اس خیال سے جو کچھ مصیبت پڑی صرف اُن لوگون پر جو ایشیا مین پیدا ہوے - اور مغربی تعلیم کے اثر سے بجائے اسکے کہ خود ترقی کرین صرف ان قدیم مصلحت آمیز امور کا باطل کرنا آ گیا -

ایک عرصے کی غفلت یا جہالت کے بعد جن لوگون کی آنکھ کھُل گئی ہے اُنکو اپنا قدیم سطوت و دبدبہ اور اپنی اگلی ترقی و ناموری ایک خواب ہی معلوم ہوتی ہے - اس خواب کو وہ درد انگیز اور عبرت آمیز الفاظ مین ہر بزرگ اور ہر مقتدائے قوم کے سامنے پیش کر رہے ہین - اور پوچھتے ہین کہ اس خواب کی تعبیر کیا ہے - مگر تعبیر کون بتائے - تعلیم یافتہ جماعت تو مجنون خیال کر کے اُن کی بات بھی نہ سُنے گی ہان چند پُرانے وقت کے بڈھے باقی ہین - جن پر زمانے نے اثر نہین کیا - اور اُمید

ہوتی ہے کہ اگر یہ تعبیر کہین گے تو اچھی ہوگی۔ مگر اُن مین باہم ایسے اختلافات پڑے ہوے ہین کہ ہماری قسمت کا فیصلہ کرتے وقت یہ تو درکنار کہ ہمدردی اور غمگساری سے کام لین آپس مین لڑے مرتے ہین۔ ایک کچھ کہتا ہے تو دوسرا کچھ۔ ایک امید دلاتا ہے تو دوسرا مایوس کر دیتا ہے۔ ایک ہنسا دیتا ہے تو دوسرا رُلاتا ہے۔

آہ! اپنا خواب اس مقدس گروہ کے سامنے ہم لے کے گئے۔ اور بہزار منت وسماجت سب کے سامنے اپنی مصیبت اور اپنی واجب الرحم حالت کو ظاہر کیا۔ مگر اُنھون نے اپنی باہمی لڑائی اور رنجش کو اس حد تک طول دیا کہ ہمیں اپنا خواب بھی بُرا معلوم ہونے لگا اور دنیا سے جی ہٹ گیا۔ افسوس ان بزرگوں کو ہماری بیکسی اور ہماری مظلومی پر بھی ترس نہ آیا۔ چاہے کسی کو اپنا خواب راس آیا ہو۔ ہمین تو اپنا خواب پریشان معلوم ہونے لگا۔ آہ! کیا خوب کہا ہے کسی نے

شد پریشان خواب من از کثرتِ تعبیرہا

افسوس ان مقتدایان اسلام کے آپس کے فساد نے ہمارے اُس خواب عشرت کو پریشان تو کر ہی دیا ہے، مگر اب ڈر ہے کہ کہین ایسا نہ ہو وہ خواب کا سمان ہمارے ذہن سے بھی اُتر جائے۔ مدت کی بات کسے یاد رہی ہے جو ہمیں یاد رہے گی۔

صبر

پہلی صدی ہجری کا ایک مسلمان عربی سوداگر کچھ اسباب لے مصر کے بازار و ن سے گذر رہا تھا۔ اگرچہ اُسے ابتدائے اسلام کا جوش اُس کے ریگستانی پیارے وطن اور نظر مین کُھبے ہوے کھجورون کے جھنڈون کی طرف کھینچ رہا تھا۔ مگر دین کی بیش بہا تعلیم الکاسب حبیب اللہ ترقی کی امیدین دلا دلا کر آگے بڑھائے لیے جاتی تھی۔ آرزوئین کامیابی کا عجب سبز باغ اُسے بلادِ مصر کی طرف دکھا رہی تھین۔ دل مین کہتا جاتا تھا "یہ اسباب اِس قیمت پر بِکے گا اور میرے حوصلے سے زیادہ نفع ہوگا"۔ چونکہ اطرافِ شام سے آرہا تھا لہذا خیال تھا کہ "شام کی نادر اشیا مصر مین قدر کے ساتھ لی جائین گی۔ امرائے مصر بڑے حوصلہ مند ہین۔ مجھے بخوبی اس امر کا موقع ملیگا کہ اس ہونہار پودے کی آبیاری کرون جو کئے

سے لاکر مدینے میں لگا یا گیا ہے۔ میرا بے دولت ملک اور میری مفلس قوم اور میرا غریب دین اس روپے سے بڑی تقویت پائے گا۔" اس پر جوش اور جان نثار قوم سوداگر کو کیا معلوم تھا کہ آیندہ کیا ہونے والا ہے۔ مگر اتنا معلوم ہوتا ہے کہ امیدوں کی دھن میں ہر حیثیت سے اپنے تئیں بامراد ہی تصور کرتا تھا۔ یقین تھا کہ اس مختصر تجارت کا روپیہ اسلام کے بہت کچھ کام آئے گا۔ ہمارا سراپا امید تاجر خیالی پلاؤ پکاتا اُس چھوٹے قافلہ کے ساتھ چلا جاتا تھا جو کبھی مصری پہاڑوں کی گھاٹیوں سے نکلتا تھا اور کبھی اونچے ٹیلوں کی آڑ میں آجاتا تھا۔

قوم قبط کا کوئی نصرانی رئیس ایک پہاڑی گانوں میں رہتا تھا۔ خدا جانے کیونکر اُسے معلوم ہو گیا کہ جو نیا دین جزیرہ نمائے عرب میں نکلا ہے اُسی کا ایک پُرجوش ہیرو اس قافلے میں بھی ہے۔ اُس پُر فتن زمانے میں جسے اسلامی تہذیب نے ابھی رونق نہیں دی تھی کسی با اختیار رئیس کے غضبناک ہو جانے کو اتنا اشارہ کافی تھا۔ اپنے حبشی غلاموں کو ہمراہ لیکر روانہ ہوا اور اُس چھوٹے قافلہ پر بلائے ناگہان کی طرح آگرا۔ قافلے کے اور لوگوں کا تو خدا جانے کیا حشر ہوا مگر مورخ کی زبانی ہمیں اس قدر پتہ لگتا ہے کہ سب مال و اسباب لوٹ لیا گیا اور وہ غریب مسلمان سوداگر دشمنوں کے پنجے میں گرفتار رہا۔ موجودہ مورخین جو تعصب کا سارا الزام مسلمان بادشاہوں اور مسلمان رؤسا ہی کے سر پر رکھے دیتے ہیں۔ اس واقعے کی آیندہ حالت دیکھ کر شرمائیں اور اپنی زہر آلود اور نفاق انگیز تحریروں کو واپس لیں۔

یہ مسلمان زنجیروں میں جکڑ کر اُن پہاڑوں کے درمیان بٹھا دیا گیا۔ اُسکی اُمیدیں اونچے مصری ٹیلوں سے ٹکرایا کرتی تھیں جو چاروں طرف گھیرے ہوئے تھے۔ روز بڑے ناجائز دباؤں کے ساتھ دین عیسوی اُسکے سامنے پیش کیا جاتا تھا، مگر وہ اپنے برگزیدہ دین سے دست بردار نہ ہوتا تھا۔ جسکی سزا میں یہ معمولی کارروائی روز برتی جاتی تھی کہ ایک پتلا جو پیغمبر عرب کی جانب منسوب کیا گیا تھا۔ اُسکے سامنے لایا جاتا تھا اور بڑی بے عزتیوں کے ساتھ دکھایا جاتا تھا۔ اس پر بھی ظالم متعصبوں کا دل نہیں ٹھنڈا ہوتا تھا۔ روز سیکڑوں کوڑے اُس مستقل مزاج

دینداروں پر پڑجاتے تھے اور وہ خدا کا نام لے لے کے اس سزا کو بھگت لیا کرتا تھا۔ الغرض تقریباً پچیس تیس برس اسی طرح گذر گئے کہ روز پیٹھ پر زور زور سے کوڑے پڑتے تھے اور وہ چلاّ چلاّ کے اُس ایک بچانے والے کو پکارا کرتا تھا جو ہر مظلوم کی آواز سن لیا کرتا ہے۔ انصاف کیجیے تو یہ صبر تھوڑا نہ تھا۔ مصیبت گھڑی بھر کی بھی بہت ہوتی ہے۔ یہ تو تیس برس ہوے۔ خدا جانے اُس بہادر نے کس قیامت کا مضبوط دل پایا تھا کہ یہ روز روز کا سوہان روح جھیل گیا۔ آخر خدا نے اُس کی دلسوز آواز سن لی۔ شاید یہی سبب تھا کہ مسلمانون کو ملک شام فتح کرنے سے بہت جلد فراغت مل گئی کہ اُس ملک مین جھنڈا گاڑ کے اُنکی فوج کا ایک حصہ روم کی طرف بڑھا اور دوسرا گروہ مصر کو روانہ ہوا۔ اسکندریہ کو فتح کر کے جب عمرو بن العاص کے ساتھ والے جان نثاران اسلام آگے بڑھے تو خالد بھی اُنکی مدد کو آپہونچے۔ اگرچہ ملک مصر کی فتح عمرو بن العاص کی طرف منسوب ہے مگر اُس حرمان نصیب مبتلاے رنج ومحن کو خالد ہی کی تلوار نے نجات دلوائی۔

خالد جب سرزمین مصر مین داخل ہوے تو کسی گرجے کے چند راہبون نے جو شام سے بھاگ کے یہان آئے تھے پہچانا۔ فوراً سمجھ گئے کہ اب ملک مصر بھی چند روز بعد اُنکے قبضے مین ہوگا۔ باہم مشورہ کر کے اُنھون نے اپنے حفظ دامان کے لیے خالد سے معاہدہ کر کے اُنکی اطاعت قبول کی انھین لوگون مین سے ایک شخص نے بڑھ کر خالد سے کہا "مین تم سے ایک ایسا واقعہ بیان کرتا ہون جسے دریافت کر کے تم بہت خوش ہوگے"۔ اتنا کہ کے اُس شخص نے اُس محبوس کا حال بیان کرنا شروع کیا جو تیس برس سے زمانے کو اپنی مستقل مزاجی کا امتحان دے رہا تھا۔ اور کچھ ایسے دلگداز اور جگر خراش لہجے مین بیان کیا کہ خالد اور اُنکے ہمراہیون کے بے اختیار آنسو نکل پڑے۔ الغرض وہ شخص رہبر ہوا اور بہادران اسلام اُسکے پیچھے روانہ ہوے۔ تھوڑی ہی مسافت طے کی ہوگی کہ اُس گانون مین پہونچ گئے جہان ایک خداپرست پر ظلم ہو رہا تھا۔

اتفاقاً خالد عین اُسوقت پہونچے جب وہ ظالم نصرانی اپنے بیکس قیدی کے سر پر تلوار لیے کھڑا تھا اور کہ رہا تھا "یہ تیرے ہی صبر کا نتیجہ ہے کہ مسلمانون کے

منحوس قدم اس سرزمین پر بھی آگئے۔ تو اپنے دین سے نہ باز آنا تھا نہ آیا۔ اب
اس کے سوا کوئی تدبیر نہین کہ قبل اسکے کہ تیرے ساتھی تیری حمایت کو آئین مین تجھے
مار ڈالون۔ بس اسی تدبیر سے تو اپنی سزا کو پہونچ سکتا ہے۔" یہ کہ کے ادھر اُس نے
اپنی تلوار کو حرکت دی اور اُدھر اُس مظلوم مسلمان نے زور سے خدا کو پکارا۔ اور
تیسری طرف سے خالد اپنی تلوار لیے ظالم کے سر پر آپہونچے۔ جس گھڑی یہ تینون
واقعے برابر ایک ہی ساتھ ہوے وہ عجب سین تھا۔ ایسے ہی واقعات امیدوان
کو بڑی تسلی دلایا کرتے ہین۔ غور کرو تو ہم بھی اپنے لیے اس سے بہت کچھ نتائج
نکال سکتے ہین۔ دنیا کی کوئی ناامیدی ہو وہ جہالت اور بے تہذیبی ہی سہی اُسکو
اس واقعے سے بڑی تسلی ہو سکتی ہے۔ الغرض وہ ظالم قتل کر دیا گیا۔ اور دریافت
کرنے سے معلوم ہوا کہ مسلمان قبیلہ طے کا ایک آفت زدہ سوداگر تھا۔

اگرچہ ہمین اس قسم کے بہت سے واقعات مل سکتے ہین مگر یہ واقعہ چونکہ غیر معروف
اور کسی قدر نیا ہے اس لیے غالبا دلون پر زیادہ اثر کر گیا ہوگا۔ جن لوگون نے اس
جفاکش مظلوم کے قصے کو ابھی دیکھا ہے کوئی اُنکے دل ٹٹول کر دیکھے تو معلوم ہو کہ ایک
غریب اور بیکس کی مظلومانہ زندگی دلون پر کس قدر اثر کر جاتی ہے۔ ہائے جب ہم ان
مختلف باتون کا خیال کرتے ہین کہ ایک وہ دل تھا جس نے اتنی بڑی مصیبت کا
تحمل کیا۔ اور ایک وہ دل تھا جو ایسے ظلم کیا کرتا تھا۔ ایک وہ دل ہے جو یہ تذکرہ
سن کے بیتاب ہو جاتا ہے اور ایک وہ بھی دل ہے جو ان سب باتون کو سنتا
ہے مگر اُس پر کچھ اثر نہین ہوتا۔ تو ہمین حیرت ہوتی ہے۔ بلکہ ہماری بینائی کو ایک درجہ
اور ترقی ہو جاتی ہے۔ آنسو تو کیا چھپتے ہین مگر ذرا سا صبر آ جاتا ہے کہ قومی ادبار
پر جہان اکثر لوگون کے عیش مین خلل پڑ گیا ہے وہان بہتون کو کچھ پروا بھی
نہین۔ خلاصہ یہ کہ جو بات سب کے دل کو لگی ہو اُس مین البتہ کوئی مفید کارروائی
ہو سکتی ہے۔ ہمارے قومی ادبار کا جانکاہ اثر ابھی بہتون پر نہین بھی پڑا ہے۔
ہائے افسوس ہماری عقل کام ہی نہین کرتی کہ اس سے زیادہ وہ کون سا ادبار
ہوگا جس کا بعض لوگون کو انتظار ہے۔ شاید اسی لیے اکثر نوجوان اپنا کیریکٹر روز
بروز بگاڑتے جاتے ہین تاکہ وہ زمانہ بہت جلد آ جائے جب اسلام کے ادبار کا

سب لوگون کو یقین آجائے گا۔

ایک اگلا جادو بیان فارسی سخن گو عجب دلدہی کے لہجے مین صبر کی نسبت کہہ گیا ہے ع "صبر تلخست ولیکن بر شیرین دارد"۔ لیکن سچ تو یون ہے کہ ایسے شیرین کی امید مین تلخیون کا متحمل ہونا بڑا سخت کام ہے۔ ہم اتنا تو کسی کو نہین پاتے کہ جیسے حالات مورخین بیان کر گئے ہین اُنکو برداشت کر سکے۔ اور جو برداشت کر گئے خدا جانے کس دل و دماغ کے لوگ تھے۔ صبر کے جذبات قیامت کے ہوتے ہین۔ ایک کشش ہوتی ہے کہ زمانے بھر کو اپنی طرف کھینچ لیا کرتی ہے۔ ایک بلاکش صابر کی صورت پر ایسے آثار پائے جاتے ہین کہ انھین دیکھ کر ضبط کرنا انسان کا کام نہین۔ جس چہرے پر صبر نے ایک پُرحسرت مایوسی اور بے بسی کا روغن پھیر دیا ہے اُس پر نظر پڑتے ہی دل ہاتھون سے نکل جاتا ہے۔ صبر کرنے والے اپنے اطمینان سے بیٹھے رہتے ہین مگر جو کچھ گذرتی ہے دُور سے دیکھنے والون پر گذرتی ہے۔

دیکھو وہ حرمان نصیب دلدادۂ یار کس صبر و استقلال اور کس ضبط و اطمینان سے کُنج تنہائی مین بیٹھا ہے۔ ٹھنڈی سانس ایک پُرجوش حرکت کے ساتھ سینے سے چلتی ہے اور مُنہ کے پاس پہونچ کر یک بہ یک غائب ہو جاتی ہے۔ کسی بے وفا کو تو اُس پر ترس نہین آتا۔ مگر ایسی حسرت مند صورت ہے کہ دیکھنے والے بے اختیار کلیجا پکڑ لیتے ہین۔ غور سے دیکھو تو وہ اطمینان سے بیٹھا ہے۔ مگر جو کچھ صدمہ ہوتا ہے وہ اُن لوگون کو جو اُسکی پریشان صورت دیکھ رہے ہین۔ آخر وہ عورت اپنے دنیا سے رخصت ہو جانے والے شوہر کو روتے روتے تھک کے بیٹھ رہی اب اُس کے بشرے سے ایک کامل سنجیدگی اور سکوت کے آثار پائے جاتے ہین۔ لیکن خدا جانے اُسپر کس قیامت کی مایوسی برس رہی ہے کہ اُدھر نظر جاتے ہی ہاتھون کا دامن صبر چاک ہو جاتا ہے۔ سب تو سب یہ دنیا سے سدھار جانے والے جنھین اپنی حرکات و سکنات پر ذرا اختیار نہیں۔ چونکہ لاکھون آرزوئیں خاک مین ملا کے گئے ہین اس لیے اُنکے متین چہرے کس قیامت کی یاس آلود حسرت کے ساتھ صبر کا محشر خیز سکوت دکھا رہے ہین کہ حلقۂ ماتم مین بیٹھنے والی سوگوارون کی

بیتابی رہ رہ کے ترقی کرتی ہے۔

ناامیدون کے گروہ کو ہمیشہ ہماری طرف سے جو یہ نصیحت کی جاتی ہے کہ "صبر کرو خدا فریادرس ہے۔" وہ اس نصیحت پر عمل کرنے والون کو بے صبر کردیتی ہے۔ اپنی تجربہ کار نظر کو جہان تک بڑھائیے یہی معلوم ہوگا کہ جہان کوئی صبر کرنے والا اپنے رنج و الم کو ایک دلگداز سکوت پر ٹال دیتا ہے وہان سیکڑون کو تاب نہین رہتی - مگر حیرت اس بات کی ہے کہ قومی عزت کا صدمہ اُٹھانے والون مین سے ہزارون ایک مایوس صورت بنائے بیٹھے ہین مگر اُن پر ایک کو بھی ترس نہین آتا -

چند مختصر خیالات

آجکل مسلمانون مین تبلیغ دین کا خیال جوش پکڑ رہا ہے - دہلی اور دیگر مقامات کی تبلیغ اسلام کی انجمنون کے بعد اب ندوہ نے بھی اس طرف توجہ کی ہے لیکن اس جوش کا اگر اسی قدر نتیجہ ہوا کہ مناظرہ اور ردّ و قدح کو ترقی دی جائے اور ہر جگہ مناظرہ کرنے والے واعظین بھیجے جائین تو اسلام کو اس سے ضرر پہونچے گا - بحث مباحثہ کو ایک ضمنی حیثیت سے رہنا چاہیے - کیونکہ صرف مناظرہ سے دنیا میں آج تک کسی مذہب کو کامیابی نہین حاصل ہوئی ہے -

---

ہندوستان مین عوام الناس کا ایک بہت ہی ادنیٰ طبقہ ہے - جیسے ڈھیر کولی - چمار - وغیرہ - ان لوگون کو ہندوون نے شودر بتا کے نہایت ذلیل قرار دیا اور مردم شماری مین چاہے اُنھین اپنے گروہ مین لے لین مگر دراصل وہ لوگ اُنھین دنیا کی تمام قومون ہی نہین تمام چیزون سے زیادہ ناپاک سمجھتے ہین - مسلمانون نے بھی ہندوون کی تقلید مین ان لوگون کو ویسا ہی ذلیل قرار دیا - اور گذشتہ ہزارہا سال کے زمانے مین ان لوگون کی یہ حالت رہی ہے کہ ہر سوسائٹی اُنھین چھوڑے ہوے ہے - اور اُنکے لیے ترقی کے تمام دروازے مسدود ہین - اور خود اُن کو باور کرا دیا گیا تھا کہ وہ اپنی حد سے آگے قدم نہین بڑھا سکتے - عیسائی مشنریون کو جب شریعت اور پڑھے لکھے ہندو مسلمانون کے عیسائی بنانے مین

زیادہ کامیابی نہ ہوئی تو اُنھون نے ان لوگون کی طرف توجہ کی۔ اپنے مذہب مین داخل کرکے اُنھین ترقی دلانا شروع کی۔ اُن کی اعلیٰ تعلیم کے لیے مدارس کھولے۔ اور اُنکو یقین دلادیا کہ انکی اعانت سے ہندو اور مسلمان دونون عاجز ہین۔ اور صرف مسیحیت اُنکے لیے ترقی کا دروازہ کھول سکتی ہے۔ اسکے ساتھ مسیحیت اُنکی نظر مین اتنی آسان دکھادی گئی کہ وہ بغیر اپنی کسی رسم کے چھوڑے۔ بغیر وضع وحالت کے بدلے۔ اور بغیر اسکے کہ اُنھین اپنی کوئی بات بھی چھوڑنی پڑے وہ عیسائی ہوسکتے ہین۔ ان دو باتون کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب اِن ادنےٰ اقوام کے لوگ جوق درجوق عیسائی ہوتے چلے جاتے ہین۔ اور ساتھ ہی اپنا سوشل پوزیشن بھی بڑھا رہے ہین۔ اس طریقے سے مسیحیت نے ہندوستان کی ساری زمین کے نیچے گویا باروت بچھا رکھی ہے جو عنقریب مشتعل ہوگی۔ اور یک بیک نظر آئیگا کہ صرف چند مدعیان شرافت تو ہندو مسلمان ہین۔ باقی ہندوستان کی ساری عام رعایا عیسائی ہے اور اُنھین کے ہاتھ مین مجارٹی ہے۔

ہندو پولٹیکل حقوق کے لیے لڑ رہے ہین۔ ایجیٹیشن کا زور دکھا دکھا کے باغی وسرکش بنے جاتے ہین۔ بیشک اُنھون نے ان حقوق کے حاصل کرنے کے لیے اپنا بہت سا روپیہ اور اپنی جانین قربان کی ہین اور ہم مانے لیتے ہین کہ یہ مطلوبہ حقوق اُنکو مل بھی جائین گے۔ لیکن ملنے کے بعد جب مجارٹی عیسائیون کی ہوگی تو وہ سب حقوق اُنھین کے ہاتھ مین چلے جائین گے۔ اور وہ اسی طرح غل مچاتے رہ جائین گے جیسے آج کل مسلمان غل مچا رہے ہین کہ ہمین جداگانہ حقوق دیے جائین ورنہ غیرون کی مجارٹی ہمین پیس ڈالے گی۔ عیسائی نہایت متانت۔ خاموشی اور اطمینان سے اِن تحریکون کو دیکھ رہے ہیں۔ کیونکہ جانتے ہین کہ یہ پکی پکائی ہانڈی ہمارے ہی ہاتھ میں آنے والی ہے۔

اگر اپنی فلاح چاہتے ہین تو ہندو مسلمان دونون کو کوشش کرنی چاہیے کہ ذات اور چھوت کے جھگڑے مٹاکے ان ادنیٰ طبقے والون کو اپنے گروہ مین

لین - اور انھین مسیحی ہونے سے روکین - ورنہ جو وقت آنے والا ہے اُس وقت نہ یہ مذہبی مناظرے کام آئین گے نہ یہ سوشیل اصلاحین فائدہ پہنچائین گی - اور نہ ان پولٹیکل تحریکون سے کچھ ہاتھ آئے گا -

---

مسلمان مسیحیون کے بمقابل افریقہ مین کامیاب ہین (جس پر مشنریون کی دنیا مین ہل چل پڑی ہے) اور ہندوستان مین ناکام - ہماری انجمن تبلیغ اسلام کو پہلے اس راز کا پتہ لگانا چاہیے کہ وہان کیون کامیابی ہے اور یہان کیون ناکامی اس کا اصلی سبب یہ ہے کہ مسلمانون نے ہندوستان مین رہ کے ہندوون کے ذاتون کی تفریق سیکھ لی ہے - اور اخوت اسلامی کو ترک کر کے ایک دوسرے کو لحاظ ذات اور قومیت اپنے سے ذلیل وحقیر تصور کرنے لگے ہین - ایک شریف سے شریف ہندو بھی اگر مسلمان ہو جائے تو اُسے کسی شریف گھرانے کی بیٹی نہین مل سکتی شرفا درکنار کوئی ادنیٰ درجہ کا مسلمان بھی معزز سے معزز نو مسلم کو نہ اپنی برادری مین لیگا اور نہ اپنی بیٹی دے گا - آپ جب لوگون کو مسلمان بنا کے اُنکی برادری سے چھڑاتے ہین اور اپنی برادری مین نہین لیتے، پھر کسی کو مسلمان ہونے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے ؟ یہی کمی افریقہ کے واعظین اسلام مین نہین اور ہندوستان کے واعظین مین ہے

اگر ہماری انجمنون کو سچی محبت اور تبلیغ دین کا شوق ہے تو پہلے مسلمانون کی اس قومی تنگ خیالی اور اس عصبیت جاہلیت کو توڑین - نو مسلموں کو اُسی طرح اپنی برادری مین لین جس طرح صحابہ کرامؓ لیا کرتے تھے - پھر اسکے بعد دیگر مذاہب کے لوگون کو اپنے دین کی طرف بلائین اور دین کے پیش کرنے سے پہلے اپنی اخوت دینی کو پیش کرین اور کہین کہ مسلمان ہوتے ہی ہم تم ایک ہین ہماری بیٹی تم لو اور اپنی بیٹی ہم کو دو - دینداری کی یہ سچی وضع اختیار کرلینے کے بعد آپ تبلیغ دین کرین - اور دیکھ لین کہ دنیا کا کوئی مذہب اسلام کا مقابلہ نہین کر سکتا -

اور بغیر اسکے صرف مناظرے سے ہمارے خیال مین سوا اسکے کہ دین کو
اور نقصان پہونچے کوئی فائدہ نہ ہوگا - اور ہم اس تحریک کے سخت مخالف ہین -
کیونکہ اسلام مین تو وہی چار داخل ہونگے مگر فساد کا بازار ہر جگہ گرم ہو جائے گا -

---

ہمارا جدید ناول

ہم نے ابھی جو ناول شروع کیا ہے یہ ایک بہت ہی دلچسپ اور حیرت انگیز
امر کو ثابت کرے گا - اگرچہ ہم نے سرزمین اندلس مین سین کھینچا ہے - اور کوشش کی ہو
کہ اُس عہد کے مسیحی اور اسلامی تعلقات کو دکھائین - لیکن اسکے ساتھ خاص طور
پر اُس زمانے کے گرجون اور کلیساؤن کی بھی تصویر نظر آئے گی - یہ بھی دکھایا گیا
ہے کہ اسلامی حکومت مین مسیحیون کو کس حد تک آزادی حاصل تھی - مگر اسکے
ساتھ اُنکی متعصبانہ کوششین کس قدر ذلیل اور شرمناک ہوتی تھی -
دین عیسوی کے سرگروہ ہمیشہ دعوے کرتے رہے کہ اُنکے مذہب مین روحانیت
کی تعلیم سب سے زیادہ دی گئی ہے - بلکہ اس بارۂ خاص مین وہ بجائے خود
تمام مذاہب کو اپنے سے ادنیٰ درجے پر خیال کرتے ہین - حتیٰ کہ کبھی کبھی یہ بھی کہدیا
جاتا ہے کہ اور لوگ اُن روحانی رموز کو سمجھ ہی نہین سکتے جس کی تلقین عیسائیت
کے ذریعہ سے لوگون کو کی جاتی ہے - یہی وجہ تھی کہ قدیمی چرچ جس سے رومن
کیتھلک مراد ہے - اُس مین انتہا سے زیادہ جوگ کے اصول برتے جاتے تھے -
تارک الدنیا ہونا اور لذات دنیوی کو چھوڑ دینا اس عہد کے گرجون کا عام سبق تھا
یہ سبق صرف راہبون ہی کو نہین دیا جاتا تھا جو بالون کے موٹے جھوٹے کپڑے
پہنتے تھے - اور بالکل فقیرانہ وضع مین رہا کرتے تھے - بلکہ اس سبق سے لاکھون
عورتون کی بھی زندگی خراب کی جو بچپن سے گرجے کی نذر کر دی جاتی تھین -
اور پھر زندگی بھر کے لیے انسانیت کے نیچرل حظوظ سے محروم کر دی جاتی تھین -
چنانچہ رومن کیتھولک چرچ آج تک ان شرمناک باتون کا مرکز بنا ہوا ہے - آخر
زمانے مین اسلام کو دیکھ کے اور اصول اسلامیہ سے سبق لے کے پراٹسٹنٹ

مذہب قائم کیا گیا - جس نے اُن باتوں میں بہت کچھ اصلاح کر دی - مگر یہ جوہے
آج تک پراٹسٹنٹ پادریوں میں بھی باقی ہے - کہ روحانی مسائل کی تعلیم دین
عیسوی سے زیادہ کوئی نہیں کرسکتا -

اگر خالص روحانیت اور رہبانیت یعنی جوگ ہی مذہب کی خوبیوں کے
سچے معیار ہو سکتے ہیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہندو مذہب سب سے اچھا مذہب
ہے - اس لیے کہ مسائل تصوف جس خوبی سے ہندوؤں کی کتابوں میں بیان
کیے گئے ہیں اور کہیں کم نظر آسکتے ہیں - اور پھر بھی اگر نظر آسکتے ہیں تو
مسلمان متصوفین کی بے بہا کتابوں میں - عیسائیت نے اگر سچ پوچھیے تو
آج تک تصوف کے نازک اور دقیق رموز کو سمجھا ہی نہیں - دین عیسوی کی روحانیت
صرف عہدنامۂ جدید کی چند آیتوں پر ... ہے - جن کے ذریعہ سے انسان
کی نیت اور ارادوں پر پہرے بٹھائے ... اگر تم کسی عورت
کو بُری نگاہ سے دیکھو تو آنکھ نکال کے پھینک دو ...
لیے ہاتھ بڑھاؤ تو اپنا ہاتھ کاٹ کے پھینک دو - اگر تمھارے ایک گال ...
تھپڑ مارے تو اپنا دوسرا گال اُس کے سامنے کر دو - اگر کوئی تم کو ایک میل
اپنے ساتھ بیگار پکڑ کے لیجانا چاہے تو تم دو میل اُسکے ساتھ چلے جاؤ - کوئی
تمھیں گالیاں دے تو تم اُسکو دعائیں دو - کوئی تم پر لعنت کرے تو تم اُسکے لیے
رحمت کی دعا کرو - اگلے دنوں کہا گیا تھا کہ کوئی کسی کو مار ڈالے تو اُس پر قصاص
جاری ہوگی - میں کہتا ہوں کہ نہیں کوئی کسی کو غصہ کی نگاہ سے دیکھے گا تو اُس پر
بھی قصاص جاری ہونا چاہیے - اگلے دنوں بتایا گیا تھا کہ زنا کروگے تو گنہگار
ہوگے - میں کہتا ہوں اگر کوئی کسی عورت کو شہوانی نظر سے دیکھوگے تو گنہگار ہوگے -
غرض اسی قسم کی باتیں ہیں جن کی تعلیم دین عیسوی میں کی گئی ہے - اور یہی وہ
روحانیات ہیں جن پر فخر کیا جا رہا ہے - لیکن ہم کہتے ہیں کہ زہد و اتقا کی تو
اور بات ہے مگر کوئی صاحب شریعت پیغمبر جو ایک عالم کی رہبری کے لیے آیا ہو
وہ ایسی باتیں کبھی نہ کہے گا - یہ تو وہ احکام ہیں جن کی تعمیل عقلاً محال ہے -
شاید جناب مسیحؑ کے وقت سے آج تک ان باتوں پر ایک مسیحی بھی عمل نہ کرسکا

ہو گا - ہمین شک ہے کہ یہ باتین دراصل جناب مسیح کی فرمائی ہوئی ہین یا یارون کی ملحقات مین سے ہین - اور قیاس یہی چاہتا ہے کہ بہ حیثیت نبوت جناب مسیح نے ایسے احکام ہرگز نہ دیے ہون گے -

بہر حال ان نصائح کی بنا پر مسیحیون کو دعوے ہے کہ وہ روحانی دنیا کے بادشاہ ہین - مگر اس بادشاہت کے ساتھ ترویج دین کے لیے اُنھون نے کس قسم کی کوششین کین اور اپنے چال وچلن کو کیسا دکھایا اس کا ثبوت ہمارا یہ ناول دیگا -

اسلام نے اگرچہ اتقا کے بڑے سخت مدارج بتائے بلکہ یہان تک کہدیا ہے کہ جب تک انسان کے تمام جذبات دلی توحید کے تابع نہ ہو جائین اُسوقت تک اُسکا ایمان کامل نہین ہے - لیکن وہ عام اعتقاد جس کی پابندی کا ہر شخص مکلف کیا ہے یہہے کہ اللہ [illegible] نیت کے بارے مین کسی سے بازپرس نہ کرے گا - [illegible] گی - یعنی اُن باتون کی جنکا وقوع ہو جائے - اسلام [illegible] نہین [illegible] کہ تم کو کوئی مارے یا گالیان دے تو تم چپ رہو کے اور مار کھاؤ دعائین دینے لگو - بلکہ وہ تو سیدھا سادہ اور بالکل قرین قیاس حکم دیتا ہے کہ تمھارے ساتھ کوئی بُرائی کرے تو اگر تم معاف کردو تو بہت اچھا ہے خدا تم کو اُسکا بدلہ دیگا - اور اگر نہ جی چاہے تو اُسی طرح اُس سے بدلہ لے لو -

مسلمان اس اصول پر ہمیشہ راستبازی کے ساتھ عمل کرتے رہے - انھون نے کبھی اُس قسم کے دغا وفریب سے اپنی کارروائیون مین کام ہی نہین لیا - جو باوجود ان دعوہاے روحانیت کے ہمیشہ مسیحیون کا دستور العمل رہے اور آج تک ہین -

اس ناول مین لوگ اُس عہد کے عیسائی مذہب کی سچی تصویر دیکھین گے اور معلوم ہو گا کہ جن دنون عیسائی عربون کی تلوار کے آگے سر جھکائے ہوے تھے اُن دنون سر جھکائے ہی جھکائے وہ کیسی دغا وفریب کی کارروائیان کرتے رہتے تھے ایک طرف تو مسیحیون کا جاہلانہ شوق شہادت نظر آئے گا جو دراصل خودکشی کا ایک تعصب انگیز نمونہ تھا - دوسری طرف یہ دکھائی دے گا کہ اُنھون نے ایک مسلمان شریف لڑکی کو اُس کے گھر سے نکال کے کس قدر خراب کیا - اور

آخر اسکی کیا حالت ہوتی - اور اپنے مسلمان بھائی کے گھر سے نکل کے وہ کس قدر ذلتون مین پڑ گئی اور بداخلاقیون نے اُس بیگناہ کو کس جرأت کے ساتھ اپنا شکار بنایا - اور پھر اسکے ساتھ ہی ساتھ راہبون اور ننون کے چال چلن کا بالکل صحیح نقشہ دکھایا گیا ہے -

ہم یہ بھی کہہ سکتے ہین کہ اس واقعہ کا اصلی پلاٹ ہم کو انگریزی مصنفون کے بیان سے ملا ہے - اور جو کچھ ہم لکھ رہے ہین سوا خاص باتون کے سب مسیحیون ہی کے بیان کے مطابق لکھا گیا ہے - اسلامی علما اور سپہ سالارون کے نام اور حالات بھی ہم نے انگریزی ہی سے نکالے ہین - بہت کم ایسی باتین ہین جن کے لیے ہم کو اسلامی کتابون کی ورق گردانی کرنا پڑی ہو -

سادگی

ہر چیز جب تک صرف نیچر کی صناعیون کا نمونہ ہے اور زمانے کی کاریگریون نے تکلف کا رنگ نہیں چڑھایا ہے - عجب بھین بھین کر دینے والا اثر رکھتی ہے دنیا اپنی اصلیت کے لحاظ سے بڑی موثر چیز تھی مگر افسوس زمانے کے انقلابات نے رنگ آمیزیان کرتے کرتے اُسے بھدا کر ڈالا - نسل انسانی کے پہلے شخص نے دنیا کو عجیب خوشنما صورت مین پایا ہوگا - افسوس اُس کے دل کے جذبات ہمین نہین معلوم - اور ہمارے ذہن مین بھی نہین آسکتا کہ اُس نے کس کس چیز سے کیا کیا لطف اُٹھایا ہوگا - زمانے کے مزاج مین خدا جانے کس قیامت کی شہرت پسندی ہے کہ صرف اپنی یادگارین قائم کرنے کے لیے دنیا کی صورت بدلے دیتا ہے اور بدل دی - زمانے نے سیکڑون پہلو بدلے اور ہر مرتبہ جبھی پہلو بدلا ہے جب پہلے پہلو کی کوئی نہ کوئی یادگار قائم کر لی - دنیا پر ہزارون ہی طرح کے رنگ چڑھائے گئے اور زمین کے خوشنما چہرے پر لاکھون ہی قسم کے زیور سجے گئے مگر پھر بھی جب کوئی مقام ان مصنوعی تکلفون سے خالی نظر آجاتا ہے طبیعت بے قابو ہو جاتی ہے -

وہ دشوار گذار کوہستان اور وہ بلا خیز بیابان جہان زمانے کی کاریگری نے

وکیل یعنی دنیا دار لوگ مشکل سے جا سکتے ہین - اگر عشرت پسندی کو چھوڑ کر کبھی
اُن مقامون کی ہوا کھاؤ تو معلوم ہو کہ قدرت نے غریب بھول چوک کر آنکلنے
والون کے لیے کیا کچھ سامان دلچسپی جمع کر رکھا ہے جو یہان کبھی خواب مین
نظر نہین آتا - ہندو متھالوجی (دیوبانی) کا یہ بیان کس قدر قرین انصاف
معلوم ہوتا ہے کہ "جنت ہمالیہ کی دشوار گذار چوٹیون پر ہے" - جن کوہستانون
پر لوگون کا گذر ہوا ہے وہان کی کیفیت اُن لوگون کو جو نیچرل فنامنا (جلوہ گاہ
فطرت) کے عاشق ہین زندگی بھر نہین بھولتی - جب اُن پہاڑون کا یہ حال ہے تو
وہ پہاڑ جنکو ہم نے نہین دیکھا ہے بیشک جنت کہے جانے کے قابل ہون گے - یہ
کیون؟ صرف اس سبب سے کہ انسانی پرتکلف کاریگریون سے بالکل پاک و صاف
ہین - عموماً وہ سین نہایت دلفریب ہوتے ہین جن کی آراستگی مین قدرت کے
[illegible] تا ہے - مسافر سفر کی سخت سے سخت سعوبتین جھیل کر
[illegible] اسے اور لوگون کے نقش قدم نہین نظر آتے اور
[illegible] تک پہونچ جاتی ہے - تکلیف اور مصیبت اُسکا ہاتھ
[illegible] باقی [illegible] اور اُس مقام پر کھڑا کر دیتی ہے جسکے دیکھنے کو عموماً
قدرتی امن پسندون کی آنکھین ترسا کرتی ہین - وہ شوق کے ساتھ ملی ہوئی
حیرت سے دیکھتا ہے کہ مین ایک پہاڑ پر کھڑا ہون جسکی سطح سبزہ خودرو سے
ڈھکی ہوئی ہے - جا بجا پاک اور صاف چشمے پہاڑ کے نشیبون کو ڈھونڈھتے ہوے
نیچے کی طرف بہتے چلے جاتے ہین - وہ دیکھتا ہے کہ یہ چشمے نہایت شفاف ہین مگر جو
آگے بڑھتے ہین دنیا کی کثافتین میلا کرتی جاتی ہین - دل مین خیال کرتا ہے کہ یہ
نہرین اُسی دنیا کو جا رہی ہین جسے مین چھوڑ آیا ہون - مگر افسوس وہان کے لوگ
انھین ایسا صاف اور پاکیزہ نہ پائین گے جیسا کہ مین دیکھ آیا ہون - مسافر اپنی
چھوڑی ہوئی سرزمین کو یاد کرتے ہی وہان کے لوگون کو یاد کرتا ہے اور سواد وطن
کا خیال کر کے قصد کرتا ہے کہ ان نہرون کے ذریعے سے اپنی خبر آبادی دنیا تک پہونچانے
مگر وہان کا سین اُسے اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے اور بیتاب ہو کر پھر ان کیفیتون
کو دیکھنے لگتا ہے جو اُسے سامنے نظر آ رہی ہین - خودرو پھول مختلف رنگون کا

نمونہ دکھا کر باغ نیچر کی دلفریبیون کو بڑھا رہے ہین۔ طرح طرح کی جھاڑیان اور
قسم قسم کے پودے دور دور تک جانے والی نظر کو عجب دلچسپی کے ساتھ درمیان
ہی مین روک لیتے ہین۔ آزاد طیور اُڑتے پھرتے ہین۔ اور وہ چوپائے چر رہے
ہین جنھون نے آج تک سوئٹزرلینڈ کے پہاڑون مین بسنے والون کی طرح
اپنی آزادی کو ہاتھ سے نہین کھویا ہے۔ یہ چوپائے اس لیے بیخوف سیر کرتے
پھرتے ہین کہ انھین یہان شکاریون کا بھی ڈر نہین۔ مسافر نہایت ہی خود رفتہ
ہو ہو کر ان کیفیتون کو دیکھ رہا ہے۔ اور جب یہ خیال کرتا ہے کہ یہ وہ مقام ہے
جہان کسی کی حکومت نہین۔ اور وہ زمین ہے جس کا کوئی محصول لینے والا نہین۔
یہ سادگی کا سمان دل مین آزادی کا ایک جوش پیدا کرتا ہے اور وہ جوش جسقدر
اس غیر آباد مقام سے مناسب ہے کسی مقام سے نہین۔ یہان جو چیز نظر آتی ہے
آزاد ہوتی ہے۔ درخت بے تکلفی سے ہر مقام پر اُگ آتے ہین۔ باغبان نے
کوئی ایسی حدین نہین قائم کی ہین جن کے باہر اُگتا دنیا کی ہوا کھاتے ہی اُنکا خاتمہ
کردے۔ چونکہ کسی قسم کی کاٹ چھانٹ نہین کی جاتی ہے اس لیے وہ بیباکی
کے ساتھ دست شوق کی ٹہنیان پھیلا دیتے ہین۔ ٹھنڈی ہوا کے آزاد جھونکے
پاک وصاف چشمون سے تازگی کی کیفیت حاصل کرتے ہوے آتے ہیں اور یہ
ٹہنیان جھوم جاتی ہین۔ درختون کی یہ خوش آیند حرکت نازک دماغ طیور کو ناگوار
گذر جاتی ہے۔ وہ اُڑ کر کسی اور مقام پر جا بیٹھتے ہین اور اپنے جان فزا نغمون کو
اُن جھونکون کے ساتھ دامن کوہ مین پھیلا دیتے ہین۔ پہاڑ گونج اُٹھتا ہے اور
معلوم ہوتا ہے کہ کوئی قدرتی فرشتہ اُن نغمہ سنج طیور کے ساتھ سُر ملا رہا ہے۔ یہ
وہ سمان ہے جو خواہ مخواہ دل کو فریفتہ کرلیتا ہے۔ اور انسان اگر کبھی اس
نمایش گاہ فطرت مین پہونچ جاتا ہے تو بمشکل واپس آسکتا ہے۔

تارون بھری رات مین کسی وسیع میدان مین جا کے کھڑے ہو جاؤ تو عجب
سین نظر آئے۔ رات کے سیاہ آسمان مین چمکدار تارون کی روشنی بزم قدرت کی
عجب پیاری بہار دکھایا کرتی ہے۔ اُسوقت کا آسمان اُسوقت کی زمین اُسوقت
کے درختون پر دور دور شہابی روشنی کا دکھائی دینا۔ یہ ایسی چیزین ہین جنھین

ایک خاص قسم کی دلچسپی ہے جو دنیا مین اور کہین نہین نظر آسکتی -

خود انسان کے حالات کا اندازہ کرو تو وہ حالات جو تکلفات دنیاوی سے بالکل پاک ہین انتہا سے زیادہ دلفریب نظر آئین گے - وہ ابتدائی زمانہ جب نسل انسانی مین دنیاوی کاریگریون کا زیادہ رواج نہین ہونے پایا تھا ایسا زمانہ تھا کہ تواریخ کے صفحات اُلٹ الٹ کر جب ہم اُس پر غور کرتے ہین تو دل بے اختیار اُس زمانے کی باتون کا والہ و شیدا ہو جاتا ہے - اُن اگلے لوگون کے پاس کچھ نہ تھا - قدرت کے تحفے یعنی درختون کے پھل اُن کی بے محنت غذا تھی - پہلے تو کچھ اس کی بھی پروا نہ تھی کہ ننگے ہین - اور جب کچھ خیال آیا تو درختون کے پتے ستر پوشی کا کام دینے لگے - ایک بسیط اور سادی زندگی تھی - نہ کوئی غم تھا [illegible] - [illegible]ن تمام فکر کرکے دیکھتے ہین یہی معلوم ہوتا ہے کہ [illegible] نہ تھا - مگر خدا جانے کیا بات تھی کہ آج ہمین اُن پر حسد معلوم ہوتا ہے -

وہ کوہ قاف کی دلربا پری یعنی سرکیشیا کی بھولی دوشیزہ لڑکی جس نے دنیا سے بہت لطف اُٹھایا ہے سادگی اُسکا لباس ہے اور پھول اُسکے زیور ہین - پہاڑ کے دامنون مین آزادی سے سیر کرتی پھرتی ہے - نہرون کے کنارے بیٹھکر ہاتھ منہ دھوتی ہے اور اُس حسن کو اُبھارتی ہے جس پر دنیاوی کاریگری کے مصورون نے کبھی قلم نہین لگایا ہے - اُس کا حسن تکلفات سے بالکل بری ہے وہ اپنے دل مین اُن چیزون کی تمنا بھی نہین رکھتی جو بناوٹ سے تعلق رکھتی ہین - اس سادگی نے اُس کے حسن کو دنیا بھر مین مشہور کیا - عام خیالات اس کی طرف متوجہ ہوگئے - اور آخر اسکو مجبور ہونا پڑا کہ اپنی آزادی کے مقام کو چھوڑ دے - اور آخر اُس کو مجبور ہونا پڑا کہ اپنی آزادی کے مقام کو چھوڑ دے نہایت حسرت کے ساتھ اُن پہاڑون - اُن گھاٹیون اور اُن نہرون کو رخصت کرے جس کے چند روز بعد وہی لڑکی امراے ترک اور روساے ایران کی مجلسون کو رونق دیتی ہے - جہان تھوڑی ہی مدت مین دنیاوی تکلفات اس کے حسن کے قدرتی جذبات کو خاک مین ملا دیتے ہین -

ذرا مذاہب کی ہسٹری پر نظر ڈالو۔ اور دیکھو اُن کی ابتدا کس بے تکلفی کی خبر دے رہی ہے۔ وہ قدیم زمانہ جب آرین رہا۔ پہلے پہل ہندوستان میں آئے تھے اور وہ ہندوستان کا اگلا سین جب یہاں ایک آزاد قوم آباد تھی۔ اور پہاڑوں کے دامنوں میں اور دریاؤں کے کناروں پر شوقیہ اپنی بکریاں چراتی تھی کیسا سادہ زمانہ تھا۔ نہ بناوٹ کے نمونے تھے نہ تکلف کے کرشمے تھے۔ نہ آبادی کا نام تھا۔ نہ تمدن کا نشان تھا۔ بس ایک خدا کی مخلوق تھی جو اپنی بے تکلفی اور آزادی کے جوش میں خود اسے بھی بھولی ہوئی تھی۔

عرب کی سادگی پر غور کرو تو سب سے زیادہ حیرت ہے۔ ریگستان۔ بے سبزے کے پہاڑ۔ کھجوروں کے کنج اور ببول کے جنگل۔ بس یہی ایک ہدیے تھے جو خدا کی جانب سے اُس صحرا میں آ نکلنے والوں کے سامنے پیش کیے گئے تھے اور خصوصاً وہ ابتدائی زمانہ جب پہلے پہل یہ ہدیہ اُس بیکس بچے والی عورت کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ جس کو اُس کا شوہر اُس صحرا میں تنہا چھوڑ گیا تھا۔ بچے کی پیاس سے حیران ہو کر وہ عورت صفا و مروہ پہاڑیوں پر "العطش العطش" کہتی ہوئی دوڑ رہی تھی۔ اور پانی کو ڈھونڈھتی تھی مگر نہیں ملتا تھا۔ آخر وہ بچہ ریگ کے تودوں سے کھیل کھیل کر اور سنگستانی میدان میں گر گر کر بڑا ہوا اور اُس مشہور قوم اور مذہب کا بانی ہوا جو دنیا میں بہت مشہور ہے۔ یہ اُسی مقام کا ذکر ہے جہاں اب مکہ آباد ہے۔ اسلام کی پرورش بالکل سادگی کی حالت اور نیچر کے بہت سادے منظروں میں ہوئی۔ وہی قوم جس کے سفیر اور ایلچی اپنے سادے بے تکلف اور پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے بے تکلف قیاصرہ کے دربار میں جاتے تھے اور ساسانیوں کے تخت کی خبر لیتے تھے۔ عرب کی ابتدائی سادگی سب ملکوں سے کچھ بڑھی ہوئی تھی اور یہی وجہ تھی کہ وہاں کے لوگوں کا جوش بھی سب سے بڑھا ہوا تھا۔ اُنکو اس سے قطعی نفرت تھی کہ دنیاوی زندگی دولتمندی کے تکلفوں سے خراب کی جائے۔ جبتک یہ خیال اُن میں قائم رہا وہ نہایت ہی قوی تھے اور دنیا بھر میں اُنکی دھاک بیٹھی رہی۔ مگر جس وقت سے اوروں کی طرح اُن میں بھی تکلفات شروع ہوئے وہ خراب ہو گئے۔ نہ وہ جوش رہا نہ اُنکی اولو اُنکی ترقی کی رفتار رُک گئی۔ لہٰذا خدا اُن میں پھر وہی سادگی کا جوش پیدا کرے۔

نامور مصنفین کی مقبول تصنیفات

یعنی مولوی محمد حسین صاحب آزاد، ... احسن دہلوی، سر سید احمد صاحب، مولینا حالی پانی پتی، نواب محسن الملک

میاں شبیر احمد خلف الرشید مولوی نذیر احمد صاحب ... مصور فطرت خواجہ حسن نظامی، حکیم ... علی صاحب

تلمیذ رشید جانشین سعید علامہ شبلی مرحوم یعنی مولوی سید سلیمان ... مولانا مولوی محمد عبد الحلیم صاحب شرر

مدظلہ العالی وغیرہ قابل مصنفین زمانہ حال و ماضی کی تصنیفات و تالیفات ...

قیمت روانہ فرمانے پر یا بذریعہ وی پی تعمیل ارشاد ہوگی۔ اگر کوئی کتاب خدانخواستہ کان ...

کرکے بہم پہنچا دی جائیگی ختم ہوگئی ہوگی تو مجبوری ہے۔ نیز دنیائے ادب و اخلاق کی شمع یعنی مرزا سلطان

ریٹائرڈ اسسٹنٹ کمشنر کی جملہ تصانیف بھی ہم سے طلب فرمائیں۔ خان احمد حسین خان صاحب چیف ایڈیٹر شہرہ و مقبول ما

شباب اردو کی نظمیں اور اخلاقی ناول و سراغ رسانی کے ناول بھی ہم سے مل سکتے ہیں۔

جلد دلگداز بابت ۱۸۸۷ء و ۱۸۸۹ء جو اردو ادب اور انشاپردازی کی جان ہیں جن سے جن صاحبوں نے فائدہ

اٹھایا وہ آجکل کے مشہور مصنف اور نامور ادیب بن گئے جن کی سطروں کا معاوضہ بلا مبالغہ پونڈ ہوتے ہیں اگر جلد ہی

ان جلدوں کو طلب نہ کرلیا گیا تو پہلے کی طرح پھر کسی قیمت پر بھی نہ مل سکیں گی کیونکہ بہت تھوڑی تعداد میں طبع ہوتی

ہیں نیز شاعرانہ و عاشقانہ مضامین جو مولانا کے دلگداز میں آج تک نکلتے رہے ہیں مولینا موصوف کی ترمیم و اضافت

طبع ہو رہے ہیں جو عنقریب انشاءاللہ تعالے تیار ہوجائیں گے شائقین ادب و دلدادگان لٹریچر پہلے ہی سے

درخواستیں روانہ فرمائیں تو نایابی کے اندیشے سے محفوظ رہیں گے۔ فہرست کتب بغیر ایک آنہ کے ٹکٹ آنے پر روانہ ہوگی

المشتہران

عبدالرشید برادر تاجران کتب لوہاری دروازہ لاہور

کتبہ محمد حسن رقم لاہوری

TITLE PRINTED AT THE NATIONAL ART PRESS, LAHORE